

قندیلِ حرم

(دینی شخصیات اور اسلامی موضوعات کے بارے میں تحقیقی مضامین)

ڈاکٹر عبدالشکور ساجد انصاری

(صدارتی ایوارڈ یافتہ سیرت نگار)

قندیل حرم

ڈاکٹر عبدالشکور ساجد انصاری
(صدارتی سیرت ایوارڈ یافتہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

اُم المومنین

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام

علی

خاتم النبین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

روشنی کا سفر

اُفق تا قندیلِ حرم

جب شعور وعرفان کی آنکھ کھلی تو نصابی کتب کے ساتھ ساتھ مجھے اخبار پڑھنے کا بے حد شوق پیدا ہوا۔ اس وقت چائے کی دکانوں اور کھوکوں پر آج کی طرح ٹی۔وی، کیبل اور ڈِش کا رواج نہ تھا بلکہ ریڈیو کی نشریات اور اخبارات ہی تفریح کا ذریعہ تھیں۔ میں بھی اخبار پڑھنے کیلئے ساتھ والی گلی میں بیر دین کی دکان یا بائی شریف کے کھوکھے پر جاتا اور اخبار کا مطالعہ کرتا۔ جس دن بچوں کا ایڈیشن آتا وہ دن نہایت اچھا گزرتا کیونکہ میں اس میں سے کہانیاں پڑھتا، لطیفے اور پہیلیاں تلاش کرتا۔ یہ سلسلہ میٹرک تک چلا۔ میں میونسپل لائبریری یا نیشنل سنٹر کی لائبریری میں جا کر بہت سے قومی اور مقامی اخبارات کا مطالعہ کرلیا کرتا۔ اخبار کے مطالعہ سے میری وژن وسیع ہوتی چلی گئی، میرے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہوا اور میری معلومات کا دائرہ پھیلتا گیا۔ چھٹی جماعت سے میرا ذوقِ مطالعہ مجھے نذیر بک ڈپو گورونانک پورہ میں واقع ناول لائبریری میں لے گیا۔ اب روزانہ کا معمول ہوگیا کہ بچوں کے ناول اور کہانی کی کتابیں کرایہ پر لے کر آتا اور کرایہ بچانے کی خاطر صرف ایک ہی دن میں ناول پڑھ لیتا۔ اس دور میں ٹارزن، عمر وعیار، میاں آزاد کے ناول، جاسوسی کہانیاں

پڑھیں، ان الف لیلوی اور تجسس بھری کہانیوں سے مجھے زندگی کے کئی رُخ پڑھنے کا موقعہ ملا۔ سلسلہ آگے چلا تو جیب خرچ جمع کر کے ماہانہ رسائل خریدتا اور ان کا مطالعہ پورا مہینہ جاری رہتا۔ بچوں کی دنیا، نونہال، تعلیم و تربیت جیسے رسالے خوب پڑھے۔ ان سب میں مجھے نونہال بے حد پسند تھا۔ اس کی کہانیاں، معلومات مضامین اور بچوں کی نگارشات بہت اچھی ہوتی تھیں۔ اس دوران میں نے بھی لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ کبھی کبھار کوئی خط کسی رسالے کے مدیر کے نام لکھ دیتا تھا۔ ہمدرد نونہال کیلئے ایک مضمون ''اقبال سے ایک انٹرویو'' تحریر کیا۔ لیکن کئی ماہ تک انتظار کے باوجود شائع نہ ہوا۔ ایک دن میرے ایک دوست جاوید اقبال اب آئی سپیشلسٹ، نے بتایا کہ نونہال رسالے میں تمہارا مضمون چھپا ہے اگلے دن وہ رسالہ مجھے لا کر دے دیا۔ یہ غالباً میرا پہلا باضابطہ مضمون تھا، میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔

رسالوں کے مطالعہ سے شوق قلمی دوستی کی جانب منتقل ہو گیا۔ ملک کے مختلف شہروں اور قصبوں میں مقیم طلباء سے خط وکتابت کا سلسلہ شروع ہوا۔ کراچی، قلات، مانسہرہ، سکھر، لاہور کے ساتھ ساتھ اپنے ہی شہر میں طلباء سے قلمی دوستی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ملک گیر رسالوں کے علاوہ بچوں کے شائع کردہ اور چلڈرن کلبوں کے ترتیب دیئے ہوئے میگزین بھی مطالعہ میں آنے لگے۔ میرے دوست ایم۔ اے سہیل جو آج کل ایک بک ڈپو چلا رہے ہیں اور نہایت ادب پرور شخصیت ہیں اسی دور کی دریافت ہیں۔ ان سے قلمی دوستی سچ مچ کی دوستی میں بدل گئی۔ اس دوران وسائل تو نہ تھے لیکن کہتے ہیں ''شوق دا کوئی مُل نئیں''۔ میں نے سکول کی کاپی میں سے لے کر ایک رسالہ ''شمع'' لکھا۔ جس کا ٹائٹل رنگین انداز میں بنایا اور اندر کے صفحات کو کہانیاں، لطیفے، اقوال زریں وغیرہ سے مزین کیا۔ یہ آج بھی سہیل صاحب کے پاس موجود ہے۔

میٹرک کے دوران میں ایم سی ہائی سکول کوتوالی روڈ میں داخل ہوا تو میونسپل لائبریری کی باضابطہ ممبر شپ لی۔ اب میرا ذوق جوان ہو چکا تھا۔ اور وژن بھی وسیع ہو گئی تھی۔ میں نے اردو لٹریچر کا باقاعدہ مطالعہ شروع کیا۔ غالب و میر کا کلام پڑھا۔ اقبال اور اقبال پر لکھی گئی بھاری بھرکم کتابوں کا مطالعہ کیا۔ تحریکِ پاکستان اور قائداعظمؒ پر کتابیں کھنگالیں۔ اردو کے کلاسیکل ناول غیر ملکی افسانوں اور ناولوں کے تراجم اور سیاسی تجزیوں پر

مشتمل کتابوں سے استفادہ کیا۔لسانیات کا مجھے بہت شوق تھا۔سنسکرت،ترکی،فارسی،عربی ،فرنچ،پشتو،سندھی وغیرہ کی ہئیت کے بارے میں پڑھا۔الغرض ہر شعبۂ زندگی کے حوالے سے کتابیں شوق کے ساتھ دیکھیں۔اخبارِ جہاں،اخبارِ خواتین،سیاسی رسالے،زندگی ،اردو ڈائجسٹ وغیرہ بھی زیرِ مطالعہ رہے۔ان دنوں جناح کالونی کے علاقے میں پاکستان نیشنل سنٹر کا ادارہ قائم تھا۔جو وقتاً فوقتاً مختلف ادبی،سیاسی اور مذہبی تقریبات کا انعقاد کرتا تھا۔میری دلچسپی مختلف مذاکروں اور سیمینارز میں اظہارِ خیال کرنا تھا۔میرا مطالعہ ماشاء اللہ اتنا وسیع تھا کہ کسی بھی موضوع پر صرف چند منٹ پہلے مطلع ہو کر بآسانی خطاب کر لیا کرتا تھا۔اگر کبھی نیشنل سنٹر کے مہمان مقرر نہ آتے یا کم ہوتے تو اس ادارے کے آفیسر اور ملازم مجھے تقریر کیلئے مدعو کر لیتے۔تقریباً پانچ سال پر محیط یہ عرصہ میرے لئے بہت معلوماتی اور مطالعاتی رہا۔

دسویں کلاس سے زندگی کا ایک اور دور شروع ہوا۔میں اپنے نظریات اور عقائد میں اپنے والدین اور بڑے بھائیوں کی تربیت کی وجہ سے نہایت پختہ تھا۔اولیاء کرام کی محبت میرے دل میں بے حد تھی۔نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے انس و محبت اور آپ کی مدح و نعت میری نس نس میں موجزن تھی۔اس دور میں مجھے میری منزل یعنی طلباء کی ملک گیر تنظیم انجمن طلباءِ اسلام مل گئی۔جس کا مشن عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فروغ تھا۔یہاں سینئر اور جونیئر ساتھیوں کا حلقۂ احباب اتنا وسیع ہوا کہ شاید عام زندگی میں کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔سکولوں کے نوعمر طلباء،کالجوں کے نوخیز اور زرعی یونیورسٹی کے جوان سال دوستوں سے رابطہ ہوا۔میں محلے کی ایک گلی سے اُٹھ کر یکدم پورے ملک میں پھیلے ہوئے سفیرانِ عشق کے نیٹ ورک میں جا پہنچا۔میرا تعارف شہر میں ہوا،ضلع سے ہوتا ہوا پورے مل میں پہنچا۔علم و شعور اور عرفان کی روشنی بھرپور انداز میں مجھ تک پہنچنے لگی۔ATI کی لائبریری میں موجود تفاسیر،احادیث اور اولیاء کرام کی سیرت پر مبنی کتب کا مطالعہ کیا جاری رہا۔ساتھ ساتھ کردار اور سیرت کی تربیت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ATI کے پلیٹ فارم سے سینئر کارکنان،اراکین اور قائدین کے ساتھ ساتھ علماء کرام اور مشائخ عظام سے رابطوں کا سلسلہ چلا اور ان سے اکتسابِ فیض کا موقعہ ملا۔جن بڑی شخصیات سے استفادہ کیا ان میں مجاہدِ ملت مولانا عبدالستار خاں،قائدِ اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی،ضیاءالامت

پیر محمد کرم شاہ، شیخ الاسلام پیر قمر الدین سیالویؒ، علامہ سیّد ریاض حسین شاہ، پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری، ملک محمد اکبر ساقی، پیر سیّد نذر حسین شاہ، صاحبزادہ حاجی فضل کریم، حاجی محمد حنیف طیب وغیرہ شامل ہیں۔ ان بزرگوں کی زیارت کی ان کی بصیرت افروز باتیں سنیں بعض کے ساتھ گھنٹوں نشستیں رہیں اور بعض کے ساتھ کھانا کھایا ور تفصیلی گفتگو ہوئی۔ اس دوران فیصل آباد، ٹوبہ ٹیک سنگھ اور جھنگ کے علاوہ پنجاب کے مختلف شہروں اور پشاور، کراچی، مظفر آباد جانے کا موقعہ ملا۔ سلسلہ ہوتا تھا کنونشن یا تربیتی کیمپ کا۔

انجمن طلباء اسلام سے وابستگی کے دوران اپنے خیالات لکھنے اور تحریر کو ادبی حلاوت دینے کا ڈھنگ سیکھا۔ کوئی اجلاس ہوتا، پریس کانفرنس ہوتی یا جلسہ عام، اس کی کارروائی بھیجنا ہوتی اور اگلے روز اخبارات میں اس خبر یا رپورٹ کو ڈھونڈھنا بھی ہوتا تھا۔ ان دنوں اخبارات ورسائل اور پرنٹ میڈیا پر ہماری خبر شاذ و نادر ہی لگتی تھی۔ اب تو حالات یکسر مختلف ہیں۔ انجمن طلباء اسلام کی ہم نظریہ احباب کی ایک بڑی تعداد میڈیا میں موجود ہے جو ہر طرح سے تعاون کرتی ہے۔ بہرحال اس دور میں میری تحریر میں صحافتی رنگ نمایاں ہوا۔ لیکن سلسلہ مضامین تک نہ پہنچا تھا بلکہ صرف پریس ریلیز تک ہی محدود تھا۔ کراچی سے محترم ظہور الحسن بھوپالیؒ کی زیر ادارت ایک مقبول ہفت روزہ ''اُفق'' نمودار ہوا۔ اس رسالے میں خبریں ہوتی تھیں، تبصرے اور تجزیے بھی اور معلوماتی مضامین بھی۔ فیصل آباد کی سیاسی اور مذہبی ڈائری لکھنے کا کام اعزازی طور پر میں نے انجام دینا شروع کیا۔ شہر میں منعقد ہونے والے سیاسی، سماجی اور مذہبی پروگراموں کی کوریج ڈائری کی صورت میں بھیجتا جو اُفق کا ادارتی عملہ بڑی خوشی شائع کر دیتا۔ اس طرح سے میں نے صحافتی دنیا میں قدم رکھا۔

یہاں ذکر کرتا چلوں کہ بچپن میں دو شخصیات کی ذاتی لائبریری سے میں نے بہت استفادہ کیا۔ اُن میں ایک ہیں حاجی محمد اشرف شاکر انصاری اور دوسرے حافظ علی احمد رضوی صاحب، حافظ صاحب جو ہماری مسجد غوثیہ سلطانیہ کے امام اور خطیب تھے۔ ان کی لائبریری سے میں مفتی احمد یار خاںؒ کی تفسیر نعیمی کی دستیاب دس جلدیں پڑھیں، ماہنامہ رضائے مصطفیٰ کی پرانی فائلیں پڑھیں۔ جبکہ شاکر صاحب کی لائبریری سے اکابرِ تحریک پاکستان، تذکرۂ علماء اہلسنت، ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی وغیرہ کا مطالعہ کیا۔ یہ باتیں پرائمری سے مڈل کے دور تک کی ہیں۔

1981ء میں جب ایم بی بی ایس کی تعلیم کے سلسہ میں علامہ اقبال میڈیکل کالج لاہور میں داخل ہوا تو زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔اب شہر بدلا،ادارہ بدلا،ماحول بدلا،ذہن کھلا ،نظر میں وسعت آئی۔دل میں بادِصباء کے جھونکوں نے دستک دی۔عمر کا بیسواں سال جسم میں ایک نئی ترنگ اور دل میں کچھ کرنے کی تڑپ۔لیکن یہ سب کچھ ایک دائرے کے اندر ایک فکری احاطے کی حدود میں رہ کر تھا اور وہ فکر تھی انجمن طلباء اسلام کی عطا کردہ۔لاہور پہنچتے ہی ATI کے مشن کیلئے کالج میں کام شروع کیا۔پرانے احباب سے رابطہ کیا یا تو ڈاکٹر بن گئے تھے یا پھر سینئر کلاسوں میں تھے۔ساتھ ہی تحریری اور ادبی میدان میں بھی رنگ دکھایا۔ نوائے وقت،جنگ اور امروز کے طلباء ایڈیشن میں مختلف مضامین لکھنے شروع کئے۔کالج میں ہونے والی تقریبات کی رپورتاژ بھی تحریر کی۔ساتھی طلباء کی آراء پر مشتمل سروے لکھے۔جوسب کیلئے دلچسپی کا سامان تھے۔نوائے وقت میں سراج منیر،بیدار سرمدی،قاضی مصطفیٰ کامل،مدثر احمد اور سیّد ارشاد عارف سے راہ و رسم بڑھی،جنگ میں واصف ناگی اور امروز میں محمود منہاس سے رابطہ ہوا۔سب نے میری ادبی تحریروں پر حوصلہ افزائی کی۔
کالج میں یونین موجود تھی،جس پر رائزنگ ڈاکٹرز نامی تنظیم کا ہولڈ تھا۔اس کے زیر سایہ بہت سے طلباء میگزین شائع ہوتے تھے۔جن میں میں نے لکھا۔ان میں سے ایک رسالہ سحر نکلا جس کے پنجابی سیکشن کا ایڈیٹر بنا۔کئی میگزین انٹر میڈیکل کالجیٹ تھے جس سے میرا نام ملک کے دوسرے میڈیکل کالجوں تک پہنچا۔1985ء میں انجمن طلباء اسلام کے میڈیکل کالجز میں زیر تعلیم طلباء پر مشتمل انٹر میڈیکل کالجیٹ کونسل نے مجھے اپنا چیئرمین بنایا تو نصابی نوٹس کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ایک ادبی رسالہ ''سیماب'' شائع کیا۔اس میں ملک کے سارے میڈیکل کالجز کے نمائندوں نے شرکت کی۔اس کی خاص بات محترم سیّد ریاض حسین شاہ صاحب مرکزی سیکرٹری جنرل جماعت اہلسنت کا ایک مضمون اور بانی ادارہ منہاج القرآن ڈاکٹر محمد طاہر القادری تفصیلی انٹرویو تھا۔جو ایک تاریخی دستاویز ہے۔
کالج کی سرگرمیوں کے سلسلے میں ''بزم اقبال'' کے قیام کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔سیکنڈ ایئر میں جب میرا حلقہ احباب کالج اور بیرون کالج بہت وسیع ہوگیا تو میں نے بزم اقبال کے نام سے ایک ادبی تنظیم تشکیل دی۔اس تنظیم کے تحت کالج کی کنٹین پر ایک خوبصورت ادبی محفل ہوئی۔جس میں مہمانِ خصوصی میرے دوست،پنجابی کے لکھاری اور اردو کے شاعر جناب

اقتدار واجد مرحوم تھے۔ جنہوں نے اپنا کلام سنایا۔ اس پروگرام کی دھوم کالج میں خوب مچی۔ اگلا پروگرام کیا تو فرزندِ اقبال جسٹس جاوید اقبال سے لاہور ہائی کورٹ میں ملے اور ان سے خصوصی پیغام لیا۔ جو یوم اقبال پر منعقدہ تقریب میں پڑھا گیا۔ افسوس یہ بزم نامساعد حالات کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکی۔ تاہم نتیجہ یہ نکلا کہ میں نے شعروشاعری کے میدان میں بھی ہاتھ پاؤں مارنے شروع کیئے۔ اس دوران کالج میں میری ایک غزل کا یہ شعر بہت مشہور ہوا۔

میرے ایک دوست محمد اخلاق (اب لاہور کے نادر گردہ سپیشلسٹ ہیں) میرے ہمراہ تھے۔ احتجاجی جلسوں میں بھی شرکت ہوتی۔ لاہور میں شاہی مسجد میں منعقدہ یارسول اللہ (ﷺ) کانفرنس میں شامل ہوا۔ الحمراہ ہال میں ہر سال منعقد ہونے والی یوم اقبال اور یوم قائداعظمؒ کی مجالس میں لازمی شامل ہوتا تھا۔ اس طرح وسعتِ فکر پیدا ہوئی۔ پنجاب یونیورسٹی میں ایک تقریب میں معروف مجاہد گلبدین حکمت یار کو بھی سنا۔ مقامِ ہمدرد کے پروگراموں میں بھی جانا ہوتا۔ الغرض تحصیل علم اور وسعتِ فکر کے حوالے سے یہ ایک سنہری دور تھا۔

1988ء میں لاہور میں ہاؤس جاب کو ادھورا چھوڑ کر سرکاری ملازمت کی لالچ فیصل آباد واپس لے آئی۔ شادی کا بندھن، بچوں کی ولادت، مالی پریشانیاں اور مناسب تنظیمی پلیٹ فارم کی عدم دستیابی نے خاموش زندگی پر مجبور کر دیا لیکن میں اس دوران باقاعدہ مطالعہ کرتا رہا۔ اس عرصے میں ضیاءالامت پیر محمد کرم شاہؒ کی تفسیر ضیاء القرآن کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ کتب سیرت کا مطالعہ کیا۔ ریڈیو پاکستان کے پروگرام میں طبی موضوعات پر تقریر کیلئے جاتا رہا۔ وہاں سے ملنے والے معاوضے سے کوئی کتاب خرید لیتا۔ خاص طور پر سیرت کی کتاب

انجمن طلباء اسلام کے سابقین کی میٹنگ کا سلسلہ شروع کیا۔ ضلع کونسل کی مسجد میں منعقد ہوتی یا باغ جناح کے سبزہ زار میں۔ صابر مرتضائی صاحب کے گھر المصطفیٰ ویلفیئر سوسائٹی کی تشکیل عمل میں آئی تو میں بھی سرگرم ممبران میں شامل تھا۔ 1995ء میں چند پرانے ساتھیوں کے تعاون سے المصطفیٰ تھنکرز فورم کا قیام عمل میں لایا گیا جس کا کنوینئر مجھے بنایا گیا۔ ان دوستوں میں ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر، کاروباری احباب سبھی شامل تھے۔ پہلا

اجلاس نمبر 1995ء میں ملک بخش الٰہی صاحب کے لان میں منعقد ہوا جس میں مصطفائی تحریک کے بانی امیر ڈاکٹر ظفر اقبال نوری صاحب کو ''اُمتِ مسلمہ خصوصاً سوادِ اعظم کے زوال کے اسباب اور ان کا قرآنی حل'' کے عنوان سے لیکچر کیلئے بلایا۔ لیکچرز کا یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔ اب بھی ماہانہ لیکچرز اور فہم القرآن کورسز منعقد ہوتے ہیں۔ ان میں بڑے بڑے علماء اور دانشور اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر چکے ہیں۔ فورم کے تحت سیرت رنگ کے نام سے ایک میگزین بھی نکالا اب حال ہی میں خصوصی نمبر بسلسلہ میلادِ مصطفیٰ (ﷺ) ''صبح سعادت'' شائع کیا۔

2001ء میں مجھے دل کی کچھ تکلیف ہوئی، ہسپتال میں رہنا پڑا۔ مکمل صحت یابی کے بعد ایک نئے عزم اور ولولہ کے ساتھ زندگی کے باقی ماندہ ایام کو غنیمت جانتے ہوئے پہلے سے بھی بڑھ کر کام کرنے کا عہد کیا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور نبی رحمت (ﷺ) کی نظر عنایت کے صدقے یہ عزم ابھی تک جوان ہے۔ اسی سال درود پاک کے فضائل کے حوالے سے ایک کتاب ''بارانِ نور'' لکھی۔ احباب نے بہت حوصلہ افزائی فرمائی۔ پھر پیکرِ جمال کے نام سے حضرت بلالؓ کے بارے میں کتاب لکھی۔ جس کو بہت پذیرائی ملی۔

2003ء میں فیصل آباد کی علمی و ادبی شخصیت یونس آفاقی صاحب نے ''سوک رپورٹ'' کے نام سے ایک باقاعدہ ماہانہ میگزین کا اجراء کیا۔ جس کی کمپوزنگ اور ڈیزائننگ میرے دوست محمد حنیف انصاری کے ذمے آئی۔ انہوں نے مجھے راغب کیا بلکہ اصرار کیا کہ میں کسی اسلامی موضوع پر مضمون لکھا کروں۔ میں نے کمر ہمت باندھی اور ماہانہ مضامین لکھنے شروع کئے جن میں زیادہ تر سیرت کے حوالے سے تھے یا اسلامی شخصیات کے بارے میں۔ ان مضامین کا ردّعمل نہایت خوشگوار ہوا۔ یونس آفاقی صاحب نے ہر ماہ مجھ سے مضمون لکھوانا شروع کیا اور وہ اسے بڑے اہتمام سے نمایاں طور پر شائع کرتے۔ یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔ قندیل حرم میں موجود تقریباً سارے مضامین ''سوک رپورٹ'' میں شائع ہو چکے ہیں۔ اگرچہ یہ بعد میں مختلف اخبارات اور رسائل میں بھی چھپے مثلاً ڈیلی بزنس رپورٹ، روزنامہ عوام، ماہنامہ جہان رضا، ماہنامہ ضیائے حرم، ماہنامہ فیضان اسلام وغیرہ۔ اب عالم یہ ہے کہ سوک رپورٹ اور میں لازم و ملزوم ہیں۔ یہ سب محبت ہے یونس آفاقی صاحب کی۔

2003ء کے آخر میں لاہور کے نامور صحافی اور دانشوروں رضاء الدین صدیقی نظامی کی

تجویز پر جدید اسلامی موضوعات پر ریسرچ کے نکتہ نظر سے ایک ادارہ ''مرکزِ تحقیق'' قائم ہوا۔اس کے قیام میں محترم عطاء المصطفیٰ نوری پرنسپل جامعہ قادریہ رضویہ کا کلیدی کردار تھا۔ صدارت نامور محقق ماہر تعلیم اور دانشور پروفیسر ڈاکٹر اسحاق قریشی صاحب کے ذمے آئی اور بطور جنرل سیکرٹری میرا نام چنا گیا۔ یوں میرا واسطہ مسلمہ اہل علم اور صاحبان تحقیق سے ہوا مرکز تحقیق کے تحت دو مرتبہ ''قومی سیرت سیمینار'' کا انعقاد ہوا۔جس میں، میں نے اپنی بساط کے مطابق کردار ادا کیا۔مقالات پر مشتمل کتاب ''سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں مصفائی معاشرہ کی تشکیل'' کیلئے محنت کی۔ دسمبر 2003ء میں مرکز تحقیق کے اساس اجلاس میں شرکت کیلئے بھیرہ شریف سے صاحبزادہ امین الحسنات صاحب تشریف لائے تو جامعہ قادریہ رضویہ میں ملک کے معروف لکھاری پنجابی کے محقق اور درویش منش انسان محترم اصغر نظامی سے تعارف ہوا۔ یہ سلسلہ دوستی تک پہنچا جو تا حال فروغ پذیر ہے۔

2004ء میں پنجابی زبان وادب کے نامور ادیب اور پنجابی لٹریچر کے فروغ کیلئے ہمہ وقت کوشاں محترم محمد الیاس گھمن صاحب ایک ٹریننگ کورس کے سلسلہ میں فیصل آباد تشریف لائے۔ڈاکٹر اظہار احمد گلزار اور ریاض احمد قادری جیسے ادب پرور دوستوں کی وساطت سے ایک مشاعرے میں ان سے تعارف ہوا۔ جہاں مجھے گھمن صاحب کے ساتھ سٹیج پر بٹھایا گیا یہ پنجابی مشاعرہ بہت کامیاب تھا۔اگلے روز ڈاکٹر اظہار احمد گلزار کے بھائی کے گھر گھمن صاحب کے اعزاز میں ایک استقبالیہ تقریب میں مجھے مدعو کیا گیا۔وہاں ریاض قادری نے میرا تعارف ایک سیرت نگار کے طور پر کرایا۔ مجھے کچھ شرمندگی بھی ہوئی کیونکہ سیرت پر میرے صرف چند مضامین ہی چھپے تھے۔ میں نے گھمن صاحب سے عرض کیا کہ پنجابی زبان میں دینی لٹریچر کی کمی ہے خاص طور پر سیرت النبی ﷺ کے عنوان پر تو بہت کم لکھا گیا ہے۔انہوں نے وجہ بتاتے ہوئے کہا کہ اس موضوع پر لکھنے والے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ انہوں نے مجھے آفر کی کہ اگر آپ سیرت پر لکھیں تو ہم چھپوانے کیلئے تیار ہیں۔میں تو پہلے ہی کچھ نہ کچھ لکھنا چاہتا تھا چنانچہ میں نے اب پختہ ارادہ کر لیا کہ سیرت پہ لکھوں گا تو پنجابی میں ہی لکھوں گا۔ پھر کیا تھا کہ سیرت کی کتابوں کو کھنگالا۔قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا۔اہل علم و بصیرت سے راہنمائی لی۔ پنجابی لکھنے کے لئے پنجابی لکھت کی کتابیں پڑھیں اور تقریباً ایک سال کی محنت سے میرے ربّ ذوالجلال نے اپنے حبیب ﷺ کے صدقے مجھے یہ سعادت

بخشی کہ میری کتاب ''خیر البشر ﷺ'' گھمن صاحب کی کاوش سے ادارہ پنجابی زبان و ثقافت لاہور سے نہایت خوبصورت انداز میں شائع ہوئی۔ اہل علم نے اسے سراہا تو اہل عشق نے دعا دی۔ اہل بصیرت نے اسے سرمایہ آخرت قرار دیا اور اہل نظر نے دین و دنیا میں انعامات جیتنے کی بشارتیں دیں۔ اس سلسلے میں محترم اصغر نظامی صاحب کی رہنمائی قدم بقدم میرے ساتھ رہی۔ پرکھ پرچول کے اصولوں پر پورے اتارنے کیلئے انہوں نے مجھے بہت مقامات پر روکا اور پنجابی کا تڑکا لگانے کے لئے اپنا کردار ادا کیا۔ یہ کتاب چھپی تو ہر طرف سے شاباش ملی۔ بہت سے ایوارڈ اور انعامات ملے۔ 2006ء میں صوبائی سیرت ایوارڈ اور 2007ء میں قومی سیرت ایوارڈ ملا۔ جو یقیناً کسی بھی ادیب کیلئے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ ابدی سعادت اور اخروی انعام و کرام تو یقیناً ملے گا ہی۔

ادبی تصنیفات کا سلسلہ رُکا نہیں۔ 2006ء میں یورپی سامراج نے اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کیلئے اور مسلمانانِ عالم کی دلآزاری کی خاطر شانِ رسالت مآب ﷺ میں گستاخیاں کیں اور پوری امت مسلمہ سراپا احتجاج بن گئی تو میں نے اپنے آپ کو تحریک تحفظ مقام مصطفیٰ ﷺ کا ادنیٰ کارُکن سمجھتے ہوئے ایک تحقیقی کتاب لکھی جو تحفظ ناموسِ مصطفیٰ ﷺ (قرآن وحدیث اور تاریخ کے تناظر میں) کے نام سے دوبار شائع ہوا اور پورے ملک میں تقسیم ہوئی۔ اس کتاب کی اشاعت پر احباب نے پھر پذیرائی کی۔

اسی سال المصطفیٰ تھنکرز فورم فیصل آباد کے پلیٹ فارم سے میلاد مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے مضامین کے انتخاب پر مشتمل ایک کتاب ''صبح سعادت'' کے نام سے شائع کی۔ یہ دراصل سیرت رنگ کے نام سے چند سال بیشتر شروع کئے گئے کتابی سلسلہ کی تیسری کڑی تھی۔ میں نے اس کا پیش لفظ بہت عرق ریزی سے لکھا جو بذاتِ خود ایک مقالہ ہے۔ اس حوالے سے ماہنامہ زمزم بہاولپور کا تبصرہ میری محنت کی عکاسی کرتا ہے۔

شہر میں رہتے ہوئے فیصل آباد میں عشق رسول ﷺ کی ترویج و اشاعت کیلئے کام کرنے والے احباب سے رابطہ، تعلق اور ہم آہنگی پیدا کرنا میری خواہش تھی۔ 2005ء میں مرکزی میلاد کمیٹی فیصل آباد کے احباب سے رابطہ بڑھا، خاص طور پر محترم الحاج منیر احمد نورانی سے راہ و رسم، محبت اور یگانگت میں بدل گئی۔ ان سے تعارف پہلے بھی تھا لیکن اب تعلق داری بڑھنے لگی۔ محترم اصغر نظامی اور میری تجویز پر محافل میلاد اور نعت خوانی کے حوالے سے

اصلاحی پروگرام کا آغاز ہوا۔ یہ پروگرام ربیع الاول شریف کے آغاز سے قبل چناب کلب میں انعقاد پذیر ہوا۔ جس کی کارروائی چلانا اور پروگرام کو آگے بڑھانا میرے ذمے تھا۔ اجلاس میں شہر کے منتظمین محافل میلاد، نعت خواناں، علماء کرام اور نقیب محفل حضرات کو مدعو کیا گیا۔ بہت سی تجاویز، شکایات اور اصلاحی بیانات سامنے آئے۔ اصلاحُ اجلاسوں کا سلسلہ اب ہر سال ذوق وشوق سے ہوتا ہے۔ اس سال مرکزی میلاد کمیٹی نے میری ایک کتاب ''محفلِ نعت کے آداب اور دورِ جدید کے تقاضے'' شائع کی۔ یہ کتاب شہر میں اور بیرون شہر تقسیم کی گئی۔

7 دسمبر 2007ء کو مرکزی میلاد کمیٹی فیصل آباد نے 1974ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کے کامیاب ہونے پر یوم تشکر کے طور پر تحفظ ختم نبوت سیمینار کا انعقاد کیا۔ جس میں عملی جدوجہد کے ساتھ ساتھ یہ ذمہ داری بھی لگائی گئی کہ ختم نبوت کے حوالے سے کتابچہ لکھا جائے۔ میں نے احباب کی خواہش اور اپنی ذاتی آرزو کی تکمیل کیلئے بہت سی کتابوں اور رسائل کے مطالعہ کے بعد یہ کتاب ''انوارِ ختمِ نبوت'' لکھنے کی سعادت حاصل کی۔ جو خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ شائع ہوئی ایں سعادت ''بزورِ بازو نیست''۔

دینی، روحانی لٹریچر کے ساتھ ساتھ اپنے پیشہ وارانہ میدان یعنی امراض جلد کے حوالے سے بھی میں نے لکھا ہے۔ ملک بھر کے ماہرینِ امراض جلد کی تنظیم پاکستان ایسوسی ایشن آف ڈرماٹالوجسٹس PAD کا پروگرام اردو میں ایک میگزین جاری کرنے کا تھا۔ اسلام آباد کی معروف سکن سپیشلٹ ڈاکٹر روبینہ قریشی جو علامہ اقبال میڈیکل کالج لاہور میں میری کلاس فیلو رہی ہیں، کی ذمہ داری لگائی کہ وہ اس رسالے کو منظر عام پر لائیں۔ 2005ء کی سالانہ ڈرماٹالوجی کانفرنس اسلام آباد میں ڈاکٹر روبینہ نے مجھے لکھنے کی دعوت دی۔ میں نے حامی بھر لی اور پھر بطور ایڈیٹر میں نے اس میگزین ''آئینہ جلد'' کیلئے اعزازی طور پر کام کیا۔ آرٹ پیپر اور چار رنگوں میں چھپا یہ رسالہ 2006ء کی پشاور کانفرنس میں منظر عام پر آیا تو کراچی سے پشاور تک کے ڈاکٹرز اور سپیشلسٹس نے داد دی۔ اس سال لاہور کی سارک کانفرنس میں دوسرا شمارہ آنے کو ہے۔ جس کیلئے بھی میں نے کافی محنت سے لکھا ہے۔

وقت کی قلت اور پیشہ وارانہ مصروفیات کی بہتات کے باوجود دینی موضوعات پر لکھتے رہنا

میری تمنا اور آرزو ہے۔ کیونکہ یہ میرا زادِراہ اور متاعِ آخرت ہے۔ یہی میری اصل کمائی ہے۔ قندیل حرم کے نام سے یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ میرے آخرت کے بینک بلینس میں نہایت قیمتی اضافہ ہے۔ آئندہ کا پروگرام یہ ہے اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی اور اپنے پیارے حبیب ﷺ کے تصدق میں مجھے سعادت بخشی تو اپنی قومی سیرت ایوارڈ یافتہ کتاب ''خیبر البشر'' کا اردو ترجمہ اسی سال کروں گا۔ نیز گزشتہ ڈیڑھ دو سال کی اپنی دینی و علمی سرگرمیوں، نامور شخصیات سے ملاقاتوں، ادبی اور معلوماتی سفروں اور زیارتِ حرمین کی روئیداد پر مشتمل اپنی کارگزاری ایک کتاب کی صورت میں شائع کرنے کا پروگرام ہے۔ جس کا نام ''ہم فقیر لوگ'' ہوگا اور تھیم ہے۔

رکھتے ہیں فقط اتنا نشان ہم فقیر لوگ
ذکر نبی جہاں وہاں ہم فقیر لوگ

''قندیل حرم'' میں اپنی علمی وادبی سفر کی داستاں اور آپ کے نظروں پر بوجھ ننے کا مقصد دراصل یہ ہے کہ ہر لحاظ سے بے سروسامان ایک کارکن کیلئے زمیں سے اوجِ ثریا پہ پہنچا اور پاکستان کا سب سے بڑا اعزاز قومی سیرت ایوارڈ حاصل کیا۔ مجھے اپنے دیارِ حرمین کے سفرنامے لکھنے سے اندازہ ہوا کہ قارئین آپ بیتی بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ اس لئے میں نے اپنی کہانی لکھنے کی جسارت کی ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔

''قندیل حرم'' میں مختلف النوع مضامین اور مقالات ہیں۔ پہلے باب میں ذاتِ باری تعالیٰ کے حوالے سے مضمون ہے۔ اگلا باب نبی آخرالزماں خیرالوراء سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت اور شخصیت کے حوالے سے مضامین کا گلدستہ ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدن اور مختلف دینی موضوعات پر مشتمل مضامین اسلامی تعلیمات کے عنوان سے یکجا چنا بار نظر آئیں گے۔ آخری حصہ صحابہ کرام، اولیاء کاملین اور نامور شخصیات کے ذکر پر مشتمل ہے۔ ارادہ تھا کہ آخری حصے میں اپنے سفرناموں کا انتخاب بھی پیش کروں۔ کیونکہ میرے لکھے ہوئے چار سفرنامے ''نکہتِ مدینہ، سرکار ﷺ کے قدموں میں، لبیک یا سیّدی ﷺ اور میزابِ رحمت سے بابِ جبرئیل علیہ السلام تک موجود ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ ان کو الگ سے یکجا کر کے شائع کیا جائے۔ انشاءاللہ یہ کام بھی اگلے سال کے ٹارگٹ میں شامل ہے اگرچہ ذیابیطس کے مرض کی وجہ سے کچھ پریشانی تو ہے لیکن میرا عزم اور جوش جواں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے

محبوب کریم کے ﷺ صدقے میں مجھے اس کام کی ہمت اور توفیق عطا کرے۔قارئین سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

یہاں میرا فرض بنتا ہے کہ ان احباب کا شکریہ ادا کروں جنہوں نے قندیل حرم کے حوالے سے میری ہمت بندھائی اور ہر طرح کا تعاون کیا۔ خاص طور پر پیرزادہ اقبال احمد فاروقی،اصغر نظامی ،محمد یونس آفاقی ،ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی ،الحاج منیر احمد نورانی ،عطاء المصطفیٰ نوری،محمد حنیف انصاری،ادارہ علم وعرفان کے کارپردازان حاجی اعجاز (مجید بک ڈپو فیصل آباد)اور جہانزیب اور دیگر احباب کا ممنون ہوں ۔اپنی بیگم رخسانہ شکور اور اپنے بچوں میمونہ شکور،مریم شکور،محمد بلال شکور،محمد حسان شکور اور محمد جنید شکور کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے ہر لمحہ میری ضروریات کا خیال رکھا اور مجھے ہر طرح کی سہولت بہم پہنچائے رکھی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس عاجزانہ کاوش کو شرفِ قبولیت عطا کرے میرے لئے متاعِ اخرت بنائے اور مجھے روز حشر سرورِ کائنات صاحبِ لولاک ﷺ کی شفاعت اور آپ کا قرب نصیب فرمائے،آمین!

آپ سب کے لئے بھی اسی دعا کا خواستگار رہوں۔شکریہ۔

ڈاکٹر عبدالشکور ساجد انصاری

(ایم بی بی ایس)

154-A لیاقت ٹاؤن فیصل آباد

0300-9656709

بسم الله الرحمن الرحیم!

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام

علی

خاتم النبین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

تیری شان جل جلالہ'

اس عالم رنگ و بو میں ہم جدھر بھی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں، تخیل کے پردہ سیمیں پر مناظر قدرت کو دیکھیں، غور وفکر کے کھٹولے پر محو پرواز ہوں یا شعور کی ضیاء پاشیوں سے اپنے من کی جوت جگائیں، ہمیں خالق کائنات، مالک ارض وسما، رازق مخلوقات امکاں، صاحب اختیار واقتدار، پروردگار عالمین، رب ذوالجلال کی قدرت کے انوار ضیاء بار نظر آتے ہیں۔ اس ذات وحدہ' لاشریک کے جلوے چار سو عیاں معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی حکمتوں اور دانائیوں کا نور ازل سے ابد تک اور ابدالآباد تک ہمیشہ ہمیشہ جلوہ فگن معلوم ہوتا ہے۔ افلاک کے نظامِ بے مثال کو دیکھیں یا زمین پر پھیلے ہوئے سلسلہ ہائے کوہ و دمن کو، سرتا بقدم جسم انسانی کی ساخت اور کارکردگی کا مطالعہ کریں یا طبیعاتی و کیمیائی سائنس کے کمالات کا مشاہدہ کریں، ہر قدم پر ہمیں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ حکمتیں اور ان گنت رمزیں معلوم ہوتی ہیں۔ آنے والی ہر ساعت نئے نئے حقائق آشکارا کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی صناعی کا بین ثبوت فراہم کرتی ہے۔ آیئے ہم چند سائنسی حقائق اور ان کی تفصیلات کا جائزہ لیں اور اپنے خالق و مالک رب قدیر کی شان و عظمت پر نثار ہوں۔

شھد اللہ تعالیٰ کی شان قدرت اور جلوہ تخلیق کا بہترین مظہر ہے۔ شہد کی مکھی چمن

چمن وادی وادی گھوم کر خوشنما اور رنگ برنگے پھولوں کا رس چوستی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے یہ رس مکھی کے پیٹ میں اس انداز میں مختلف کیمیکل پراسیسز سے گزرتا ہے کہ اس کی ہیئت، ماہیت، رنگت اور تاثیر یکسر بدل جاتی ہے۔ ذائقے کے لحاظ سے نہایت میٹھا اور شیریں رنگت کے لحاظ سے نہایت خوشنما اور آنکھوں کو بھانے والا، طبی فوائد کے لحاظ سے ایک اکسیر بے مثال اور کمپوزیشن کے لحاظ سے کاربوہائیڈریٹ، معدنیاتی عناصر اور بہت سے کارآمد مرکبات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شہد میں بے شمار Anti-inflammatory اور Healing فیکٹرز رکھے ہیں جو انسانی جسم کی نشوونما اور زخموں کی جلد صحت یابی کیلئے بہترین علاج ہے ہم یہاں شہد کے چند اہم فوائد کا ذکر کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت اور حکمت کا اظہار ہوتا ہے:-

1۔ شہد میں تقریباً اٹھارہ فیصد (18%) پانی ہے جس سے یہ ایک بہترین Moisturizer کا کردار ادا کرتا ہے اور انسانی جسم کو نرم و ملائم رکھتا ہے نیز موسمی اور جغرافیائی اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔

2۔ اس میں انسانی جسم کو بڑھاپے اور سرطان کے مرض سے حفاظت کرنے والے Antioxidant عناصر ہوتے ہیں یہ عناصر انسانی جسم پر جھریاں پڑنے سے بھی محفوظ رکھتے ہیں۔

3۔ جلے ہوئے زخم اور جلد مندمل نہ ہونے والے زخم خاص طور پر شوگر کے مرض کی وجہ سے بننے والے زخم (Diabetic Ulcers) شہد کے استعمال سے بہت جلد صحیح ہو جاتے ہیں۔

4۔ شہد کیمیائی عمل (Osmosis) کے ذریعے جراثیم کے اندر سے پانی جذب کر لیتا ہے جس سے وہ ختم ہو جاتے ہیں گویا شہد ایک بہترین Antibacterial ایجنٹ ہے۔

5۔ شہد کی وجہ سے دست کی بیماری یا پیٹ کے دیگر امراض میں شفا ہوتی ہے۔

6۔ ہیلو بیکٹر پائی لوری (Helo BacterPylori) ایک جرثومہ ہے جو معدے میں السر کا باعث بنتا ہے شہد کے استعمال سے یہ جرثومہ ختم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بھی اس طرف اشارہ کیا ہے ''اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں میں اور چھتوں میں پھر ہر قسم کے پھل میں سے کھا اور اپنے رب کی راہ چل کہ تیرے لئے نرم و آسان ہیں۔ اس کے پیٹ میں سے ایک چیز رنگ برنگی نکلتی ہے جس میں لوگوں کو تندرستی ہے (النحل:69-68)۔

7۔ شہد میں پوٹاشیم، سوڈیم، کیلشیم اور میگنیشیم جیسے بہت سے کارآمد عناصر ہوتے ہیں جو انسانی جسم میں Electrilyte Balance قائم رکھتے ہیں اور اسی طرح Acid-Alkaline-Balance بھی برقرار رکھتے ہیں یہ دونوں کیمیائی پراسیس انسانی جسم کی نارمل کارکردگی کیلئے لازمی ہیں۔

8۔ شہد بہترین خوراک ہے اور بچوں کی بڑھوتی کی تمام ضروریات پورا کرتا ہے کیونکہ اس میں گلوکوز (Fructose) حیاتین (Proteins)، چکنائی اٹھائیس (28) سے زائد معدنیات، وٹامن بی، وٹامن سی، وٹامن ڈی اور وٹامن ای شامل ہوتے ہیں۔

9۔ شہد چینی کا قدرتی نعم البدل ہے مزے کی بات ہے کہ یہ چینی کی نسبت کم خطرناک ہے، اس لئے شوگر کے مریض بھی اسے استعمال کر سکتے ہیں۔

10۔ شہد توانائی کا فوری ذریعہ ہے ایک چمچہ شہد میں 64 کیلوریز ہوتی ہیں نیز یہ صرف 20 منٹ میں خون کا حصہ بن جاتا ہے اور انسانی اعضاء کی توانائی کیلئے فوراً دستیاب ہو جاتا ہے۔

الحمدللہ صرف ایک نعمت شہد کی خصوصیات اور فوائد سے اللہ تعالیٰ کی شان صناعی اور کریمی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اس کی ان نعمتوں کا تو شمار بھی ممکن نہیں جو اس کائنات میں جا بجا بکھری پڑی ہیں۔

انسانی وجود کی تخلیق یعنی ماں کے رحم میں ایک نطفہ سے لیکر مکمل نوزائیدہ بچے (Infant) کی تخلیق کے عمل میں بھی اللہ تعالیٰ کی بے مثال کاریگری اور اس کی شان صناعی کا ظہور ہے۔ انسان جب ایمبر یالوجی کے مضمون کا مطالعہ کرتا ہے اور مختلف مدارج میں انسانی

تخلیق کا مشاہدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور کامل ہو جاتا ہے اور انسانی دماغ اور جدید سائنس اللہ تعالیٰ کی حکمت و دانائی پر انگشت بدنداں رہ جاتی ہے۔ Embryo کی تخلیق کا آغاز Overy میں انڈے کے اخراج سے ہوتا ہے یہ Egg جب عورت کے (Uterus) میں آتا ہے تو وہاں نر ساتھی کے وجود سے خارج شدہ Sperm اس میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ Sperm خود اللہ تعالیٰ کی شان صناعی کا بہترین نمونہ ہے۔ یہ متحرک ہوتا ہے اور اسی لئے انڈے کے اندر سوراخ کر کے داخل ہو جاتا ہے جہاں دونوں کے ملنے سے Zygot بنتا ہے۔ یہ Zygot نطفہ انسانی وجود کا نقطہ آغاز ہے۔ پھر یہ تقسیم در تقسیم کے عمل سے جونک کی مانند ٹیوب بن جاتی ہے جسے قرآن مجید میں علقہ کہا گیا ہے پھر مزید نشو ونما سے جو ماں کے جسم کے زیر اثر ہوتی ہے یہ مضغہ یعنی خون کے لوتھڑے میں بدل جاتا ہے جو کہ جمے ہوئے خون کے مشابہ ہوتا ہے۔ تین ہفتے کے بعد اس لوتھڑے کے اندر خون کی شریانیں بنتی ہیں اور مزید نشو ونما کا سلسلہ جاری رہتا ہے ان تمام مدارج کو قرآن کریم میں بالوضاحت بیان کیا گیا ہے۔

''پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا' پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی' پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں' پھر ان ہڈیوں پر گوشت پہنایا' پھر اسے اور صورت میں اٹھان دی' تو بڑی برکت والا ہے اللہ' سب سے بہتر بنانے والا۔ (المؤمنون:14)

یہ تمام نشو ونما تین پردوں کے درمیان ہوتی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح کیا ہے:

''تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ میں بناتا ہے ایک طرح کے بعد اور طرح تین اندھیریوں میں'' (الزمر:6)

یہ تین پردے جدید طبی سائنس میں یوں بیان کئے جاتے ہیں

1۔ پیٹ کے سامنے والے پٹھوں کی دیوار

2۔ رحم یعنی یوٹرس کے پٹھے

3۔ Amnio chorionic membrane

تخلیق کے اس پورے پراسیس میں انسانی وجود کی تمام تر ضروریات ماں کے خون

سے پوری کی جاتی ہیں۔ ماں کا وجود نہ صرف خوراک مہیا کرتا ہے بلکہ اسے موسمی' جغرافیائی اور غیر موافق عوامل سے محفوظ بھی رکھتا ہے۔ کتنا کریم اور مہربان ہے رب قدیر' جس نے یہ سارا نظام تخلیق کیا اور پھر اسے اکمل اور اعلیٰ صورت میں جاری و ساری رکھا۔ سبحان اللہ تعالیٰ۔

عصر حاضر کمپیوٹر کا دور ہے کمپیوٹر کی دنیا میں اس قدر ترقی ہوئی ہے کہ جس کا تصور نصف صدی قبل تک ناممکن تھا۔ چھوٹی سی چپ Chip یا Disc پر سینکڑوں صفحات پر پھیلا ہوا Data منتقل کیا جا سکتا ہے۔ اس میں صرف تحریری مواد ہی شامل نہیں بلکہ آڈیو اور ویژول Audiovisual ہر قسم کا ڈیٹا جمع کیا جا سکتا ہے اسے محفوظ کیا جا سکتا ہے اور آناً فاناً دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ٹرانسفر کیا جا سکتا ہے۔ انسانی ذہن کی اتنی ترقی اور پیشرفت کے باوجود قدرت الٰہی کی خلقت اور کاریگری کا کروڑواں حصہ بھی Arrange نہیں کیا جا سکتا۔ آیئے اللہ تعالیٰ کی صناعی کا مظاہرہ انسانی جسم کے چھوٹے سے چھوٹے حصے Genes پر دیکھیں اور اس ذات پاک کی حمد و ثناء اپنے لبوں پر سجائیں کہ یہی تقاضائے محبت ہے۔

ڈی این اے (DNA) انسانی تخلیق کی خصوصیات اور شکل و شباہت کی ترتیب و تشکیل کا ذمہ دار ہے اور بنی نوع انسان کے وراثتی اثرات کو نسل در نسل منتقل کرتا ہے اس کا صرف ایک ذرہ معلومات کے آٹھ ہزار (8000) کے قریب بٹس (Bits) پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ معلومات انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے آٹھ صفحات پر پھیل سکتی ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ ایک جرثومہ (Bacteria)' جو دو مائیکرون سے چھوٹا ہوتا ہے اور جس کا وزن 6X10-13 گرام ہوتا ہے اور یہ الیکٹرون مائیکروسکوپ سے ہی نظر آتا ہے' اس کے Genes پر دس ملین میگا بائیٹ میموری ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ ایک پورا بیکٹر یا' انسائیکلو پیڈیا برٹیانیکا کی سو (100) جلدیں یا اتنا ہی کوئی اور مواد محفوظ کر سکتا ہے۔ ماہرین علوم جدید کہتے ہیں کہ تمام زندہ مخلوقات کی Genes کی معلومات جن میں بیکٹر یا' وائرس' کیڑے' پرندے' جانور وغیرہ سبھی شامل ہیں ایک چائے کے چمچہ جتنی Space بھی نہیں گھیریں گی بلکہ ان تمام معلومات کو بھی سمیٹ سکتی ہیں جو انسانی ذہن کی تخلیق شدہ کتب میں یا کمپیوٹرز میں محفوظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا جلوہ اس سے واضح انداز میں بھلا اور کیسے ظاہر ہو سکتا ہے۔

یہاں ایک اور لطیف نکتے کی طرف بھی اشارہ بروقت محسوس ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

> ''اور تم ہر گروہ کو دیکھو گے زانو کے بل گرے ہوئے' ہر گروہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا' آج تمہیں تمہارے کئے کا بدلہ دیا جائے گا' ہمارا یہ لکھا تم پر حق بولتا ہے۔ہم لکھتے رہے تھے جو تم نے کیا''۔(الجاثیہ:29)
>
> آج ان کے مونہوں پر مہر کر دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے کئے کی گواہی دیں گے۔(یٰسٓ:65)
>
> کیا تو نے نہ جانا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے بے شک یہ سب ایک کتاب میں ہے۔(الحج:70)

کمپیوٹر کے دور کا آدمی بخوبی اندازہ کرسکتا ہے کہ اللہ کے فرشتوں کیلئے انسان کے گفتار اور کردار کا مکمل ریکارڈ رکھنا کتنا آسان ہے یہ سبھی معلومات اگر انسانی جسم کے بنیادی یونٹ سیل (Cell) میں سٹور کر دی جائیں خاص طور پر ہڈیوں یا دانت وغیرہ میں تو انہیں Recall کرنا قطعاً ناممکن نہ ہوگا اور مزید برآں کہ یہ Cells اور Genes پر مشتمل ریکارڈ کسی کتاب یا کمپیوٹر چپ میں منتقل کر کے روز آخرت اگر انسان کے ہاتھوں میں تھما دیا جائے تو اس میں حیرانگی کی بات قطعاً نہیں۔الغرض انسان کا تشکیل دیا گیا کمپیوٹر اللہ تعالیٰ کے نظام قدرت میں غور و خوض کی دعوت دیتا ہے اور اس کی کاریگری کے کامل ہونے پر دلالت کرتا ہے دل تو بے ساختہ پکار اٹھتا ہے سبحان اللہ وجل جلالہٗ۔

گائے اور دیگر گھریلو مویشیوں کے پیٹ میں دودھ جیسی شفاف' شیریں' ذائقہ دار اور مفید چیز کا بننا اللہ رب العزت کی بے مثال صناعی اور قدرت کا نمونہ ہے۔کتنی حیرانگی کی بات ہے کہ ایک ہی پیٹ میں گوبر اور پیشاب بنتا ہے اور اسی سسٹم میں سے دودھ کشید ہو کر گائے کے تھنوں کے ذریعے اس کے بچوں کی افزائش و نمو کا ذریعہ بنتا ہے تو دوسری جانب انسانوں کی ضروریات کو بھی پورا کرتا ہے اور ان کے کام و دہن کی لذت کا اہتمام بھی کرتا ہے۔دودھ جیسی نعمت کے فوائد پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ انسان کیلئے ایک مکمل غذا ہے بیماروں کیلئے کمزوری دور کرنے اور ان کی قوت بحال کرنے کا فوری ذریعہ ہے۔بیشتر

کھانوں اور مشروبات کا لازمی حصہ ہے مثلاً دہی' لسی' کسٹرڈ' کھیر' فرنی' رس ملائی' دودھ سوڈا وغیرہ ہماری بیشتر تقریبات کی زینت بنتا ہے مثلاً مٹھائیوں' بیکری کی مصنوعات' مکھن' پنیر' مارجرین وغیرہ اب دیکھیں ویٹرنری نظام میں دودھ کی تشکیل کیسے ہوتی ہے۔ مویشی جب چارہ یا دوسری خوراک کھاتے ہیں تو یہ آنتوں میں چلی جاتی ہے۔ وہاں سے دو طرح سے اس میں سے فائدہ منداجزاء جذب ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ براہ راست Lymphatic System کے ذریعے یہ اجزاء خون میں شامل ہو جاتے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نظام ہضم کے حصے پورٹل وین کے ذریعے یہ اجزاء جذب ہونے کے بعد جگر میں پہنچائے جاتے ہیں۔ جگر ایک بہت بڑی مینوفیکچرنگ فیکٹری ہے جہاں سے دودھ بنانے والے عناصر خون میں شامل ہو جاتے ہیں۔ خون میں شامل یہ سب عناصر اور مرکبات' فلٹر ہو کر میمری گلینڈ (Mammary Gland) تک پہنچتے ہیں اور یوں تھنوں کے ذریعے دودھ جیسا مفید مشروب ہمیں تیار ملتا ہے۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نر اور مادہ جانوروں میں واضح تمیز ہو جاتی ہے اور صرف مادہ یعنی گائے ہی ہارمونز کے اثرات کے تحت دودھ بناتی ہے نیز یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دودھ اس قدر وافر مقدار میں پیدا فرماتا ہے کہ نہ صرف گائے کا بچہ سیر ہو کر دودھ پیتا ہے بلکہ انسان بھی اپنی ضروریات پوری کرتا ہے۔ ہے نا اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت کا اظہار' اس کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا تاکہ انسان اس میں غور وفکر اور تدبر کرے اور اپنے خالق کو پہچان کر اس کی غلامی کا حق ادا کرے ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

''اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں نگاہ حاصل ہونے کی جگہ ہے
ہم تمہیں پلاتے ہیں گوبر اور خون کے بیچ سے' خالص دودھ گلے سے سہل
اترتا' پینے والوں کیلئے۔ (النحل:66)

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو بنی نوع انسان کی رہنمائی اور ہدایت کیلئے ہمارے پیارے نبی کریم رؤف و رحیم سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ اطہر پر نازل ہوئی اس کی ہر ہر آیت جہاں رشد و ہدیٰ کے انوار سے مزین ہے وہاں یہ ہمارے زندہ و جاوید نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک زندہ معجزہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کی حفاظت اور ایک ایک زیر و زبر کا خیال رکھا جانا خود معجزہ ہے۔ اس کی مثل کا

انسانی ذہن سے ناممکن ثابت ہو جانا بھی قدرت الٰہی اور عظمت ربانی کا مظہر ہے۔

قرآن مجید کا انسانی بچوں کے سینوں میں محفوظ ہو جانا بھی خود ایک معجزہ ہے تاہم مختلف علوم وفنون کے اسکالرز اور ماہرین نے قرآن مجید میں کافی غور وخوض کیا ہے اور بڑے دلچسپ اور تحیر آمیز نتائج ملے ہیں' جو ذات باری تعالیٰ کی بے مثال قدرت کا اظہار ہے۔ڈاکٹر طارق السویدان کے ریاضیاتی مطالعہ پر مشتمل ایک دلچسپ چارٹ ملاحظہ کیجئے اور دیکھیے کہ متضاد اور قریب المعنی الفاظ کا تذکرہ کس طرح سے ہے:-

لفظ	متضاد یا متبادل لفظ	قرآن میں جتنی بار ذکر ہوا
الحیات	الموت	145
الملائکہ	الشیاطین	88
الرجل (مرد)	المرأة (عورت)	24
الصالحات (نیک کام)	السیئات (برے کام)	167
الدنیا	الآخرہ	115
یُسر (آسانی)	عُسر (تنگی)	36
اُلسّرت (سختی)	الصبر	102
المصیبت	الشکر	75
محمد (ﷺ)	شریعت	4
زکوۃ	برکت	32
مسلمین	جہاد	41

ایک اور حقیقت دیکھیے ۔قرآن پاک میں الشھــــر (مہینہ) کا لفظ بارہ (12) مرتبہ آیا ہے' سال میں بھی بارہ ماہ ہوتے ہیں۔الیوم (دن) کا لفظ تین سو پینسٹھ (365) بار آیا ہے' سال کے ایام بھی اتنے ہی ہوتے ہیں۔زمین پر البر یعنی خشکی اور البحر یعنی سمندر کا ذکر بالترتیب تیرہ (13) اور بتیس (32) مرتبہ آیا ہے۔کل حصے 13+32=45 ہوں گے اور فیصد میں تبدیل کیا جائے تو یہ نسبت 28.88 فیصد برائے خشکی اور 71.12 برائے سمندر نکلے گی جو کہ آج کے جدید دور کے حسابات کے عین مطابق ہے۔

غور وفکر کرے والوں کو ہر آن اور ہر جگہ شان کریمی کا ظہور اور رب کائنات کی قدرتوں اور حکمتوں کی جلوہ نمائی دعوتِ نظارہ دے رہی ہے۔ آیئے اس کی ذات لاشریک کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں احسن التقویم بنایا' سوچنے سمجھنے کیلئے دماغ دیا اور اسلام کی دولت سے مالا مال کیا۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام

علی

خاتم النبین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

☆☆

حسیناں جمیلاں دا منہ موڑ دِتا
محمد (ﷺ) بنا کے قلم توڑ دِتا

افضل الرسل سیّد العالمین ﷺ کی فضیلت وعظمت

اللہ تعالیٰ نے عالمِ انسانیت کی ہدایت اور راہنمائی کیلئے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی اور رسول (صلوات اللہ علیہم اجمعین) معبوث کئے۔ یہ سب مقدس ہستیاں بہت ارفع و اعلیٰ مقام اور بلند و بالا شان کی حامل ہیں۔لیکن ان میں سے کچھ انبیائے کرام کو فضیلت وعظمت عطا کی گئی؛ جس کی وجہ سے وہ دیگر انبیاء سے افضل ٹھہرے۔ ارشادِ ربانی ہے:

''یہ رسول ہیں جن میں سے کچھ کو کچھ پر ہم نے فضیلت عطا کی''۔(البقرہ)۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان کو عظمت بخشی۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی مدد رُوح القدس کے ساتھ فرمائی۔ اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام کیلئے آتشِ نمرود کو گلزار بنایا تو سیدنا یوسف علیہ السلام حسن وزیبائی کا آفتاب بن کر چمکے۔لیکن قربان جائیں پیارے نبی کریم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیہ والثناء کی شان وعظمت یہ کہ جن کے اوصاف وفضائل کا شمار ہی ممکن نہیں۔ حقیقت یوں ہے کہ کل کائنات میں نبی باقی انسانوں سے افضل ہیں۔نبیوں کے اندر رسولوں کا مرتبہ بلند تر ہے جن کی تعداد تین سو تیرہ (313) ہے۔ ان میں چار رسول اولوالعزم رسول ہیں جن کو صاحبِ شریعت بنا کر بھیجا گیا۔اوران رسولوں میں سے پیارے آقا ومولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل واعلیٰ ہیں۔

؎ بعد اَز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جو خصوصی عظمتیں اور منفرد فضیلتیں سیّد العالمین سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ)

کواللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کی گئیں، ان کا مختصر سا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے:-

1)نبیوں کے نبی

رسول کریم حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) نبی الانبیاء یعنی نبیوں کے بھی نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عالم ہست و بود کی تخلیق سے پہلے سب نبیوں اور رسولوں کی ارواحِ مقدسہ سے یہ عہد لیا کہ اگر ان کے دور میں حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) تشریف لے آئیں تو پھر ان پر لازم ہے کہ وہ آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کریں۔ قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور یاد کیجئے جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں، پھر تمہارے پاس ایک عظیم رسول آ جائے جو اس (کتاب وحکمت) کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے، تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا گیا تم نے اس کا اقرار کر لیا؟ اور اس پر میرے بھاری عہد کو قبول کر لیا، ان سب نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا: سو گواہ ہو جاؤ اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں، پھر اس کے بعد جو اس سے پھرا تو وہی لوگ نافرمان (فاسق) ہیں''۔

(آل عمران:82-81)

2)کائنات کیلئے نبی

نبی پاک صاحبِ لولاک (ﷺ) سے قبل جتنے بھی نبی یا رسول تشریف لائے۔ وہ صرف ایک قوم یا قبیلے کیلئے نبی تھے۔ یا اُن کی نبوت ایک علاقے یا بستی تک محدود تھی۔ اسی طرح ایک رسول کے بعد دوسرے رسول کی تشریف آوری سے ایک نئی شریعت کا نفاذ ہو جاتا تھا لیکن ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی عظمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب جہانوں کیلئے سب مخلوقات کی جانب اور ابد تک کیلئے نبی بنا کر بھیجا۔ قرآنِ عظیم میں ارشادِ ربانی ہے:

''بڑی برکت والا ہے وہ، جس نے اپنے (مقدس) بندے پر قرآن نازل کیا تاکہ وہ سب جہانوں کیلئے ڈر سنانے والا ہو''۔(الفرقان:1)

ناابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے:

حضورِ پاک (ﷺ) کا ارشاد ہے: ''مجھے چھ وجہ سے باقی نبیوں پر فضیلت

دی گئی۔ مجھے کلام کرنے کی تمام خوبیاں مجتمع کر کے دی گئیں، رُعب کے ساتھ میری مدد کی گئی، مالِ غنیمت میرے لئے حلال ہوا، ساری زمین میرے لئے پاک کر دی گئی اور مسجد بنا دی گئی، مجھے سب مخلوق کی جانب نبی بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا''۔(مسلم شریف ،ج1)

3)خاتم الانبیاء

رسول کریم (ﷺ) کا امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ کے سرِ مبارک پر ختم نبوت کا تاج سجایا گیا۔ اور آپ کے بعد نبوت کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔ اَب قیامت تک کیلئے ہر قوم، ہر علاقے اور ہر زمانے آپ ہی نبی ہیں۔ آپ کی ختمِ نبوت کی گواہی قرآنِ عظیم یوں دیتا ہے:

''محمد (ﷺ) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، مگر وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے آخری۔(الاحزاب:40)

امام مسلمؒ کی ایک حدیث ہے:

''سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''میں محمد اور احمد ہوں، میں ماحی ہوں، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کفر مٹا دیتا ہے، میں حاشر ہوں، میری ایڑیوں پر لوگ جمع کئے جائیں گے اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ آئے''۔(صحیح مسلم، ج2)

بخاری شریف کی ایک حدیث ہے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری اور پہلے انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے بہت خوبصورت گھر بنایا ہو، اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ باقی ہو، لوگ اس گھر کو چل کر دیکھیں اور حیران ہو کر کہیں کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی، اور وہ اینٹ میں ہوں، میں خاتم النبین ہوں''۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تمام جَہانوں کیلئے رحمت

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا ہے:

''نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کیلئے رحمت''۔(الانبیاء:107)

مفسرین کا بیان ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ سب جہانوں کا ربّ اور پروردگار ہے ،اسی طرح سیّدنا محمد مصطفیٰ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم بھی سب جہانوں کیلئے رحمت ہیں اور آپ سب مخلوق پر کرم نوازی کرتے ہیں۔گویا جہاں تک اللہ تعالیٰ کی خدائی ہے، وہاں وہاں سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصطفائی ہے۔جہان بھر پہ رحمت کرنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کل مخلوق کے حال احوال کی خبر رکھیں اور ساتھ ہی یہ اَمر بھی لازمی ہے کہ آپ دُکھی،غمزدہ اور حاجتمند اُمت کی دادگیری کی طاقت بھی رکھتے ہوں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ طاقت وقوت بھی عطا کی ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان وعظمت یہ بھی ہے کہ نہ صرف مسلمانوں کیلئے بلکہ کفار اور منکرین کیلئے بھی آپ کی ذات رحم وکرم کا موجب ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان کافروں پر عذاب کرے''۔(الانفال:33)

5)سب نبیوں کی صفات کا گلدستہ

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایسی صفت عطا کی جو صرف اسی کے ساتھ مخصوص تھی۔جیسے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو حلم اور انکساری،سیدنا ایوب علیہ السلام کو صبر اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مہمان نوازی کی صفات عطا کی گئیں۔اسی طرح ہر نبی کو مختلف معجزے بخشے گئے ،جیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا کا معجزہ،سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو مردے زندہ کرنے کا معجزہ،سیدنا صالح علیہ السلام کو اونٹنی والا معجزہ دیا گیا،مگر ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء کو سب نبیوں کی صفات اور معجزات کا گلدستہ عطا کیا گیا۔اسی لئے ہر اچھی صفت اور اچھی عادت آپ کے اندر موجود ہے بلکہ آپ نے جو کام کیا یا جو بات ارشاد فرمائی، وہ اخلاق کی اعلیٰ صفت کا نمونہ بن گئی۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک آپ ضرور خلق عظیم پر فائز ہیں''۔(القلم: 4)

فارسی کا ایک شعر ہے ؎

حسن یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یعنی سیدنا یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا دم اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا یدِ بیضا حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالی مرتبت ذات میں جمع کر دیا گیا۔ آپ نے عملی میدان میں یوں زندگی گزاری کہ ہر طرح کی خوبی اور صفت مزید نکھر کر نمایاں ہوئی۔ اس لئے آپ کی سیرتِ مطہرہ بادشاہوں اور حکمرانوں کیلئے نمونہ ہے تو فقیروں اور بے نواؤں کیلئے بھی منبعِ نور ہے۔ تاجروں، استادوں، سیاست دانوں، مزدوروں اور محنت کشوں کیلئے روشنی کا مینار ہے تو سپہ سالاروں، مدبروں اور دانشوروں کیلئے بھی راہنما ہے۔

6) کثرتِ معجزات کے سبب سے فضیلت

نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم سے قبل جتنے بھی نبی تشریف لائے، سب کو معجزات عطا ہوئے، ان معجزات کی تعداد ایک یا دو ہوتی تھی۔ لیکن آپ کو بے شمار معجزات عطا کئے گئے۔ معجزے کا مطلب ہے ایسی بات جو انسانی عقل کو حیران کر ڈالے اور کوئی بھی انسان اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہو۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا اور منفرد معجزہ قرآن پاک ہے اور یہ معجزہ وہ ہے جو تا قیامِ قیامت موجود رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک ہم نے قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔ (الحجر:9)

قرآن مجید کی سچائی اور عظمت یہ بھی ہے کہ اللہ پاک نے کل کائنات کے منکروں کو چیلنج کیا ہے:

''اگر وہ سچے ہیں تو اس قرآن جیسی ایک آیت ہی لے آئیں''۔ (الطّور:34)

قرآن مجید کے علاوہ اور بھی بہت سے معجزات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہوئے، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

☆ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

☆ آپ کے اشارے سے ڈوبتا سورج عصر کے وقت پر لوٹ آیا۔
☆ ہاتھ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے اور ہزاروں صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے اپنی پیاس بجھائی۔
☆ بے زبان جانوروں نے آپ کے سامنے سجدے کئے اور اپنی فریاد عرض کی۔
☆ بے جان پتھروں نے منہ سے بول کر آپ کی سچی نبوت کی گواہی دی۔
☆ آپ کو مادّی وجود کے ساتھ آسمانوں کی معراج کرائی گئی۔

7) کامل شریعت کے حامل

نبی محتشم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے بنی نوع انسان کی رہبری اور ہدایت کا کام عروج پر پہنچ گیا اور وہ پیغام ربانی جو سب انبیاء فرداً فرداً پہنچاتے رہے، اب پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی معراج سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ اب شعورِ انسانی اپنے کمال تک پہنچ گیا ہے اور اب ہدایت کیلئے کسی نئی شریعت کی ضرورت نہیں۔ بلکہ قیامت تک کے انسانوں کیلئے نبی رحمت کا پیغام ہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

> ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا ہے''۔ (المائدہ:3)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> ''اس وقت تمہارا کتنا مرتبہ اور شان ہوگی، جب تمہارے درمیان ابن مریم (علیہ السلام) نازل ہوں گے اور ان کا امام بھی تم میں سے ہوگا''۔

(صحیح بخاری 490/1)

8) کثرتِ اُمت

اللہ ربّ العزت نے پیارے نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی امت کو سب سے بہترین امت قرار دیا ہے اور آپ کی امت عددی لحاظ سے باقی سب امتوں سے زیادہ

بنائی۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''تم ان امتوں میں سے بہترین امت ہو، جو لوگوں کے سامنے آئی ،تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔(آل عمران: 110)

امت مسلمہ کو یہ اعزاز دیا گیا کہ یہ باقی نبیوں کی نبوت کی گواہی دے گی اور اس کیساتھ ساتھ باقی امتوں کی گواہ بھی بنے گی۔

نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی امت کو وسط امت یعنی درمیانی امت قرار دیا گیا ہے:

''اے مسلمانوں! ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ''۔(البقرہ:143)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''مسلمان کے علاوہ کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا ،اے اللہ کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ اے اللہ تو گواہ ہو جا''۔ پھر فرمایا'' کیا تم پسند کرتے ہو اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہو، ہم نے عرض کیا۔ ہاں، یارسول اللہ! آپ نے فرمایا'' کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ جنت کے لوگوں میں آدھی تعداد تمہاری ہو،تمہارے مقابلے میں دوسری امتیں یوں ہوں گی جیسے سفید بیل میں ایک کالا بال یا پھر کالے بیل پر ایک سفید بال''۔(صحیح مسلم' جلد1' ص117)

9)مقامِ محمود

اللہ تعالیٰ نے پیارے نبی کریم (ﷺ) کو مقامِ محمود والی شان عطا کر کے آپ کو سب کائنات میں وہ ارفع و اعلیٰ مقام بخشا جو غوث قطب تو ایک طرف انبیاء میں سے بھی کسی کو عطا نہ ہوا۔قرآن مجید میں ارشادِ ربی ہے:

''عنقریب تمہارا رب تمہیں مقامِ محمود پر بٹھائے گا''۔(الاسراء: 79)

مقامِ محمود وہ اعلیٰ جگہ ہے کہ قیامت کے دن سب لوگ اس پر بیٹھنے والی ہستی کی تعریف کریں گے۔اس دن حضورِ پاک (ﷺ) کے ہاتھ میں حمد والا جھنڈا ہوگا۔آپ کو

شفاعتِ کبریٰ کی اجازت ہوگی اور آپ سب اہل ایمان کی شفاعت کریں گے۔

ایک حدیث میں سیدنا جابر بن عبداللہؓ روای ہیں، رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا:
''اللہ تعالیٰ نے (سیدنا) موسیٰ (علیہ السلام) کو کلام عطا کیا اور مجھے دیدار عطا کیا اور مجھے مقام محمود اور حوض کوثر کی فضیلت عطا کی گئی''۔ (مختصر تاریخ دمشق، جلد 2، ص108)

10) اللہ تعالیٰ رضائے مصطفی (ﷺ) کا طالب

یہ ساری کائنات اور اس کے سارے باسی اپنے پروردگار اور پالن ہار کی رضاو خوشنودی کے حصول کی خاطر ہمہ وقت مصروف ہیں۔ کیونکہ دنیاو آخرت میں فوز وفلاح اور نجات صرف ان لوگوں کا مقدر ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی۔ لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ خود ربّ ذوالجلال اپنے محبوب نبی سیّدنا محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی رضا کا طالب ہے۔ مدینہ منورہ میں سب مسلمان شروع میں بیت المقدس کی جانب منہ کرکے نماز ادا کرتے تھے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے قلبِ اطہر میں یہ آرزو پوشیدہ تھی کہ مسلمانوں کا قبلہ کعبۃ اللہ ہو جائے۔ آپ ایک روز بار بار آسمان کی جانب دیکھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:

> ''بے شک، ہم تمہارے رُخ انور کا بار بار آسمانوں کی جانب اُٹھنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم ضرور آپ کو اس قبلہ کی جانب موڑ ڈالیں گے، جس کیلئے تم راضی ہو''۔ (البقرہ:144)

ایک اور جگہ ارشادِ ربانی ہے:

> ''عنقریب ہم تمہیں اتنا عطا کریں گے کہ تم راضی ہو جاؤ گے''۔ (الضحیٰ:105)

11) سرکارِ دوعالم (ﷺ) کے رفعتِ ذکر کی وجہ سے فضیلت

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت اور راہنمائی کیلئے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے لیکن ہم صرف چند ناموں سے واقف ہیں۔ لیکن ہمارے نبی پاک صاحبِ لولاک (ﷺ) کی شان اتنی بلند ہے کہ آج پوری دنیا میں ہر گھڑی ہر پل اور ہر ہر مقام پر آپ کا ذکر خیر ہوتا ہے۔ یہ ذکرِ مصطفیٰ (ﷺ)، سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے سے جاری ہے اور قیامت کے بعد تک جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

''اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارا ذکر بلند کر دیا ہے''۔(الانشراح:4)

اس دھرتی پہ دیکھ لیں، جاپان میں سورج کی شعاعوں کے ساتھ ہی فجر کی اذانیں گونجنا شروع ہوتی ہیں اور یہ سلسلہ ہوتے ہوتے کینیڈا ،امریکہ تک جا پہنچتا ہے۔ جب یورپ میں فجر کا وقت ہوتا ہے تو جاپان میں ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔اس طرح ذکرِ خدا وذکرِ مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء کا یہ سلسلہ ہر پل چلتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ نبی کریم (ﷺ) کا ذکر لازم وملزوم ہے۔کلمہ ہو یا اذانیا پھر قرآن کریم کی آیات ہوں ،اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضورِ اکرم (ﷺ) کی رسالت کا ذکر ساتھ ساتھ ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

☆جس نے رسول کی اطاعت کی،اس نے خدا کی اطاعت کی۔

☆ بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کر رہے ہیں وہ بے شک اللہ تعالیٰ کی بیعت کر رہے ہیں۔

☆ بے شک اللہ اوراس کے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں،اے مسلمانو!تم بھی اُن پر درود بھیجواور خوب خوب سلام بھی۔

12)قائد المرسلین اور امام الانبیاء

نبی کریم (ﷺ) کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ معراج کی شب بیت المقدس کے اندر نماز میں آپ نے سب انبیاء کی امامت کی۔اسی طرح آپ کل انبیاء ورُسل کے قائداور رہبر بھی ہیں۔جیسا کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ ایک حدیث ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا''قیامت والے دن میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا،اس پر مجھے فخر نہیں،میرے ہاتھ حمد کا جھنڈا ہوگا اس پر مجھے فخر نہیں، (سیدنا) آدم علیہ السلام اور سب نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گےاور جب زمین شق ہوگی تو سب سے پہلے میں اُٹھوں گا اس پر مجھے فخر نہیں''۔(جامع ترمذی:ص520)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا:

''میں قائدالمرسلین یعنی رسولوں کا سردار ہوں ،مگر فخر نہیں ، میں نبیوں کا سلسلہ ختم کرنے والا ہوں ،مگر فخر نہیں اور میں سب سے پہلے شفاعت

کرنے والا ہوں اور میں ہی وہ شخص ہوں جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی ، مگر مجھے اس پر فخر نہیں۔(مختصر تاریخ دمشق، ج:2، ص106)

13)خالق اور مخلوق کے محبوب

نبی کریم سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ شرف اور اعزاز حاصل ہے کہ ایک جانب آپ کا خالق و مالک ربِّ کائنات آپ سے محبت کرتا ہے تو دوسری جانب تمام عالم آپ کی محبت کا طالب ہے۔آپ کا عشق ہی ایمان کے کامل ہونے کی نشانی ہے۔ایک حدیث شریف ہے۔ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے''حضور شفیع اعظم (ﷺ) کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) بیٹھے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔آپ اپنے حجرۂ مبارک سے نکل کر ان کی باتیں سننے لگے۔ان میں سے بعض نے حیرانی کے ساتھ کہا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے ایک خلیل بنانے لگا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بنایا۔دوسرے صحابی نے کہا: اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف بخشا۔ایک اور صحابی نے کہا: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور رُوح ہیں۔دوسرے نے کہا: سیدنا آدم علیہ السلام کو اللہ پاک نے صَفِیُّ اللّٰہِ بنایا۔رسول کریم (ﷺ) نے ان سب کو سلام کہا اور فرمایا:

''میں نے تمہارا کلام سنا اور حیرانی بھی دیکھی کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں ،وہ اسی طرح ہیں، موسیٰ علیہ السلام، اللہ کے کلیم ہیں، وہ ایسے ہی ہیں، عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور رُوح ہیں، وہ ایسے ہی ہیں اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صفی بنایا تو وہ اسی طرح ہیں۔سنو! میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں''۔(ترمذی شریف ،ص:520)

ایک اور حدیث ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کیلئے اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور ہر اس چیز سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں، جسے وہ پیار کرتا ہے۔(صحیح بخاری)

پس پتہ چلا کہ نبی مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت' ایمان کی جان اور دین و دنیا میں کامیابی کی ضمانت ہے۔ کسی اور نبی کو یہ شرف حاصل نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حبیب ہو اور اس کی محبت ایمان کی اساس ہو۔

سیّد العالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف اور امتیازات کا ذکر کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔ ہم نے مختصر انداز میں آپ کے سب انبیاء اور مرسلین سے افضل و اعلیٰ اور برتر و بالا ہونے کا ذکرِ خیر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر ہر گھڑی رحمت نازل فرمائے اور آپ کا ذکر بلند سے بلند تر کرے اور ہمیں روزِ محشر آپ کے جھنڈے تلے جگہ عطا کرے۔ آمین۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلىٰ حَبِيۡبِهٖ وَآلِهٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِيۡمًا

اسوۂ رسول اکرم ﷺ

ہمارے پیارے آقا نبیٔ رحمت سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس میں تمام اعلیٰ صفات، سب اوصافِ حمیدہ اور احسن ترین خصائل و عادات مجتمع ہیں۔ ربِ کائنات نے خود قرآنِ مجید میں آپ کے اخلاق حسنہ کی رفعت وعظمت کی گواہی دی:۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم:4) ''بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں''۔

گویا نیک اوصاف وخصائل نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے فیضیاب ہو کر مرتبہ کمال تک پہنچتے ہیں۔ آپ کا عفوودرگزر، حلم وبردباری، شفقت ومحبت، سخاوت و ایثار، عدل واحسان انسانی اقدار کا اعلیٰ ترین معیار ہے۔ قرآن مجید جو کتاب رشد وہدایت ہے اور ابدالآباد تک کے انسانوں کیلئے نسخۂ کیمیا ہے، اس میں بھی جو اوصاف وکمالات بیان ہوئے ہیں وہ دراصل آپ کی عادات ومعمولات کی تشریح وتوضیح ہے۔ ام المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کیا تھے۔ آپ نے جواب دیا:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ. ''آپ کے اخلاق حسنہ وہی تھے جو قرآن میں بیان ہوئے''۔

پیارے مصطفیٰ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے اخلاق حسنہ اور اعمال جمیلہ کاملیت کے اس بلند ترین مقام پر فائز ہیں کہ خالقِ کون ومکاں نے شرق وغرب کے سب انسانوں کیلئے لیے مینارۂ نور بنا دیا۔ فرمایا! تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی میں بہترین نمونہ عمل ہے۔ گویا سیرت مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء وہ منبع نور ہے جس کی کرنیں ہماری زندگی کے ہر گوشے کی ظلمتوں کو کافور کرسکتی ہیں اور انہیں منور وتاباں بنا سکتی ہیں۔ اسوۂ رسولِ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم وہ بادِ بہاری ہے جو ہمارے قلب وجگر اور اخلاق و اعمال کے پژمردہ گلستاں کو سرسبز وشاداب اور مثل فردوس بنا سکتی ہے۔ الغرض حضور اکرم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستفیض ہونے والے اخلاق واعمال، اسوہ وسیرت وہ ضابطہ حیات ہے جسے ہم اپنی زندگیوں کیلئے مشعل راہ بنا کر اضطراب وانتشار اور گمراہی وضلالت کی تاریک رہ گزر سے نکل کر امن وسلامتی، راحت وسکون اور فوز وفلاح کی وادیوں میں پہنچ سکتے ہیں۔ آیئے مصطفیٰ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی حیات طیبہ کی معطر ومعنبر باتوں سے اپنی دنیا کومہکاتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی روز مرّہ کی زندگی اور معمولات، حلم وبردباری، تواضع وانکساری، اعلیٰ اخلاق اور حسن معاشرت کا بہترین نمونہ ہیں۔ آپ اس کائنات میں مقام ومرتبہ میں سب مخلوق سے بڑھ کر ہیں۔ تمام انبیاء اور رسولوں کے امام اور قائد ہیں۔ ختم نبوت کا تاج آپ کے سراقدس پہ زیبا ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ نہایت تواضع اور انکساری سے پیش آتے۔ ازواج مطہرات، خادمین اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے محبت، مروّت اور اپنائیت کا برتاؤ کرتے۔ گھر کے کام خود کرلیا کرتے۔ اپنے نعلین مبارک کوخود پیوند لگا لیتے۔ اپنے کپڑے خود سی لیتے۔ بکری کا دودھ، دوہ لیتے۔ گھر کا کھانا جیسا ہوتا تناول فرما لیتے۔ کبھی عیب نہ نکالتے اور اگر کھانا پسند نہ ہوتا تو چھوڑ دیتے۔

اگر کوئی شخص آپ سے ملنے آتا تو نہایت عزت سے پیش آتے۔ اس کے لئے اپنا کپڑا یا چادر بچھا دیتے۔ جب آپ کسی سے ملتے تو سلام میں پہل کرتے حتیٰ کہ بچوں کو سلام پہلے کہہ دیتے۔ کسی سے مصافحہ کرتے تو اس وقت تک ہاتھ نہ چھڑاتے جب تک وہ خود نہ چھوڑ دیتا۔ کوئی بات کرتا تو پوری توجہ اور یکسوئی سے اس کی بات سنتے۔ کوئی سرگوشی کرنا چاہتا تو اپنا کان آگے کر دیتے۔ کسی کا دل نہ دکھاتے حتیٰ کہ ایک بار ایک پاگل عورت آپ کو مجلس سے اٹھا کر ساتھ لے گئی اور آپ اس کی دلجوئی کیلئے اس کے گھر تک گئے اور وہاں اس کی بات سن کر اس کی حاجت پوری کی۔

بیماروں اور مریضوں کی مزاج پرسی کیلئے تشریف لے جاتے۔ ان کی عیادت کرتے اور ان کیلئے دعا کرتے۔ جنازے کے ساتھ چلتے، غلاموں اور کنیزوں کا بے حد خیال رکھتے۔ ان کی دعوت قبول کر لیتے کبھی ڈانٹ ڈپٹ نہ کرتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ دس سال تک آپ کی خدمت اقدس میں رہے لیکن آپ نے انہیں کبھی اُف تک نہ کہا۔ آپ نماز فجر کے بعد فارغ ہوتے تو لونڈیاں اور خادم پانی کے برتن لے کر آپ کے حضور

آتے، آپ ان میں اپنا دست اقدس ڈبو دیتے۔ سخت سردی میں بھی ایسا فرماتے تاکہ ان کو شفا ہو اور برکت کثیرہ حاصل ہو۔ بیواؤں، مسکینوں اور مفلسوں کے ساتھ چلتے اور ان کی حاجتیں پوری کرتے۔ آپ کی گفتار اور بول چال نہایت سادہ، صاف ستھری اور پاکیزہ ہوتی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فحش کہنے والے نہ تھے اور نہ کسی پر لعنت کرنے والے اور نہ گالی دینے والے تھے۔ جب آپ کسی پر عتاب فرماتے تو یوں ارشاد فرماتے: ''اسے کیا ہوا، اس کی پیشانی خاک آلودہ ہو''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں سے خصوصی شفقت و محبت رکھتے، ان کو گود میں اٹھا لیتے، ان سے پیار اور انس کا اظہار کرتے۔ جب موسم کا تازہ پھل آتا تو سب سے پہلے ننھے بچوں کو عطا کرتے۔ عورتیں جو زمانہ جاہلیت میں نہایت ذلت، بے کسی اور جانوروں جیسے سلوک کی مستحق سمجھی جاتی تھیں۔ آپ کی بعثت کے بعد عزت و تکریم اور وقار و تمکنت کی حق دار بن گئیں۔ آپ نے ان کے حقوق کی پاسداری کا حکم دیا۔ اور ان سے بہترین سلوک کی تلقین کی۔ آپ نے اپنی مجلس میں خواتین کیلئے ہفتے میں ایک دن مقرر کر رکھا تھا۔

حضور سیّد الانبیاء خیر الوریٰ علیہ التحیہ والثناء عفو و درگزر اور حلم و بردباری کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ نے اپنی ذات کیلئے کبھی انتقام نہ لیا بلکہ صرف اللہ کی حرمت کے واسطے انتقام لیا۔ غزوۂ اُحُد میں کفار نے آپ کا دانت مبارک شہید کر دیا لیکن آپ نے پھر بھی ان کیلئے دعا کی: ''خدایا میری قوم کا یہ گناہ معاف کر دے کیونکہ وہ نہیں جانتے''۔ فتح مکہ کے موقع پر وہ کفار مکہ، جنہوں نے آپ کو بدترین اذیتیں پہنچائی تھیں، آپ کو آبائی وطن سے ہجرت پر مجبور کیا تھا، آپ کے اصحاب پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے تھے، آپ نے اپنے بھائی سیدنا یوسف علیہ السلام کی طرح ان کو عام معافی عطا کی اور فرمایا کہ آج تم سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ آپ نے عالی ظرفی اور عفو و درگزر کا سب سے اعلیٰ معیار قائم کرتے ہوئے اپنے چچا سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل "وحشی" اور "ہندہ" کو بھی معاف کر دیا۔ نیز اپنے جانی دشمن ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو معاف کر کے اسے سینے سے لگایا اور اسلام کے نور سے منور فرمایا۔

حضور سیّد العالمین علیہ اکرم الصلوات واعلی التسلیم جود و سخا، سخاوت اور ایثار کا پیکر تھے۔ آپ سب کی حاجتیں پوری کرتے، اگر کوئی چیز موجود نہ ہوتی تو انکار نہیں فرماتے، کسی

کا سوال ردّ نہ فرماتے، بعض اوقات قرض لے کر بھی حاجت پوری کر دیتے۔ ایک بار ایک شخص صفوان بن امیّہ نے بکریوں کا سوال کیا۔ سیدالانبیاء مصطفیٰ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے دو پہاڑوں کے درمیان جنگل میں موجود تمام بکریاں اسے عطا کر دیں۔ وہ اپنی قوم کو جا کر کہنے لگا: اے میری قوم! تم اسلام لاؤ، اللہ کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایسے سخی ہیں کہ فقر سے نہیں ڈرتے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جس قدر بھی مال ہوتا سب حقداروں، غریبوں، مفلسوں اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دیتے اور رات کو ایک دینار بھی گھر میں نہ رکھتے۔ لیکن آپ کی ذاتی زندگی زہد اور فقر و غنا سے مزین تھی۔ سادہ غذا تناول کرتے، بعض اوقات دو دو روز تک گھر میں آگ نہ جلتی، کبھی جو کی روٹی پیٹ بھر نہ کھائی، کھجور سے بنے ہوئے بستر پر آرام کرتے۔ آپ کے گھر کی چھتیں کھجور کے تنوں اور شاخوں سے بنی ہوئی تھیں۔ کبھی سیر ہو کر کھانا نہ کھاتے۔ نرم و گداز بستر پسند نہ کرتے۔ آپ کا یہ زہد اور فقر اختیاری تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے ربّ نے مجھ سے فرمایا: اگر تو چاہے تو تیرے واسطے وادی مکہ کو سونا بنا دوں، مگر میں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں یہ نہیں چاہتا بلکہ یوں چاہتا ہوں کہ ایک دن سیر ہو کر کھاؤں اور دوسرے دن بھوکا رہوں، جب بھوکا رہوں تو تیرے آگے زاری و عاجزی کروں اور جب سیر ہو جاؤں تو تیری حمد اور شکر ادا کروں۔

حضور رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ سچ بولتے اور امانت کا خیال رکھتے۔ اس لئے اہل مکہ آپ کو صادق اور امین کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ وعدہ کرتے تو پورا کرتے، تجارت میں ایمانداری کا خیال رکھتے، دھوکہ، فریب دہی، جھوٹ اور تکبر و غرور سے آپ کو نفرت تھی۔ اپنوں سے صلۂ رحمی کا درس دیتے، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی عزت کرتے۔ الغرض آپ کی حیاتِ مقدسہ کا ہر پہلو اور ہر ساعت ابدالآباد تک کے انسانوں کیلئے باعث تقلید اور مینارۂ رشد و ہدایت ہے۔

☆☆

معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم (ﷺ) کا مبارک خط جب ہرقل قیصر روم کو ملا' وہ اس وقت ایلیا شہر میں موجود تھا۔ اس نے اپنے معاونین سے کہا کہ شہر میں اگر مکہ معظّمہ کا کوئی باشندہ تجارت کی غرض سے آیا ہوا ہو تو اسے میرے روبرو پیش کیا جائے۔ اتفاق سے ابوسفیان جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوا تھا' وہ شہر میں موجود تھا۔ اس نے دربار میں پیش ہو کر بتایا کہ اس وقت وہ واحد شخص ہے جو حضرت محمد (ﷺ) کا قریبی رشتہ دار ہے۔ قیصر روم نے اس سے بہت سے سوالات کئے اور نبی اکرم شفیع معظم (ﷺ) کی شخصیت کے حوالے سے دریافت کیا۔ ابوسفیان نے سمجھا کہ بہت اچھا موقعہ ہے اور وہ اس واقعہ کے ذریعے نبی اکرم (ﷺ) کو (معاذ اللہ) جھوٹا ثابت کر سکتا ہے' اس نے کہا کہ میں تم لوگوں کو حضرت محمد (ﷺ) کے بارے میں ایک بات بتاتا ہوں جس سے تمہیں اندازہ ہوگا کہ (معاذ اللہ) وہ شخص کتنا جھوٹا ہے اس نے کہا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک رات میں مکہ معظّمہ سے بیت المقدس تک گیا اور وہاں سے آسمانوں کی سیر کرتا ہوا اسی رات واپس مکہ مکرمہ بھی پہنچ گیا۔ اس دربار میں عیسائی پادریوں کا سردار بطریق بھی موجود تھا۔ وہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: اے قیصر روم! میں نے اس رات کو ایک عجیب بات دیکھی۔ رات گئے ہمیشہ کی طرح جب ہم لوگ مسجد اقصیٰ کے دروازے بند کرنے لگے تو ایک دروازہ بند نہ ہوا۔ ہم نے اپنی سی پوری کوشش کی کہ یہ دروازہ بند ہو جائے لیکن لگتا یوں تھا کہ گویا ساری عمارت کا بوجھ اسی دروازے پر آن پڑا ہے۔ ہم نے اس دروازے کو یونہی کھلا رہنے دیا کہ صبح کسی معمار کو بلا کر اسے بند کروائیں گے لیکن جب صبح ہم پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ دروازہ نہایت آسانی سے بند ہو گیا۔ دروازے کے باہر ایک پتھر تھا۔ اس پر ایک تازہ سوراخ تھا جس میں جانور کے باندھنے کے آثار تھے اور محسوس ہو رہا تھا کہ کسی جانور کو یہاں باندھا گیا تھا۔ اس بات سے مجھے اس امر کی تصدیق

ہوئی کہ آج کی رات وہ رات تھی جس کا تذکرہ قدیم کتابوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک برگزیدہ نبی بیت المقدس سے آسمانوں کی طرف اٹھایا جائے گا اور معراج کے شرف سے مستفیض ہوگا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ رات دروازہ بند نہ ہونے کی وجہ یہی بات تھی۔(سیرت حلبیہ صفحہ 353 'ضیاء النبی صفحہ 504)

معراج النبی (ﷺ) ہمارے پیارے نبی سرور کائنات سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا وہ عظیم معجزہ ہے جو آپ کو دیگر تمام مخلوقات سے افضل واعلیٰ ثابت کرتا ہے اور دیگر تمام انبیاء کرام سے آپ کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔

واقعہ معراج نبی رحمت شفیع امت علیہ التحیۃ والسکینت پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعام واکرام کا مظہر ہے اور محبوب ومحبّ کے مابین وصال اور قربت کے نوری لمحات کا اظہار ہے اگرچہ وہاں نہ لمحات کا تصور ہے اور نہ ساعتوں کا وجود ہے کہ وہ لا مکاں ہے اور وقت ومقام کی قید سے آزاد ہے۔ انعام واکرام کی یہ بارانِ نور اس وقت ہوئی' جب نبی محتشم (ﷺ) نہایت کٹھن اور مشکل وقت گزار رہے تھے۔ کفار کے ظلم وستم نے الگ تنگ کیا ہوا تھا کہ آپ کی غمگسار اور مونس رفیقۂ حیات سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا وصال کر گئیں۔ اس سے پہلے آپ کے پیارے چچا جان سردار ابوطالب رضی اللہ عنہ بھی داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تھے۔ آپ غم واندوہ کی کیفیت سے دوچار تھے۔ اوپر سے کفار مکہ کی بڑھتی ہوئی ریشہ دوانیاں اور انسانیت سوز سازشیں تھیں' جن کی شدت میں آئے روز اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ ان حالات میں آپ کی دلجوئی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب علیہ صلوات الرب المجیب کو بیت المقدس کی سیر کرائی۔ آسمانوں پر عروج دیا' انبیاء کی امامت کا شرف بخشا اور لامکاں پہ بلا کر اپنے دیدار کی لذت سے سرفراز کیا۔ سبحان الله!

نبی رحمت شفیع امت سیدنا محمد مصطفیٰ (ﷺ) کا سفرِ معراج مسجد الحرام مکہ مکرمہ سے شروع ہوا۔ آپ اپنی چچازاد بہن سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر آرام فرما رہے تھے۔ جبرئیل امین علیہ السلام حکم ربی سے ایک نوری سواری "براق" لیکر حاضر ہوئے۔ آپ کو سفر معراج کی بشارت دی۔ آپ حطیم کعبہ میں تشریف لائے۔ وہاں شق صدر ہوا یعنی آپ کے سینہ مبارک کو چیر کر اللہ تعالیٰ کے انوار وتجلیات سے بھرا گیا تا کہ یہ سینہ اطہر اپنے خالق و مالک کے دیدار کی لذت وحلاوت سے بطریق احسن فیضیاب ہو سکے۔ مسجد الحرام سے

بیت المقدس اور وہاں سے لامکاں تک کے واقعات کو ہم یہاں اختصار سے پیش کرتے ہیں یہ سب واقعات صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مسلمہ کتب تفسیر سے لئے گئے ہیں:۔

☆ نبی رحمت علیہ التحیہ والسکینت نے مسجد الحرام سے لیکر مسجد الاقصیٰ تک کا سفر براق پر سوار ہو کر کیا۔ سیدنا جبرئیل علیہ السلام آپ کے ہمراہ تھے۔ راستے میں آپ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور کی زیارت کی اور ان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اس سفر کو اِسْرَاء کہا جاتا ہے۔

☆ وہ تمام انبیاء ورُسل جو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل اپنے اپنے وقت اور علاقے میں اپنا فریضہ احسن واکمل انداز میں انجام دیکر وصال فرما چکے تھے، مسجد اقصیٰ میں جمع تھے۔ وہ سب آپ کی آمد کے منتظر تھے۔ آپ نے یہاں آ کر انبیاء کرام کی نماز کی امامت کی۔ اس موقعہ پر سیدنا آدم علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور دیگر منتخب انبیاء نے خطبہ دیا۔ نبی اکرم (ﷺ) نے بھی خطبہ ارشاد فرمایا جس کے جملے پڑھنے سے آپ کی رفعتوں اور عظمتوں کا شعور حاصل ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

> سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے مجھے سارے جہانوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا اور تمام لوگوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث کیا اور مجھ پر فرقان نازل کیا اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے اور میری امت کو تمام امتوں سے افضل بنایا اور اسے لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کیا اور میری امت کو امتِ وسط بنایا۔ میری امت ہی اول و آخر ہے۔ مجھے شرح صدر کی نعمت سے نوازا، میرا بوجھ مجھ سے اٹھا لیا، میرے ذکر کو میرے لئے بلند کیا اور مجھے فاتح اور خاتم بنایا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم)

☆ مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کے دوران میں نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کو جنت الفردوس کی نعمتوں اور جہنم کی سختیوں کا مشاہدہ کرایا گیا۔ اسی طرح مختلف اعمال کی جزا اور سزا کا مظاہرہ عملی طور پر ہوتے

دکھلایا گیا۔ گویا آپ کے ذریعے آپ کی امت کو اچھائی اور برائی کا صلہ ملتے ظاہر کیا گیا تا کہ آپ کی امت صراط مستقیم پر گامزن رہے۔

☆مسجد اقصیٰ سے ہمارے آقا و مولا سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء ایک نورانی سیڑھی کے ذریعے آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ آسمانوں کا دروازہ آپ کے لئے خاص طور پر کھولا گیا۔ تمام فرشتے آپ کو خوش آمدید کہنے کے لئے بے تاب تھے۔ مختلف آسمانوں پر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، سیدنا یوسف علیہ السلام، سیدنا آدم علیہ السلام، سیدنا ہارون علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام، سیدنا ادریس علیہ السلام اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

☆آسمانوں کی حد ختم ہونے کے بعد سدرۃ المنتہی کا ارفع و اعلیٰ مقام آیا جہاں سیدنا جبرئیل علیہ السلام کی حد ختم ہوگئی۔ اس سے آگے ایک سواری رفرف پر تشریف فرما ہو کر ہمارے آقا و مولا علیہ التحیہ والثناء لامکاں تشریف لے گئے۔ یہاں آپ نے قلموں سے لکھے جانے کی آواز سنی۔

☆اس کے بعد اللہ رب العزت نے اپنے حبیب لبیب علیہ صلوات الرب المجیب کو عرش اعظم یعنی لامکاں میں بلا کر اپنے جلوہ خاص سے فیضیاب کیا۔ یہاں مالک و مملوک، خالق و مخلوق اور محبّ و محبوب کے درمیان صرف اتنا فاصلہ رہا جتنا کہ دو کمانوں کے ملانے سے رہ جاتا ہے۔ اس مقام کو قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ کا مقام کہا جاتا ہے۔

☆"قاب قوسین او ادنیٰ" کے مقام پر راز و نیاز کی باتیں ہوئیں اور قرآن مجید کے مطابق ''فَاَوْحیٰٓ اِلیٰ عَبْدِہٖ مَآ اَوْحیٰ'' کے ذریعے رب تعالیٰ نے وہ کچھ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرما دیا جسے انسانی عقل بیان کرنے سے قاصر ہے اور اس کا احاطہ کرنا عقل کے بس کی بات نہیں ہے۔

☆اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم (ﷺ) کو تین خصوصی تحفے عطا کئے۔ سورہ بقرہ کی آخری آیتیں، ہر اس اُمتی کی بخشش کی خوشخبری جو شرک میں

مبتلا نہ ہو اور پچاس فرض نمازیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر نبی اکرم (ﷺ) بار بار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور نمازوں میں کمی کی گذارش کی جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا۔ یوں یہ نمازیں پانچ رہ گئیں لیکن ان کا ثواب پچاس نمازوں کے برابر ہی ہوگا۔

☆ آسمانوں کی اچھی طرح سیر کرنے کے بعد حضور اکرم (ﷺ) واپس بیت المقدس تشریف لائے اور وہاں سے مکہ مکرمہ تک آئے۔ راستے میں آپ نے اہلِ مکہ کے تین قافلوں کو آتے دیکھا اور بہت سی دوسری باتوں کا مشاہدہ بھی کیا۔

☆ یہ سارا واقعہ زیرو ٹائم (Zero Time) میں ہوا یعنی دنیا کا نظام ساکت وجامد تھا کیونکہ نبی رحمت علیہ التحیہ والسکینت جسد کائنات میں روح کی حیثیت رکھتے ہیں اور جب روح نہ ہو تو پھر جسم ساکت ہی ہوگا۔ آپ جب واپس تشریف لائے تو نبضِ ہستی پھر سے رواں دواں ہوگئی۔

☆ صبح سویرے پیارے آقا ومولا علیہ التحیہ والثناء نے کفار مکہ کو رات کے واقعہ کے بارے میں بتایا۔ مکہ مکرمہ میں ایک طرح سے ہلچل مچ گئی۔ دل کے کالوں نے اس کی تکذیب کی جبکہ روشن دل والوں نے دل وجان سے واقعہ معراج کی تصدیق کی اور صدیق اکبر جیسے لقب سے بازیاب ہوئے۔ کافروں کے دریافت کرنے پر حضور شفیع اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار مکہ کو ان کے قافلوں کی تفصیل بتائی اور ان کے پہنچنے کا وقت بھی بتایا۔ اسی طرح بیت المقدس کی بہت سی نشانیاں آپ نے بیان کیں لیکن اس کے باوجود کفار کے دلوں کے قفل کھل نہ سکے۔

معراج شریف کا معجزہ نبی آخر الزمان امام الانبیاء علیہ التحیہ والثناء کا ایسا منفرد اور اعلیٰ معجزہ ہے جو صرف آپ کے لئے ہی خاص ہے۔ علامہ اقبال نے خوب کہا ہے۔

سبق یہ ملا ہے معراج مصطفیٰ (ﷺ) سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زَد میں ہیں گردوں

آیئے! ذرا معراج النبی (ﷺ) کے نتائج اور ثمرات کا نورانی تذکرہ کر کے اپنے

قلوب واذہان کومنور کریں اور واقعہ معراج سے متعلق چند شبہات کا ازالہ بھی کریں:-

☆معراج النبی (ﷺ) کے معجزے کی نسبت، اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب سے پاک اور ہر نقص سے مبرا ہے اس نے اس کائنات کو لفظ کن کہہ کر تخلیق کیا اس میں قسم قسم کی مخلوقات پیدا کیں، چرند، پرند، شجر، حجر، کوہ ودریا، وادی و کہسار، گل وگلزار، زمین و آسماں، ستارے، کہکشاں، الغرض ایک سلسلہ عظیم ہے جس کا ادراک کرنے سے ہماری عقل قاصر ہے۔ اس ذات پاک نے اپنی پاکی اور قدرت کاملہ کی قسم کھا کر یہ اعلان کیا کہ وہ ذات، جو اپنے خاص بندے کو رات کے قلیل حصے میں سیر کے لئے بیت اللہ شریف سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی، پاک ہے۔

☆معراج کا اگر انکار کرو گے تو یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت کا انکار ہے۔ اس آیت مبارکہ کے آخر میں ''هُوَ السَّمِيْــعُ الْبَصِيْرُ'' کہہ کر اللہ تعالیٰ نے بات مزید کھول دی یعنی وہ سننے والا بھی ہے اور دیکھنے والا بھی۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اگر اس آیت میں ''هُــــــوَ'' کی نسبت، حضور نبی کریم (ﷺ) کی طرف جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی کے اظہار کے ساتھ ساتھ نبی رحمت (ﷺ) کی شان وشوکت اور رفعت وسربلندی کا اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی پوری مخلوق میں سے جس ہستی کا انتخاب کیا ہے اور جسے یہ اعزاز بخشا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی ماورائے عقل کائنات کا مشاہدہ کرے، اس کی تصدیق اپنے جسم کی آنکھوں سے کرے وہ ہستی یقیناً شعور وبصیرت کے انتہائی باکمال مقام پر فائز ہے اسے کائنات کی تنظیم وترتیب کا ادراک بھی ہے اور خالق کائنات کی ذات تک رسائی، بے پردہ زیارت اور دیدار کی دولت پالینے کی ہمت و قدرت بھی بخشی گئی ہے۔ یہ اس بات کا اظہار ہے کہ جو مقام ومرتبہ اور عظمت ورفعت نبی محتشم (ﷺ) کو بخشی گئی ہے وہ اس کے حقدار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں ان کو مخلوقات میں سب سے افضل واعلیٰ مقام

عطا فرمایا ہے۔ مفسرین کے مطابق ''هُوَ'' ضمیر کی نسبت اگر اللہ تعالیٰ کی جانب کی جائے تو یہ برملا اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ سنتا ہے دیکھتا ہے اور اس نے اسرار و معراج کی سعادت اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کر کے پوری کائنات پہ واضح کر دیا ہے کہ میرے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان و شوکت میں ہر آن اضافہ میرا فیصلہ ہے اور اس کا اظہار معراج کی شب کر دیا گیا ہے۔

☆عقل کے پجاری اور مادی ضابطوں کے اسیر بعض لوگ واقعہ معراج کو ماننے سے انکاری ہیں بعض مغربی مستشرقین نے بھی اس معجزہ کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے جیسے دورِ رسالت مآب میں کفار مکہ میں اس معجزہ کو سن کر تمسخر اٹھایا تھا۔ دور حاضر میں جب کہ سائنس بہت زیادہ ترقی کر چکی ہے' اس معجزہ کا انکار بہت عجیب سی بات ہے۔ آج سے ایک صدی بیشتر یہ بات انسانی عقل میں نہیں آ سکتی تھی کہ آسمانوں میں دیو ہیکل جہاز اور ایئر بسیں چلیں گی جن میں سینکڑوں مسافر اپنے ساز و سامان سمیت اڑیں گے یا پھر زمین پر بچھی پٹڑی پر ہزاروں مسافروں کو اپنی آغوش میں لیکر جدید ٹرینیں دو سو میل سے زائد کی رفتار سے سفر کریں گی۔

☆اسی طرح اور بہت سی ایجادات' خاص طور پر کمپیوٹر ایج میں آج ہر بات ممکن دکھائی دیتی ہے اس دور میں معجزہ معراج کا انکار مذاق لگتا ہے انسانی عقل جب چاند پر پہنچنے کا مرحلہ سر کر سکتی ہے مریخ پر کمندیں ڈالی جا سکتی ہیں اور خلاؤں میں حکمرانی کی جا سکتی ہے تو پھر خالق انسانیت کی قدرت کاملہ سے کیا بعید ہے کہ اپنے محبوب' مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ سب نعمتیں ظاہری اسباب کے بغیر عطا کر دے۔

☆ناپختہ ذہنوں میں یہ بات آتی ہے کہ مسجد الحرام (مکہ مکرمہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کا سفر' وہاں سے سات آسمانوں کی مسافت و سیاحت' سدرۃ المنتہیٰ تک رسائی' قاب قوسین کے مقام پر دیدار الٰہی کا شرف' پھر مسجد اقصیٰ میں واپسی اور آخر میں اپنے گھر تک واپسی یہ سارا

سفر کروڑوں اربوں میل کا سفر اور بے شمار قسم کے مکاشفات ومشاہدات' یہ سب کچھ ہوا لیکن وقت آگے نہ سرکا' کنڈی بھی ہلتی رہی' بستر بھی گرم تھا یہ سب کیونکر ممکن ہے؟

☆ مجھے یاد ہے ایف ایس سی (F.Sc.) کے دوران ہمارے فزکس کے استاد پروفیسر سلیمان صاحب نے نیوٹن کی بات کرتے ہوئے کہا کہ سائنس ہمارے نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے معجزات کی برملا تصدیق کرتی ہے۔ نیوٹن نے کہا تھا کہ اگر کوئی مادی چیز روشنی کی رفتار سے حرکت کرے تو پھر اس کا وجود نور میں تبدیل ہو جائے گا اور وہ زمان ومکاں کی قید سے آزاد ہو جائے گی۔ ہمارے نبی محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو خود سرتا پا نور ہیں' وہ بھلا وقت کی قید میں کیونکر پابند ہوں؟

☆ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ زمان ومکاں تو اس جہان کی نسبتی اقدار (Relative Values) ہیں۔ ان کا لامکاں کی وسعتوں میں کیا کام؟ ایک اور بات یہ کہ ہمارے پیارے آقا علیہ التحیہ والثناء تو کُل کائنات کے نبی ہیں۔ یہ زمان ومکاں اور وقت کی ساعتیں بھی ان کی محتاج ہیں۔ ان کی ذات تو ان سے ماوراء ہے۔ لہذا یہ سب چیزیں تو آپ کے اشاروں کی پابند ہیں' لہذا یہ بات خلاف عقل نہیں کہ ایک طرف چند لمحے گزرے ہوں اور دوسری جانب کئی سو سال کا سفر طے ہو جائے۔ روز حشر بھی تو ایسا ہوگا کہ پچاس ہزار سال کا دن نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے غلاموں کے لئے ایسے ہی ہوگا جیسے عصر سے مغرب کا وقت۔

☆ معجزہ معراج نے ایک اور بات بالوضاحت ثابت کر دی کہ انبیاء کرام علیہم السلام' اللہ تعالیٰ کی منتخب کردہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جو بعد از وصال بھی پہلے کی طرح زندہ وجاوید ہیں۔ زمین وآسمان ان کی رسائی میں ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرتے ہیں' مشورہ بھی دیتے ہیں اور راہنمائی بھی کرتے ہیں۔ ان کے لئے زمین وآسمان کی وسعتیں ہیچ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور عطاء سے وہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں آتے جاتے ہیں۔

☆اللہ تعالیٰ نے جو تین تحفے' شب معراج اپنے حبیب لبیب علیہ صلوات الرب المجیب کو عطا کئے' ان میں پانچ وقت کی نماز خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔نماز دراصل بندہ مومن کی معراج ہے جو بندے کو خالق سے بات چیت کا موقعہ دیتی ہے اور اس سے اپنی راز و نیاز کی باتیں کرنے کا بہانہ بنتی ہے۔نماز کی حالت میں بندہ اپنے خالق سے اتنا ہی قریب ہوتا ہے جتنا کہ ممکن ہوسکتا ہے۔ یہ انسانیت کا شرف ہے اور بندہ مومن کی معراج۔البتہ ہمارا فرض ہے کہ ہم پورے اہتمام اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادائیگی نماز کا فریضہ ادا کریں اور اس تحفہ عظیم کو رائیگاں نہ جانے دیں۔

☆معراج کی شب اللہ تعالیٰ نے نیکی' اچھائی اور برائی کی تمیز تمثیلی طور پر ظاہر کر کے انسانیت کو یہ پیغام دیا کہ وہ اچھی باتیں' جن کی تبلیغ میرے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی ہے' ان پر عمل پیرا ہو گئے تو صلے میں جنت الفردوس اور اس کی تمام نعمتیں جو زوال اور فنا سے ماورا ہیں' وہ انہیں عطا کی جائیں گی اور دیکھ لو اس کا مشاہدہ ہم نے تمہارے آقا و مولا کو کرا دیا ہے۔اس کے برعکس اگر تم بدی کی راہ اختیار کرو گے' فریب' ریاکاری' زنا' سودخوری اور کذب و افتراء سے کام لو گے تو پھر جہنم کی آگ اور دردناک عذاب جو ہمیشہ رہے گا وہ تمہارا منتظر ہے۔فیصلہ اب بندے کے ہاتھ ہے معجزہ معراج کا سبق یہی ہے کہ نیکی اور بھلائی کی راہ اپنائی جائے تا کہ انسان کی روح لطافتوں کے انوار سے مزین ہو کر بارگاہ ربانی کی تجلیات کا مرکز بنے اور عظمت و رفعت کے نکتۂ عروج تک پہنچے۔اللہ تعالیٰ معراج کے ثمرات سے مستفیض ہونے کی ہمیں توفیق مرحمت فرمائے اور ہمیں مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن سے وابستہ رکھ کر جنتی نعمتوں سے مستفیض فرمائے۔آمین۔

............☆☆............

سیرت رسول ﷺ اور ہم

الحمداللہ یہ بات ہمارے لئے باعث تسکین ہے کہ ہم سید الانبیاء فخر موجودات سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت سے تعلق رکھتے ہیں ایک سچا امتی ہونے کے ناطے یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ کی محبت ایمان کی اساس ہے اور عشق رسولؐ کی جوت جب تک دل کی نگری میں روشنی نہ بکھیرے اس وقت تک ایمان کامل نہیں ہوسکتا میری اس بات کی وضاحت نبی کریمؐ کی احادیث سے ہوجاتی ہے آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اولاد اور سب لوگوں سے پیارا نہ ہوجاؤں'' (صحیح بخاری)

ایک اور حدیث ہے کہ ایک بار سیدنا عمر فاروقؓ نے نبی پاک صاحب لولاک ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے میری جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں آپ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں یہ سن کر سیدنا عمر فاروق نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی ہے آپ مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہیں حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا اب تمہارا ایمان مکمل ہوا ہے (صحیح بخاری)

دلوں میں عشق رسول ﷺ کی شمع فروزاں کر لینے کے بعد ہم پر لازم ہوجاتا ہے کہ اس کا اظہار

اپنے عمل اورقول وفعل سے کریں تبھی جا کر ہم اپنے دعویٰ عشق رسول ﷺ کے سچا ہونے کا اعلان کر سکتے ہیں یوں تبھی ممکن ہے جب ہم سیرت رسول کریم ﷺ کو اپنے ہر ہر عمل میں نافذ کر لیں اور اپنی زندگی کو اسوہ حسنہ کی روشنی میں بسر کریں اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوشنودی بھی اطاعت مصطفیٰ ﷺ میں مضمر ہے قرآن مجید میں ہے" اے محبوب! آپ فرما دیں کہ لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمہیں دوست بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے" اس کے علاوہ اور بہت سے مقامات پر ارشاد فرمایا گیا" آپ فرما دو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا" (آل عمران۔32)

اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اس امید پر کہ تم پر رحم کیا جائے۔آل عمران 132 جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا اسی طرح بہت سی احادیث میں بھی اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ نبی پاک ﷺ کی اطاعت ایمان کی تکمیل کا بنیادی تقاضہ ہے سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے" رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی (بخاری شریف) ایک اور حدیث مبارکہ میں" جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے میرے ساتھ محبت کی جس نے میرے ساتھ محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا" (مشکوۃ شریف)

یہ بات بالوضاحت نکھر کر سامنے آ گئی کہ جس طرح عشق رسول ﷺ ایمان کی اساس ہے اسی طرح نبی پاک ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری اتنی ہی ضروری ہے اور اپنی عملی زندگی کو اپنے آقا و مولا ﷺ کی سنت اور اسوہ حسنہ کے مطابق گزارنا ہماری بنیادی ذمہ داری ہے اس مقصد کے لئے یہ لازم ہے کہ ہم سیرت رسول ﷺ کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھیں اور سیرت کے واقعات میں یہ بات تلاش کریں کہ ہمارے پیارے اور محبوب رسول ﷺ کے شب و روز کیسے گزرتے تھے اور زندگی کے مختلف امور میں آپ کا رویہ کیسا تھا ہمیں سیرت پاک میں سے یہ دیکھنا ہے کہ

آپ کا حلم کیسا تھا بردباری کا مظاہرہ کیسے کرتے تھے صبر' درگزر' سب سے شفقت اور محبت' سخاوت' ایثار' احسان' عدل وانصاف' ایفائے عہد' سچ جیسی صفات اپنے اعلیٰ ترین معیار میں آپ کی ذات پاک میں رچی بسی تھیں جن کا مطالعہ ہمیں مینارہ نور کا کام دے سکتا ہے آیئے سیرت پاک کی کچھ جھلک دیکھیں۔

نبی کریم ﷺ کے صبح وشام کے معمولات حلم' صبر' تواضع' انکساری' بردباری اور خوش خلقی کا اعلیٰ نمونہ تھے آپ سب کے ساتھ شفقت سے پیش آتے گھر کے سب کام خود کر لیتے اپنے نعلین مبارک خود مرمت کر لیتے اپنا لباس خود سی لیتے بکریوں کا دودھ دھو لیتے گھر میں پکا کھانا جیسا بھی ہوتا کھا لیتے کبھی نقص نہ نکالتے کوئی شخص ملنے آتا تو عزت واحترام سے ملتے کسی سے ملتے تو سلام میں پہل کرتے کوئی بات کرتا تو پوری توجہ سے سنتے کسی کا دل نہ دکھاتے یہاں تک کہ ایک بار ایک پاگل عورت آپ کو اپنے ساتھ گھر لے گئی اور آپ اس کے گھر گئے اور اس کی بات سن کر اس کی ڈھارس بندھائی اور اس کی حاجت پوری کی۔

سیرت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تاجدار کائنات فخر موجودات سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ بیماروں کی مزاج پرسی اور عیادت کے لئے تشریف لے جاتے اور ان کے لئے دعا فرماتے جب کوئی فوت ہو جاتا تو اس کے جنازے کے ساتھ چلتے غلاموں اور کنیزوں کا خاص خیال رکھتے ان میں سے اگر کوئی دعوت کرتا تو آپ قبول فرماتے کبھی کسی کو ڈانٹ ڈپٹ نہ کرتے آپ نے ہمیشہ صبر اور بردباری کا مظاہرہ کیا اور اپنی ذات کی خاطر کبھی انتقام نہ لیا غزوہ احد میں کافروں نے آپ کا دندان مبارک شہید کر دیا لیکن آپ نے پھر بھی ان کے لئے دعا کی کہ اے رب! میری قوم کا یہ گناہ معاف کر دینا کیونکہ یہ کچھ نہیں جانتے۔

پیارے آقا ﷺ ہمیشہ سچ بولتے اور دوسروں کی امانتوں کا خیال رکھتے یہی وجہ ہے کہ کفار مکہ بھی آپ کو صادق اور امین کہہ کر بلاتے تھے آپ وعدہ فرماتے تو پورا فرماتے تجارت اور

کاروباری معاملات میں ہمیشہ ایمانداری کا اظہار فرماتے دھوکہ فریب، جھوٹ، تکبر، غرور اور نخوت کو ناپسند کرتے اپنوں سے صلہ رحمی کا سبق دیتے الغرض آپ کی سیرت پاک قیامت تک آنے والے سب انسانوں کے لئے روشنی کا مینارہ ہے اور دین و دنیا میں فلاح ونجات کا سیدھا راستہ ہے۔

نبی کریم ﷺ کی دعوت وتبلیغ اور آپ کی سیرت اور اسوہ حسنہ کی بدولت اسلام کی روشنی خطہ عرب کے کونے کونے میں پھیل گئی اور مختصر سی مدت میں حجاز اور قرب وجوار میں اسلام کا علم لہرانے لگا مدینہ کی فلاحی ریاست تشکیل پائی پر امن، خوشحال اور مثالی معاشرہ قائم ہوا لاکھوں کی تعداد میں صحابہ کریم کا ایک لشکر جرار تیار ہوا اور امت کا کارواں رواں دواں ہوا لیکن اس کے باوجود آپ نے سادگی، فقر واستغنا اور عاجزی کا دامن نہ چھوڑا دعوت اسلام کے بدلے آپ نے کوئی دنیاوی عہدہ نہ چاہا بادشاہت یا سرداری نہ مانگی دولت کے انبار نہ لگائے ہیرے جواہرات کا خزانہ اکٹھا نہ کیا کوئی پروٹوکول یا رتبہ چاہا بلکہ ہمیشہ اپنے پیارے صحابہ کے درمیان ان کے برابر بیٹھے۔

اس تبلیغ کے عوض پیارے آقا ﷺ نے اپنے عزیزوں اور وارثوں کے لئے کسی چیز کا مطالبہ نہ کیا نہ ان کو جانشین نامزد کیا صرف ان سے محبت اور چاہت کے بارے میں تلقین کی بے لوث خدمت خلق اور اعلیٰ ترین تبلیغ ودعوت کا یہ کتنا اونچا معیار ہے سیرت کے اس پہلو کو ہمیشہ ہمیں پیش نظر رکھنا چاہیئے ہم کسی سے چھوٹی سی نیکی کر لیں یا کسی کا بھلا کر دیں تو فوراً احسان جتانے لگتے ہیں یا کسی دینی کام میں کامیابی حاصل کر لیں تو اپنے لئے خصوصی مراعات اور خاص Status کے طلبگار ہو جاتے ہیں یہ بات یقیناً اسوہ حسنہ کے خلاف ہے۔

عشق رسول ﷺ کو اپنانے اور سیرت مصطفیٰ ﷺ کو اپنی زندگی میں نافذ کرنے کی ضرورت جتنی آج ہے شاید پہلے کبھی نہ تھی اس وقت یورپ اور امریکہ تمام تر وسائل اور طاقت کے ساتھ اس

بات کے لئے کوشاں ہے کہ مومن سے اس کی میراث یعنی عشق رسول کی دولت چھین لی جائے بقول اقبال ؂

یہ فاقہ کش موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو

اس مقصد کے لئے مغربی صیہونی طاقتیں ایک باقاعدہ پلاننگ کے تحت مصروف عمل ہیں تہذیبوں کا تصادم جو ایک نظریہ تھا آج حقیقت نظر آ رہا ہے مغربی کلچر اپنی موت آپ مر رہا ہے مغربی تہذیب جس کی بنیاد مادہ پرستی پر ہے وہ فنا ہو رہی ہے لیکن اسلامی تہذیب جس کی اساس وحی خدا اور علم وشعور پر ہے اور انسان کی روحانی تسکین اور قلبی سکون جس کا مطمع نظر ہے وہ پھل پھول رہی ہے 9/11 کے بعد یورپ وامریکہ میں اسلام قبول کرنے والے افراد کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اس بات سے خوفزدہ یورپ کے بزرجمہر مسلمانوں کی دل آزاری کے لئے برسر پیکار ہیں اور وہ نبی پاک ﷺ کی شان والاصفات میں گستاخی کا کوئی لمحہ جانے نہیں دیتے۔ پہلے انہوں نے گستاخانہ کارٹون شائع کئے یہ جسارت نہ صرف ڈنمارک کے بدبخت اخبار نے بلکہ یورپ کے کئی اور اخبارات نے بھی کی پھر بدبخت پادریوں اور نام نہاد ادیبوں نے نبی پاک ﷺ کے تصور کو دھندلانے کے لئے اخبارات میں مضامین لکھے میڈیا وار کے ذریعے ایک ایسی مہم چلائی گوی ہے جس میں مسلمانوں کو جنگجو لڑاکا اور دہشت گرد ثابت کیا جا رہا ہے المیہ یہ ہے کہ ہمارے بعض بھولے بھالے مسلمان بھی اس امیج کو بنانے میں ان کی معاونت کر رہے ہیں ستم بالائے ستم یہ کہ ایک باقاعدہ سازش کے تحت مسلمانوں اور عاشقان مصطفی ﷺ کی دل آزاری کے لئے ملعون سلمان رشدی کو سر کا خطاب دیا گیا کتنا ظلم ہے کہ وہ لوگ جو جانوروں کی تکلیف کا خیال رکھتے ہیں کتوں بلیوں کے تحفظ اور علاج وغذا پر اربوں روپیہ ضائع کرتے ہیں سمندری مخلوق اور جنگل کے باسیوں کے بچاؤ کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں

جب مسلمانوں کی دل آزاری کا وقت آتا ہے تو مروت اور رواداری کے تمام تقاضوں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور صلیبی عصبیت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے صیہونیوں کا آلہ کار بن جاتے ہیں اور ملعون رشدی کی نام نہاد عزت افزائی کی ناپاک کوشش کرتے ہیں حالانکہ وہ تو دونوں جہانوں میں مردود ہے دھتکارا ہوا ہے اس کا انجام سور اور کتے کی موت ہے جو عنقریب اس کا مقدر رہے بھلا اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کا گستاخ امن وسکون سے رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

ان پرفتن حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم دنیا کو یہ بتائیں کہ نبی کریم ﷺ تو امن و سلامتی کے پیغمبر ہیں ان کی سیرت تو مصفّٰی اور مطہر ہے ان کا پیغام بھلائی، خیر، مساوات، رواداری اور انسانی عظمت ورفعت کا علمبردار ہے اور سیرت کے اس پہلو کو عالم انسانیت پر اجاگر کریں کہ تم جس ہستی پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کر رہے ہو وہ تو ایسے ہیں کہ جنگ بدر میں جب قیدی رسیوں میں جکڑنے کی وجہ سے رات کو چیخے تو آپ ﷺ ان کی چیخوں کے کرب سے سو نہ سکے اور صبح سویرے ان کی رسیاں کھلوا دیں جب ان کے قتل کا مشورہ دیا گیا تو آپ نے پسند نہ فرمایا بلکہ ان کو اس بات پر رہائی کا مژدہ سنایا کہ وہ ان پڑھ مسلمانوں کو تعلیم سے بہرہ ور کریں اسی طرح جب فتح مکہ کے موقعہ پر سب کفار مکہ سر جھکائے کھڑے تھے اور اپنے ظلم وستم کی سزا پانے کے لئے تیار تھے تو پیارے آقا ﷺ نے تم پر آج کوئی مواخذہ نہیں کہہ کر ان کو عام معافی دیدی اسی طرح جب طائف کی وادی میں وہاں کے باشندوں نے آپ کو ستایا تو آپ نے پھر بھی ان کی بربادی کی دعا نہ کی۔

آیئے آج سیرت سید العالمین ﷺ کے نور کو عام کریں عملی طور پر سیرت کو اپنی زندگی کا محور بنائیں تحریر کے میدان میں سیرت کی روشنی پھیلائیں اور عشق رسول ﷺ کے نقیب بن کر دلوں میں پیار ومحبت اخوت اور مساوات کی خوشبو بکھیریں اور چار سو عشق رسول ﷺ سے اجالا کریں

اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین۔

(یہ لیکچر انجمن طلباء اسلام کے مرکزی کنونشن 2007ء منعقدہ فیصل آباد میں دیا گیا)

تحفظ ناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نماز اچھی ' حج اچھا ' روزہ اچھا اور زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحا (ﷺ) کی حرمت پر
خدا شاہد ہے ' کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

(مولانا ظفر علی خاںؒ)

وادی فاراں میں آفتاب رشد و ہدایت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طلوع ہونے سے لے کر دورِ حاضر تک کفار کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ مرکزِ ایماں، جانِ ایقان، روحِ دین سید العالمین خاتم النبیین محمد مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء کی ذات والاصفات پر تنقید کر کے اور نازیبا الزامات لگا کر غلامان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دلوں کو ٹھیس پہنچاتے آئے ہیں۔ اس شرانگیز اور دل آزار کام میں باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت کفار عالم کے تمام طبقے یعنی یہودی، نصرانی اور ہنود برابر کے شریک ہیں۔ انہیں اس بات کا علم ہے کہ یہ مسلمان اگرچہ نماز کے مکمل پابند نہ ہوں، روزہ رکھنے میں بھی غفلت شعار ہوں، چہرے پر داڑھی اور سر پر عمامہ سجانے سے بھی گریزاں ہوں، لیکن ان کے دلوں میں اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا الاؤ اتنا روشن ہے کہ جب بھی اس ذات والاصفات پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی جائے گی تو یہ بےعمل اور داڑھی منڈے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان عمل میں کود جائیں گے کیونکہ ان کے نزدیک ایمان کی اساس نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی محبت و الفت ہے اور دین کا معیار حرمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

نام نہاد تہذیب اور ماڈرن کلچر کا دعویدار ہونے کے یورپی ممالک نے نبی اکرم سید دو عالم (ﷺ) کی شان اقدس میں گستاخانہ حرکت کر کے اسلامیان عالم کے جذبۂ ایمانی

کا امتحان لینا چاہا ہے۔ ڈنمارک کے ایک اخبار جائی لینڈز پوسٹن (Jyllands Posten) نے باقاعدہ طور پر بنوائے جانے والے ایسے بیہودہ کارٹون اور خاکے اپنے اخبار میں شائع کئے جن میں پیغمبر اسلام خیرالانام علیہ الصلوۃ والسلام کی کردارکشی کی کوشش کی گئی۔اس جسارت کا ذکر کرتے ہوئے بھی روح کانپتی ہے۔ یہ خاکے 30ستمبر 2005ء کوشائع ہوئے۔ڈنمارک اور سکینڈے نیوین ممالک کے مسلمانوں نے اس پر شدید احتجاج کیا لیکن اخبار نے معذرت نہ کی بلکہ دیگر یورپی ممالک ناروے' فرانس' آسٹریلیا' ہالینڈ' آئرلینڈ' نیوزی لینڈ' اٹلی' امریکہ اور برطانیہ کے اخبارات میں مزید دیدہ دلیری اور ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان خاکوں کو شائع کر کے غم وغصہ کی کیفیت سے دوچار مسلمانوں کی مزید دل آزاری کا سامان کیا۔اگر ڈنمارک کی حکومت چاہتی تو مسلمانوں کی تشفی وتسلی کے لئے یہ معاملہ عدالت میں لے جاسکتی تھی لیکن اس نے اور اس کے حواری ممالک نے تو اسے آزادی اظہار رائے کا لیبل لگا کر جمہوری اقدار میں سے ایک رکن قرار دے دیا حالانکہ خود ڈنمارک کے قانون کے مطابق مذہبی' نسلی یا قومیتی دل آزاری قابل تعزیر جرم ہے۔ ڈنمارک کے قانون کی دفعہ 266-B کے مطابق وہ شخص جو عوامی طور پر یا لوگوں کے بہت بڑے حصے تک ایسا بیان یا بات پہنچائے جو لوگوں کی کسی جماعت' نسل' رنگ' قومیت' عصبیت' عقیدہ اور جنسی بنیاد پر دھمکانے یا بے عزتی کرنے کی نیت سے ہو' تو وہ شخص جرمانہ' نظر بندی یا قید کا حقدار ہے۔جس کی مدت دوسال تک ہوسکتی ہے۔

اگر ڈنمارک کی حکومت اور اخبار کی انتظامیہ اخلاقی قدروں کو اپناتے ہوئے مسلمانان عالم سے ان کی دل آزاری پر معذرت کر لیتی اور آئندہ ایسی گھناؤنی حرکت نہ کرنے کی یقین دہانی کرتی تو شاید یہ بات پردے میں ہی رہتی۔ یورپ کی دورخی پالیسی کا عالم یہ ہے کہ ان کے ہاں ایک فلم ساز نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے ایک ناروا فلم بنائی تو یورپی میڈیا نے آسمان سر پر اٹھالیا۔الجزیرہ ٹی وی نے بصرہ کے عقوبت خانے میں مسلمان مظلوموں پر ظلم وستم کی فلم دکھائی یا امریکی فوجیوں کی لاشوں کا منظر پیش کیا تو پوری امریکی حکومت چلا اٹھی۔اسامہ بن لادن اور ایمن الظواہری کے نقطہ نظر پر مبنی ویڈیوز یا پیغامات کی سی ڈی امریکی اور یورپی میڈیا کے لئے شجر ممنوعہ ہے۔کسی اخبار یا ٹی وی کو امریکی فوجیوں کی نعشوں اور تابوتوں کا ذکر کرنے کی آزادی نہیں۔ یہودیوں کی نسل کشی والی فرضی

تعداد کو گھٹا کر بتانا جرم ہے۔ ایرانی صدر احمدی نژاد نے صیہونی سازشوں سے پردہ کشائی کی تو انہیں قابل گردن زدنی قرار دیا جا رہا ہے۔

ڈنمارک اور ناروے کی صورتحال کی تصویر کشی کر کے عالمی میڈیا نے چاہا کہ اس سے عالم اسلام کو مزید بدنام کیا جائے لیکن قدرت خدا کی جونہی یہ معاملہ بی بی سی، سی این این، اے بی سی، واشنگٹن پوسٹ اور نیویارک ٹائمز کے ذریعے اجاگر ہوا تو پورا عالم اسلام سراپا احتجاج بن گیا اور یہ خبر عالم اسلام کے کونے کونے تک پہنچ گئی۔ تمام اسلامی ممالک میں یورپ اور امریکہ کی اسلام دشمن پالیسیوں کے خلاف احتجاجی ریلیاں شروع ہو گئیں۔ گیارہ اسلامی ممالک کے سفیروں نے ڈنمارک کے وزیر اعظم سے ملنے کی کوشش کی لیکن تعصب، انانیت اور تکبر کے رنگ میں رنگے ہوئے وزیر اعظم نے ان سے ملنے سے انکار کر دیا جبکہ تقریباً تمام اسلامی ممالک نے ڈنمارک کے سفیروں کو طلب کر کے تحریری احتجاج کیا۔ سعودی عرب، لیبیا اور شام نے ڈنمارک سے اپنے سفیر واپس بلا لئے۔ اسلامی سربراہ کانفرنس کے جنرل سیکرٹری جنرل اکمل الدین احسن اوغلو نے ڈنمارک کے وزیر اعظم کے نام خط میں شدید احتجاج کیا۔ اس دوران یورپ کے چرچ اور مذہبی انتہا پسندوں نے عالم اسلام کی دل آزاری کے لئے باہمی اتحاد سے یورپ کے مزید اخبارات کو بھی اس حرکت کے لئے ابھارا۔ جنوری کے آخر میں اٹلی، فرانس، جرمنی اور اسپین کے اخبارات نے بھی یہ کارٹون شائع کر کے مسلمانوں سے کھلی جنگ کا اعلان کر دیا۔

27/جنوری 2006ء کو جمعۃ المبارک کے خطبوں میں حرمین شریفین کے آئمہ کرام نے مسلمانان عالم سے درخواست کی کہ وہ ڈنمارک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کر دیں۔ ردعمل میں سب سے پہلے سعودی عرب نے بائیکاٹ شروع کیا۔ یاد رہے کہ ڈنمارک عرب ممالک کو دو چیزیں بڑی مقدار میں سپلائی کرتا ہے حلال گوشت اور ڈیری کی مصنوعات۔ ڈنمارک یورپ کا واحد ملک ہے جو اربوں ڈالر کا خشک اور مائع دودھ، دہی، پنیر، مکھن، لسی اور بالائی برآمد کرتا ہے۔ ڈنمارک صرف متحدہ عرب امارات کو 3 بلین ڈینش کراؤن کی ڈیری مصنوعات صرف ایک کمپنی آرلے (ARLY) کے ذریعے فروخت کرتا ہے جبکہ سعودی عرب میں سالانہ 350 ملین ڈالر کا مکھن اور دودھ فروخت کرتا ہے لیکن آفرین ہے سعودی عرب کے عوام پر کہ آئمہ حرمین شریفین کے اعلانات کے بعد اسٹورز کے مالکان نے ساری

مصنوعات اٹھا کر گلیوں میں پھینک دیں۔ سعودی عوام نے بھی یہ سب مصنوعات فریجوں اور درازوں سے نکالیں اور ضائع کر دیں۔ ڈنمارک کی حکومت کے جاری کردہ اعداد وشمار کے مطابق صرف ایک ہفتے کے دوران ڈنمارک کی کمپنیوں کو اڑھائی ملین ڈالر کا نقصان ہوا جو ایک بہت بڑی رقم ہے۔ یہاں ایک امر قابل توجہ ہے کہ یورپ کا موجودہ معاشرہ مادہ پرست ہے اور اس کی بنیاد سرمایہ دارانہ نظام پر ہے یا یہ کہہ لیں کہ یورپ کی جدید تہذیب کی جان سرمائے کے طوطے میں ہے۔ جونہی ہم اس طوطے کی گردن پہ ہاتھ ڈالیں گے تو یورپ کو اپنی موت نظر آنے لگے گی اور وہ یقیناً پسپائی اختیار کرے گا۔ عالم اسلام میں اس وقت اتحاد و یکجہتی کی جو حوصلہ افزا صورت دکھائی دیتی ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ عالم کفر کو اخلاقی اور سیاسی طور پر پسپائی پر مجبور کر دے گا۔ عرب ممالک نے پہلی بار کھل کر یورپ کے رویے کے خلاف باضابطہ احتجاج ریکارڈ کروایا ہے اور اس کا سماجی واقتصادی بائیکاٹ کر کے اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا ہے۔

ایک اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ مغربی میڈیا اور باطل قوتیں اس عظیم المرتبت ہستی کے بارے میں لب کشائی کر رہے ہیں جو انسانیت کی نجات دہندہ ہے احترام آدمیت کی علمبردار ہے۔ مظلوموں، یتیموں، بیواؤں، غریبوں اور غلاموں کے حقوق کا پاسبان ہے وہ تمام کائنات کے لئے رحمت مجسم بن کر آئے ہیں۔ اعلیٰ اخلاق اور عظیم کردار کے مالک ہیں ان کی رحمت وشفقت کی جھلک دیکھنے کے لئے صرف چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:-

☆ جب کفار مکہ پر قحط سالی نے ڈیرہ ڈالا اور وہ روٹی پانی کو محتاج ہو گئے تو نبیِ رحمت علیہ التحیۃ والسکینت نے ان کے لئے سامانِ خورد ونوش بھاری مقدار میں بھجوایا اور غریبوں کے لئے نقد رقم بھی دی حالانکہ انہوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور آپ کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) پر ظلم وستم کی انتہا کر دی تھی۔

☆ غزوہ بدر میں جنگی قیدی بنائے جانے والے کافروں کو رسیوں سے باندھا گیا تھا۔ رات کو درد کی شدت اور جکڑے جانے کی تکلیف سے ان کی چیخیں نکلنے لگیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی چیخوں کی آواز نے بے چین کر دیا اور آپ نے رات کو ان کی مُشکیں کھلوا دیں حالانکہ یہ

وہ رنگروٹ تھے جو مسلمانوں کو تہہ تیغ کرنے کی نیت سے مکہ سے آئے تھے۔

☆غزوہ بدر کے موقعہ پر جنگی قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ سامنے آیا تو آپ نے اپنی رحمت للعالمینی کا ثبوت دیتے ہوئے ان کو معمولی سے جزیے پر چھوڑنے کا حکم دیا۔ جو جزیہ دینے کی استطاعت نہ رکھتے تے ان کو اہل مدینہ کو تعلیم وتدریس کے صلے میں رہائی کا پروانہ ملا۔ بنو ہوازن کے چھ ہزار قیدی نبی رحمت علیہ التحیہ والسکینت کے ایک اشارے پر رہا کر دیئے گئے۔آپ چاہتے تو ان کو غلام بنا لیتے یا ان کے سر قلم کرنے کا حکم دیتے۔ آپ پر ظلم وستم کرنے والے تمام کفار فتح مکہ کے موقعہ پر سر جھکائے اپنی گردنیں اُڑائے جانے کے حکم کے منتظر تھے لیکن رحمۃ للعالمین (ﷺ) نے اپنی شان کریمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کو عام معافی دے دی۔انسانیت سے بے پناہ محبت کا ثبوت دیا۔

☆ رحیم وکریم اور شفیق و ہمدرد ذات والا صفات کے بارے میں رائے زنی کرنا اوران کی شان میں گستاخیوں کی جسارت کرنا دراصل خبث باطن اور بہیمانہ خصلت کا اظہار ہے اور ایسا شخص یقیناً بڑی سے بڑی سزا کا حقدار ہے اس سے درگزر کرنا یا معاف کرنا بزدلی اور اور کم ہمتی کا اظہار ہے۔

☆اللہ تعالیٰ نے نبی رحمت سیدنا محمد (ﷺ) کو بنی نوع انسان کا نجات دہندہ‘ تمام کائنات کے لئے مصلح اور امن وسلامتی کا پیامبر بنا کر بھیجا ہے۔آپ نے وحی خدا کی روشنی میں ہم مسلمانوں کو ایمان کی دولت سے مالا مال کیا۔ ہمیں قرآن مجید جیسی معجزہ نما کتاب دی جو الحمد سے والناس تک پیام رشد وہدایت ہے۔ ہمارے قلوب کا تزکیہ اور ہماری روحوں کی طہارت کا اہتمام کیا۔ہمیں دنیا میں عزت اور وقار کے ساتھ رہنے کا شعور بخشا اور آخرت میں فلاح ونجات کی ابدی نعمت سے فیض یاب ہونے کا عرفان عطا کیا۔آپ نے ایک جانب ہمیں اپنی ذات کا عرفان اور ادراک دیا تو دوسری جانب خالق کائنات پروردگار عالم رب ذوالجلال سے شناسائی اور

رسائی عطا کی۔ایسی ذات پرانوار سے محبت اورعشق ہمارا فریضہ ہے۔خود صاحب قاب قوسین سید الثقلین (ﷺ) نے اپنی محبت والفت کا درس دیا ہے۔

☆حضور اکرم(ﷺ) کا ارشاد ہے:''تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ'اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں''۔(بخاری)

☆ایک بار سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ مجھے میری جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ پیارے ہیں۔آپ نے ارشاد فرمایا:''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بڑھ کر پیارا نہ ہوجاؤں۔یہ سن کرسیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے' آپ مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہیں''۔حضور پاک (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: اب تمہارا ایمان مکمل ہوا ہے۔(بخاری)

ایسی رؤف ورحیم اور شفیق ہستی کے کچھ حقوق ہم امتیوں پرواجب ہیں جن کی بجا آوری ہمارا سب سے اول اوراہم ترین کام ہے۔ان حقوق کواس طرح سے بیان کیا جاسکتا ہے:-

☆پہلاحق	عشق رسول(ﷺ)
☆دوسراحق	اتباع اوراطاعت مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء
☆تیسراحق	تعظیم وتوقیر مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء
☆چوتھاحق	نبی کریم (ﷺ) کی عزت اوروقار کی حفاظت
☆پانچواں حق	درودوسلام بھیجنا
☆چھٹاحق	مدینہ منورہ سے قلبی محبت
☆ساتواں حق	آپ کے اہل بیت سے محبت

نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی عزت وناموس اوروقار کی حفاظت' ہم پر نبی رحمت علیہ التحیہ والسکینت کا ایک اہم حق ہے' جسے ہر حال میں بجالانا ہمارا دینی فریضہ ہے۔قرآن

مجید نے جابجا بارگاہ نبوت کے آداب سکھائے ہیں اور پھر ان کی حفاظت کا طریقہ بھی بیان کیا ہے۔

☆ بے شک جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور اللہ نے ان کے لئے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (احزاب:57)

☆ اے ایمان والو! رَاعِنَا نہ کہو' بلکہ یوں عرض کرو کہ حضور! ہم پر نظر کرم فرمائیں اور پہلے ہی غور سے سنا کرو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

(البقرہ:104)

☆ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے گستاخوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں معافی کی گنجائش قطعاً نہیں ہے۔ ان کے لئے ایک جیسا ہے کہ تم ان کے لئے معافی چاہو یا نہ چاہو' اللہ ان کو ہرگز نہ بخشے گا' بے شک اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔ (المنافقون:5-6)

☆ ایک بدبخت کافر ولید بن مغیرہ نے نبی کریم (ﷺ) کی شان میں گستاخی کی' اللہ تعالیٰ نے اس کے نو (9) عیب گنوا دیئے: ''اور ہر ایسے کی بات نہ سننا جو بہت قسمیں کھانے والا' ذلیل' بہت طعنے دینے والا' اِدھر اُدھر کی لگانے والا' بھلائی سے روکنے والا' حد سے بڑھنے والا' گنہگار' جھگڑالو اور حرام کا تخم ہے''۔ (القلم:10-13)

ان میں سے آٹھ عیب تو اس کو معلوم تھے لیکن حرام کا نطفہ ہونے کا اسے پتہ نہ تھا۔ وہ ننگی تلوار لئے اپنی ماں کے پاس پہنچ گیا اور کہنے لگا کہ ماں مجھے حقیقت بتا۔ ماں نے کہا کہ تو واقعی حرام کا تخم ہے۔ تیرا باپ نامرد تھا' تو ایک چرواہے کی اولاد ہے۔

پتہ چلا کہ رسول اکرم (ﷺ) کا گستاخ' اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت ذلیل اور مردود ہے۔

☆ مومن کا دل نبی رحمت شفیع امت علیہ التحیہ والسکینت کی محبت والفت اور

ادب و احترام کا گنجینہ ہے۔ یہ چراغ نہ جلے تو ایمان کی ضوء کا تصور محال ہے۔ اسی طرح رسول اکرم (ﷺ) کے گستاخ سے میل جول رکھنا یا اس کے بارے میں نرم گوشہ یا ہمدردی کے جذبات دل میں رکھنا' ایمان کی کمزوری اور عقیدے کی ناپختگی ہے اور اس کو قتل کر کے کیفر کردار تک نہ پہنچانا ایک ناقابل معافی فعل ہے۔ پوری امت مسلمہ کے نزدیک شانِ رسالت میں گستاخی کرنے والے شخص کی سزا صرف اور صرف موت ہے' خواہ وہ مسلمان ہو' کافر یا مشرک۔ اور یہ سزا قرآن وسنت کے عین مطابق ہے۔ اگر یہ جرم ثابت ہو جائے تو پھر اس پر ''قتل کی حد'' لگانے کے علاوہ اور کوئی سزا نہیں دی جا سکتی۔ خود نبی کریم رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ میں اگر کسی ملعون نے گستاخی کی اور آپ نے اسے معاف کر دیا ہو تو یہ آپ کے خلق عظیم کی شان اور رحمت للعالمین کے وصف کا اظہار ہے لیکن امت میں سے کسی شخص کو خواہ وہ غوث' قطب' مفتی اور محدث کیوں نہ ہو' یہ اختیار نہیں کہ وہ اس سزا میں تخفیف کر سکے۔ یہ تو صرف سرکار دو عالم (ﷺ) کا حق ہے' آپ معاف فرما دیں تو آپ کی مرضی۔ اگر امت ایسا کرے تو یہ عدل وانصاف یا حسن اخلاق نہیں بلکہ بزدلی' بے غیرتی اور بے حمیتی ہے۔

☆ یہاں یہ بات محل نظر رہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گستاخ ایک جانب تو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب (ﷺ) کو ایذا پہنچاتا ہے تو دوسری جانب وہ کروڑوں اربوں مسلمانوں کے دلوں کے آبگینے کو چور چور کرتا ہے۔ ایسے شخص کو موت کے گھاٹ اتارنا مبنی بر انصاف ہے بلکہ ممکن ہو تو اسے بار بار موت کی کند چھری سے ذبح کیا جانا چاہئے۔ اگر ایک انسان کے قتل میں قصاص کے طور پر قاتل کو موت کے گھاٹ اتارنا جائز ہے' اگر ایک انسان کو حاکم وقت کے اقتدار کے خلاف سازش کرنے کی پاداش میں تختہ دار پر چڑھایا جا سکتا ہے' اگر ایک انسان کو مملکت سے غداری کے جرم میں پھانسی دی جا سکتی ہے' اگر ایک انسان کو دشمن

ریاست کی اعانت یا اپنے وطن کے رازوں کی چوری پر سزائے موت کا حقدار سمجھا جا سکتا ہے تو پھر ایک ارب سے زائد مسلمانوں کی دل آزاری کے مرتکب افراد کو بدرجہ اولیٰ زندگی کی نعمت سے محروم کرنا عین عدل اور انصاف ہے۔

☆فقہائے اسلام، محدثین اور مفسرین کرام نے ہمیشہ سے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخ کو موت کی سزا دینے کا فیصلہ صادر کیا ہے اور پوری مسلم امہ کے فقہاء کے نزدیک یہ متفقہ امر ہے کہ ایسے گستاخوں کا سر قلم کر دیا جائے۔ تمام مسلم ممالک اور حکومتوں کو ایسی یورپی ممالک کا اقتصادی اور معاشی بائیکاٹ کرنا چاہئے، جنہوں نے یہ دل آزار کارٹون شائع کئے ان ممالک میں سب سے پہلا نام ڈنمارک کا ہی آتا ہے۔

☆اسلامی کانفرنس کی تنظیم باضابطہ طور پر اس مذموم فعل کے مرتکب افراد پر مسلم عدالتوں میں مقدمہ چلائے۔ اس مقصد کے لئے خصوصی عدالتیں تشکیل دی جائیں جن میں عالم اسلام کے مایہ ناز اور مستند جسٹس صاحبان شامل ہوں۔ یہ مقدمات اسلامی قوانین کی رو سے چلائے جائیں اور مجرموں کو قرار واقعی سزا دی جائے تا کہ آئندہ یورپ کے کسی متعصب فرد کو شان رسالت میں گستاخی کی جرأت نہ ہو سکے۔

☆اسلامی کانفرنس کی تنظیم یورپی یونین اور امریکہ سے مطالبہ کرے کہ وہ آئندہ اس طرح کی حرکات کے تدارک کے لئے قانون سازی کرے اور اظہار رائے کی آزادی کے نام پر کسی کی قلبی یا روحانی دل آزاری کرنے پر قدغن لگائے تا کہ تہذیبوں کے تصادم کا جو خطرہ مستقبل قریب میں نظر آ رہا ہے وہ حقیقت کا روپ نہ دھار سکے۔

☆یورپی ممالک سے سفارتی تعلقات فوری طور پر منقطع کر کے اس اہم مسئلے کو اقوام متحدہ اور عالمی عدالت انصاف کے پلیٹ فارم پر اٹھایا جائے اور تمام وسائل بروئے کار لاتے ہوئے مغربی استعماری قوتوں کو دیوار کے

ساتھ دھکیل دیا جائے۔ اگرچہ چند ممالک نے یہ کام کیا ہے لیکن اس کی شدت زیادہ نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ جس طرح شاہ فیصل مرحوم نے تیل کا ہتھیار استعمال کر کے اسرائیل کے حواریوں کو ناکوں چنے چبوائے تھے، یہی ہتھیار پھر سے استعمال کیا جائے۔

☆ عوامی سطح پر انفرادی جذبے بھی بے حد کارآمد ہیں جنہیں بروقت اور صحیح انداز میں استعمال کر کے ہم اپنی ذمہ داری ادا کر سکتے ہیں۔

☆ جو بھی قدم اٹھایا جائے باہمی مشاورت اور علماء دین اور دانشورانِ ملت کی راہنمائی میں اٹھایا ہے۔

☆ ناموس رسالت کے تحفظ کے لئے احتجاجی مظاہروں اور ریلیوں کو قانونی اور آئینی حدود کے اندر رہتے ہوئے منعقد کیا جائے۔

☆ کسی قسم کی اشتعال انگیزی، شرپسندی یا جلاؤ گھیراؤ کا قدم نہ اٹھایا جائے۔ سرکاری یا نجی املاک کو کسی قسم کا نقصان پہنچانا انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے اور یہ ہمارے مشن کی بدنامی کا باعث ہے اس سے ہر ممکن احتراز کریں۔

☆ ڈنمارک کی تمام مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کریں۔

☆ اپنے مظاہروں اور جلسوں میں مغربی استعمار کی سازشوں کو بے نقاب کریں جو وہ اسلام، قرآن مجید اور صاحب قرآن (ﷺ) کی شان کم کرنے کے لئے کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح یورپ کی اسلام دشمنی کا بھانڈا پھوڑ دیں۔

☆ ہمارے آس پڑوس میں رہنے والی اقلیتیں ہماری پناہ میں ہیں۔ ان کی عبادت گاہوں، جائیدادوں اور جان و مال کا تحفظ ہماری دینی و ملی ذمہ داری ہے لہذا ان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں۔

☆ ان حالات میں جبکہ دشمن طاقتیں نبی کریم رؤف و رحیم (ﷺ) کی شان وعظمت کو خدانخواستہ گھٹانے کے لئے کوشاں ہیں۔ ہم مسلمان جو اپنی گردنوں میں غلامی رسول (ﷺ) کا پٹہ ڈالے ہوئے ہیں اور عظمت رسول کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے تیار ہیں، ہماری یہ ذمہ

داری ہے کہ عشق رسول (ﷺ) کا عملی نمونہ پیش کریں۔ احتجاجی ریلیوں کے ساتھ ساتھ گھر گھر محافل میلاد کا انعقاد کریں۔ ہمارے لبوں پر چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے آقائے نامدار سید الابرار (ﷺ) کی ذات بابرکات پر درود وسلام کے نغمے مچل رہے ہوں۔ کثرت سے درود شریف کا ورد کریں اور گھروں مسجدوں اور اپنے اداروں میں درود و شریف کے پڑھنے کا اہتمام کریں۔ اپنے بچوں' گھر والوں اور دوست احباب کو اپنے پیارے نبی کی شان وعظمت اور مقام ومرتبہ سے آگاہ کریں۔ خود بھی سیرت کی کتب کا مطالعہ کریں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔ نیز اسوہ مصطفےٰ علیہ التحیہ والثناء کو زندگی کے ہر ہر قدم پر اپنائیں اور اپنا ہر فعل تعلیمات نبوی کی روشنی میں سرانجام دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عشق رسول (ﷺ) کی دولت سے مالا مال فرمائے اور ہماری زندگیوں کو سیرت رسول (ﷺ) کے مطابق ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)



قرآن مجید کے فضائل اور آداب

تہذیب نو کے نام نہاد علمبرداروں، دورِ حاضر کے ناخداؤں اور وقت کے چنگیزوں اور ہلاکوؤں نے اپنی شاطرانہ چالوں، مکارانہ پالیسیوں اور ظالمانہ منصوبوں کی بدولت آج مسلمانانِ عالم کو اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔ اسلام ان کے دلوں میں کانٹے کی طرح چبھ رہا ہے۔ کروسیڈ (Crusade) سوچ کے حامل اور صلیبی جنگوں جیسی ذہنیت کے مالک یہ عناصر مسلمانوں کو قتل عام کے ذریعے صفحۂ ہستی سے مٹانے پر تلے ہوئے ہیں اور اسلام کے سرسبز و شاداب چمن زار کو آتش و بارود کے دھوئیں سے خاکستر کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ مظلوم مسلمانوں کو تہہ تیغ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ شعائر اسلامی کی تضحیک اور اسلامیانِ عالم کی دل آزادی کی کوئی نہ کوئی صورت ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ ماضی قریب میں انہی باطل قوتوں کی شہہ پر سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے راندۂ درگاہ اور بدبخت لوگوں کے ذریعے نبی کریم رؤف و رحیم سیدنا محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی شان اقدس میں گستاخی کی جرأت کی گئی اور ان کے اہل بیت کی کردار کشی کی کوشش کر کے مسلمانانِ عالم کی روح پر چرکے لگائے گئے۔ پھر عیسائی پادریوں اور راہبوں نے پیغمبر اسلام (ﷺ) کی شان میں گستاخی کے ساتھ ساتھ ٹروفرقان (True Furqan) کے نام سے قرآن مجید کے تقدس کو پامال کیا اور اس میں ترمیم و اضافہ کی ناکام کوشش کی۔ اب ایک قدم اور آگے بڑھتے ہوئے امریکی فوجوں کے بدبخت و متکبر رنگروٹوں نے مصحفِ قرآنی کو سیوریج میں بہایا، پاؤں تلے روندا اور یوں قرآن مجید کی عظمت و حرمت کو پامال کرنے کی کوشش کی۔

قرآن مجید جیسی مقدس اور متبرک کتاب کی بے حرمتی دراصل ہم اہل اسلام کے جذبہ ایمان کی آزمائش ہے اور ہمارے لئے یہ ٹیسٹ کیس ہے۔ باطل قوتیں یہ دیکھنا چاہتی

ہیں کہ نبی رحمت علیہ التحیہ والسکینت کے جاں نثار کہاں تک مزاحمت کر سکتے ہیں۔حرمتِ قرآن کی پامالی کے بعدان کا اگلا ٹارگٹ صاحب قرآن (ﷺ) کی عظمت وشان اور مقام و مرتبہ میں گستاخیاں اور دیارِحجاز میں واقع حرم کعبہ اور حرم مدینہ کی بے حرمتی ہے۔اس مقصد کے لئے وہ عرصۂ دراز سے سرگرم عمل ہیں۔ ہم مسلمانوں کی شیرازہ بندی' تفرقہ بازی' باہمی چپقلش' علاقائی ولسانی عصبیتیں اور سائنسی وٹیکنیکل میدانوں میں بہت پیچھے رہ جانا' یہ سب عوامل باطل طاقتوں کو آسانیاں مہیا کر رہے ہیں۔اگر آج ہمیں باطل قوتوں کی یلغار کوروکنا ہے تو متحد ومتفق ہوکر اللہ اوراس کے رسول (ﷺ) کے دامن سے وابستہ ہونا ہو گا۔قرآن مجید کے تقدس اوراحترام کو یقینی بنانا ہوگا۔اس مقالے میں ہم قرآن مجید کے فضائل اوراس کے آداب کے بارے میں کچھ تحریر کریں گے۔

قرآن مجید کے پانچ نام آئے ہیں جو یہ ہیں قرآن' فرقان' کتاب' ذکر اور نور۔۔قرآن مجید کا نام القرآن اٹھاون(58) بار' قرآن دس(10) بار اورفرقان دو(2) بارآیا ہے۔قرآن قرأت سے ماخوذ ہے۔جس کا مطلب ہے پڑھنا۔قرآن مجید کو بہت زیادہ پڑھے جانے کی وجہ سے قرآن کہتے ہیں۔قرء کا ایک معنی جمع کرنا ہے۔قرآن میں بہت سی سورتوں اور آیتوں کے جمع ہونے کی وجہ سے بھی اسے قرآن کہتے ہیں۔اسی طرح قرآن مجید کا ایک اور نام فرقان آیا ہے۔فرقان' فرق سے نکلا ہے۔فرقان کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کتاب اسلام اور کفر' حق اور باطل اور نیک اور بد کے درمیان امتیاز پیدا کرتی ہے۔

قرآن مجید ایسی بابرکت اور فضیلت والی کتاب ہے کہ اس کی تلاوت باعث برکت' اس کا دیدار باعث رحمت' اس کا فہم وادراک باعث کامیابی' اس پر عمل پیرا ہونا' باعث فوز وفلاح اوراس کے احکامات وہدایات کو دل کی گہرائیوں سے روح کی تنہائیوں تک سمو لینا باعث نجات ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو بے حد فضیلت عطا فرمائی ہے۔چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:-

☆سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن مجید کا علم حاصل کرے اور لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دے''۔(صحیح بخاری جلد2)

☆سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور رسول کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا اس کے لئے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ 'الم'' ایک حرف ہے بلکہ **الف** ایک حرف ہے **لام** ایک حرف ہے اور **میم** ایک حرف ہے۔

(جامع ترمذی' ص413)

☆سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم (ﷺ) نے فرمایا: ''بے شک اللہ کی مخلوق سے کچھ لوگ اہل اللہ ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: اہل قرآن' وہ اہل اللہ ہیں اور اللہ کے خاص بندے ہیں''۔ (سنن کبریٰ)

☆سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: ''جو شخص قرآن مجید میں ماہر ہو' وہ معزز اور بزرگ فرشتوں کے ساتھ رہتا ہے اور جس شخص کو قرآن مجید پڑھنے میں دشواری ہوتی ہو اور وہ اٹک اٹک کر قرآن پڑھتا ہو اس کو دو اجر ملتے ہیں۔ (صحیح مسلم' جلد 1)

☆سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (ﷺ) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سنو عنقریب فتنے برپا ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان فتنوں سے نکلنے کی صورت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کتاب اللہ' اس میں تم سے پہلے لوگوں کی خبریں اور تمہارے بعد والوں کیلئے پیش گوئیاں ہیں اور یہ تمہارے درمیان حکم ہے یہ (حق اور باطل کے درمیان) فیصل ہے۔ یہ بے فائدہ نہیں ہے۔ جس متکبر نے اس کو ترک کر دیا' اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا' جس نے اس کے علاوہ کسی اور چیز میں ہدایت کو تلاش کیا' اللہ تعالیٰ اس کو گمراہی میں رہنے دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے۔ یہ حکمت آمیز نصیحت ہے۔ یہ صراط مستقیم ہے۔ اس کی وجہ سے خواہشات میں کجی نہیں آئے گی۔ کسی زبان کا کلام اس سے مشابہ نہیں ہوسکتا۔ علماء اس سے کبھی سیر نہیں ہوں گے۔ بار

بار پڑھنے کے باوجود اس سے اکتاہٹ نہیں ہوگی۔ اس کے اسرار کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ جنّات نے جب اس کو سنا تو اس پر ایمان لانے میں بالکل توقف نہیں کیا اور بے ساختہ کہا: ''بے شک ہم نے حیرت انگیز کلام سنا' جو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ جس نے اس کے مطابق کہا اس نے سچ کہا۔ جس نے اس پر عمل کیا' اس کو اجر دیا گیا۔ جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا' اس نے عدل کیا۔ جس نے اس کی دعوت دی' وہ صراطِ مستقیم پر ہدایت یافتہ ہے۔ (جامع ترمذی' ص 413)

قرآن مجید ہمارے پیارے نبی کریم' رؤف و رحیم سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زندہ و جاوید معجزہ ہے۔ اگرچہ آپ نے سینکڑوں معجزات دکھائے' جیسے چاند کا شق ہونا' سورج کا عصر کے وقت پر پلٹ آنا' جانوروں کا بول اٹھنا' درختوں اور پودوں کا چل کے آنا اور سلام پیش کرنا' کنکریوں کا کلمہ طیبہ پڑھنا' پیاری انگلیوں سے آبِ طیبہ کا پھوٹ پڑنا' تھوڑے سے کھانے کا سینکڑوں افراد کے لئے کافی ہونا' زخمی آنکھ کا اصل سے بڑھ کر روشن ہونا' کٹے بازو کا لعاب دہن سے جڑ جانا' کھارے کنوئیں کے پانی کا لعاب دہن سے شہد کی مانند میٹھا ہو جانا وغیرہ۔ یہ سب معجزات نبی کریم (ﷺ) کی ظاہری حیات سے وابستہ تھے اور اس دور میں موجود لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا لیکن قرآن مجید ایک ایسا زندہ و جاوید معجزہ ہے' جس کا اعجاز آج بھی جاری و ساری ہے۔ یہ کسی انسان کی تصنیف نہیں بلکہ خالق کائنات جل جلالہ کا کلام ہے' جو روح الامین سیدنا جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے نبی محتشم (ﷺ) کے قلب اطہر پر نازل ہوا۔ اس کی مثال پیش کرنا یا اس جیسی چند آیات ہی بنا لانا' کسی انسان کے بس کا روگ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''آپ کہیے کہ اگر تمام انسان اور جن قرآن کی مثل لانے پر جمع ہو جائیں تو وہ اس کی مثال نہیں لا سکتے۔ (الاسراء:88)

''انہیں چاہیے کہ وہ اس کی مثل کوئی آیت لے آئیں اگر وہ سچے ہیں''۔ (الطّور:34)

قرآن مجید اپنی فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے بھی ایک زندہ معجزہ ہے۔ قرآن

مجید میں جو مضامین اور موضوعات بیان ہوئے ہیں' جو اسلوب استعمال ہوا ہے' جس انداز میں توحید' رسالت' قیامت' ہدایت' دنیاوی زندگی کے احکامات' حلال وحرام کے امور' نیک و بداعمال کے اجر اور سزا بیان ہوئے ہیں یا پھر انبیاء کرام کے واقعات جس طرح سے مذکور ہیں' حقائق کائنات کے بارے میں اسرار و رموز افشا کئے گئے ہیں اور ان میں غور و تدبر کی دعوت دی گئی ہے' آنے والے واقعات کی خبریں اور پیش گوئیاں ہیں یا غیب کے امور بیان ہوئے ہیں۔ ترغیب ایمان کے لئے دلائل و براہین کے انبار لگا دیئے گئے ہیں۔ یہ سب قرآن مجید کو معجزہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ سلیم الفطرت لوگوں نے اسے سنا تو وہ سنتے ہی ایمان لے آئے' جیسے سیدنا عمر فاروق ؓ صرف سورہ طٰہٰ کی چند آیات اپنی ہمشیرہ کے ہاں سن کر ایمان کی حلاوت پا گئے۔ سر نیاز خم کئے ہوئے پرنم آنکھوں کے ساتھ نبی کریم (ﷺ) کی دہلیز پر جا پہنچے اور اسلام قبول کر لیا۔

سیدنا ابوذر غفاری ؓ کا مقدر دیکھیے کہ حٰمٓ السجدہ کی ابتدائی آیات سنتے ہی مسلمان ہو گئے لیکن بعض وہ بدبخت بھی تھے جو قرآن کے معجز بیان ہونے کے قائل تھے لیکن اسے جادو یا سحر کہہ کر اپنے کفر وضلالت پر قائم رہے۔ جیسے قریش کے ایک سردار ولید بن مغیرہ نے بنو مخزوم سے کہا: میں نے ابھی (سیدنا) محمد (ﷺ) سے ایسا کلام سنا ہے جو کسی انسان کا کلام ہو سکتا ہے نہ کسی جن کا۔ اس کلام میں شہد کی شیرینی ہے اور سمندروں کی روانی ہے۔ اس کی بلندی ثمر آور ہے اور اس کی گہرائی چشموں کا منبع ہے۔ یہ کلام سب کلاموں پر فائق اور غالب ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اس کے باوجود وہ نفسانیت اور حسد سے مغلوب ہو کر یہ کہتا ہوا ایمان نہیں لایا: ''یہ وہی جادو ہے جو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے' یہ محض بشر ہی کا قول ہے۔ (المدثر:25-24)

اسی طرح ابوجہل' عتبہ اور ابوسفیان جیسے بڑے بڑے رؤساء قریش رات کے پچھلے پہر ایک دوسرے سے چھپ کر نبی پاک (ﷺ) کی زبان پاک سے تلاوت قرآن سنتے اور متحیر ہوتے لیکن ایمان کی دولت محض اپنے تکبر اور نفسانی برتری کے رویے کی وجہ سے حاصل نہ کر سکے۔

قرآن مجید کو سننے اور پڑھنے کے آداب اور احکام خود نبی کریم (ﷺ) نے وضاحت سے بیان فرمائے ہیں اور فقہائے کرام نے قرآن وسنت کی روشنی میں بعض

ضروری مسائل اس ضمن میں وضع کئے ہیں جن کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے:-

☆ قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت منہ کو ہر قسم کی بدبو سے پاک رکھا جائے منہ میں الائچی وغیرہ رکھی جائے اور عطر وخوشبو کا استعمال کیا جائے۔

☆ قرآن مجید کی تلاوت باوضو کرنا مستحب ہے لیکن اگر قرآن مجید کو چھوئے بغیر پڑھا جائے تو جائز ہے یعنی جس کو غسل کی حاجت ہو اور حائض یعنی Mensus کے دوران تلاوت کرنا حرام ہے۔ تلاوت پاک اور صاف جگہ پر بیٹھ کر کی جائے۔ مسجد بہترین جگہ ہے۔ سر ڈھانپ کر سکون، خضوع وخشوع اور ادب وتعظیم کے ساتھ بیٹھ کر قبلہ رو ہو کر تلاوت کرے۔ تنہا ہو تو بلند آواز سے لیکن اگر کوئی اور لوگ نماز یا ذکر و تلاوت میں مشغول ہوں تو پھر آہستہ تلاوت کرے۔

☆ تلاوت شروع کرنے سے پہلے ''اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم'' پڑھے۔ قرآنی آیات کے معانی اور مطالب میں سوچ بچار اور غور وفکر کرے۔ جس آیت میں شوق اور وجد آئے اسے بار بار دہرائے۔ جن آیات میں اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کا بیان ہو، ان کی تلاوت کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے خوف اور ڈر سے رونا چاہیے۔ نبی کریم (ﷺ) کی حدیث ہے۔ آپ نے فرمایا: قرآن پڑھتے ہوئے روؤ، اگر رونا نہ آئے تو کوشش کر کے روؤ۔

(سنن ابن ماجہ، ص95)

☆ قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ آہستہ آہستہ پڑھنا چاہیے۔

☆ تلاوت کے دوران باتیں نہ کرے۔ ہنسنے سے پرہیز کرے اور مکمل احترام اور تعظیم کا خیال رکھے۔

☆ قرآن مجید کی تلاوت کا سننا بعض فقہاء کے نزدیک فرض عین اور بعض کے نزدیک فرض کفایہ ہے۔ مساجد اور بازاروں میں سپیکر کے ذریعہ سے ہونے والی تلاوت مکمل غور سے سنی جائے۔ کاروبارِ زندگانی کی وجہ سے اگر لوگ تلاوتِ قرآن کریم کو غور سے سننے سے قاصر ہوں تو اس صورت

میں تلاوت باآوازِ بلند تلاوت کرنے یا کیسٹ وغیرہ کے ذریعہ تلاوت لگانے میں احتیاط کرنی چاہیے۔قرآن حکیم کی بے ادبی اور بے حرمتی سے بچنا ضروری ہے۔

☆ تلاوت کے دوران تمام تر توجہ قرآن کریم کے مصحف پر رکھی جائے۔

☆ قرآن مجید کو مصحف کی ترتیب کے مطابق پڑھے مثلاً پہلے سورہ فاتحہ پھر سورہ البقرہ۔۔۔۔۔الخ۔

☆ قرآن مجید کا مصحف (Written Book) سے دیکھ کر پڑھنا زبانی پڑھنے سے افضل ہے۔

☆ قرآن مجید کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ رسول اللہ (ﷺ) کا فرمان ہے:

''اپنی آوازوں کے ساتھ قرآن مجید کو مزین کرو''۔(سنن ابوداؤد)

☆ اگر کوئی شخص قرآن مجید پڑھنے والے کے پاس آئے تو بہتر ہے کہ اسے سلام نہ کرے۔اگر اس نے سلام کر دیا تو قرأت کرنے والا اشارہ سے جواب دے۔اگر زبان سے جواب دے دیا تو دوبارہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ پڑھ کر تلاوت شروع کرے۔

☆ بہتر ہے قرآن مجید کو ایک ماہ میں ختم کیا جائے اور سات دن سے کم میں ختم نہ کیا جائے۔(صحیح بخاری)

☆ ختم قرآن کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے اس وقت دعا کرنا مستحب ہے۔اہم کاموں اور عام مسلمین کی بہتری کے لئے دعا کرنی چاہیے۔سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید ختم کرتے تو گھر والوں کو جمع کر کے دعاء کرتے۔

☆ قرآن مجید یا مصحف کی تخفیف وتکذیب کرنا' اس کے کسی حرف پر انکار کرنا' اس میں قصداً کسی حکم کو کم یا زیادہ کرنا یا تحریف کرنا کفر ہے اور بغیر علم کے قرآن مجید کے معنی بیان کرنا یا اس کی تفسیر کرنا حرام ہے۔(التبیان)

☆ قرآن مجید یاد کر کے بھول جانا سخت گناہ ہے۔سیدنا سعد بن عبادہ رضی

اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے بھی قرآن مجید پڑھ کر بھلا دیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کوڑھ کی حالت میں ملے گا۔(سنن ابوداؤد)

☆قرآن مجید پڑھ کر دَم کرنا جائز ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم ہر رات کو سورہ اخلاص، سورہ الفلق اور سورہ الناس پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیوں پر دم کرتے، پھر ان ہتھیلیوں کو اپنے سر، چہرے اور جہاں تک ہاتھ پہنچتا ان ہتھیلیوں کو جسم پر پھیرتے۔
(صحیح بخاری، جلد2)

☆قرآنی آیات والے اخبارات ورسائل کا احترام بھی ضروری ہے اور اس کی بہت فضیلت ہے۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی زمین سے ایسا کاغذ اٹھائے جس میں اللہ کے ناموں میں سے کوئی نام ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا نام عِلِّیِّیْنَ (روحوں کے سب سے اعلیٰ مقام) میں درج فرمائے گا اور اس کے والدین کے عذاب میں کمی کرے گا اگرچہ اس کے والدین کافر ہی کیوں نہ ہوں۔

(مجمع

الزوائد، ص300)

☆اگر قرآنی مصحف پرانا ہو جائے تو بہتر ہے کہ اسے دفن کیا جائے۔ بہارِشریعت میں درج ہے: ''اگر مصحف شریف پرانا ہو گیا، اس قابل نہیں کہ اس کی تلاوت کی جائے اور اندیشہ ہے کہ اس کے اوراق منتشر ہو کر ضائع ہوں گے تو کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر احتیاط کی جگہ دفن کیا جائے اور دفن کرنے کیلئے (باقاعدہ) لحد بنائی جائے تاکہ اس پر مٹی نہ پڑے یا گڑھے میں رکھ کر اس پر تختہ لگا کر چھت بنا کر مٹی ڈالیں تاکہ اس پر مٹی نہ پڑے۔ مصحف شریف پرانا ہو جائے تو اس کو جلایا نہ جائے۔
(بہارِشریعت، حصہ16، صفحہ121)

☆ قرآن مجید کے تقدس اور آداب کو ملحوظ خاطر رکھنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری امر ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کو باقاعدہ معمول بنایا جائے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوا جائے۔

قرآن مجید مسلمانوں سے چند حقوق کا مطالبہ کرتا ہے:-

1۔قرآن مجید کے وحی الٰہی ہونے اور کلامِ برحق ہونے پر صدقِ دل سے ایمان لایا جائے۔

2۔قرآن مجید سے محبت کرتے ہوئے اس کی تلاوت تجوید و ترتیل کے اصولوں کے مطابق باقاعدگی سے کی جائے۔

3۔قرآن مجید کے مطالب و معانی اور مضامین کو غور سے سمجھا جائے اور آیات قرآنی میں خوب فکر و تدبر کیا جائے۔

4۔قرآن مجید کی تعلیمات کو اپنے گفتار و کردار اور افعال و اعمال میں نافذ کیا جائے اور ان پر کما حقہٗ عمل کیا جائے۔

5۔قرآن کی تعلیمات کے فروغ اور قرآنی نظام کے نفاذ کیلئے ہر ممکن جدوجہد کی جائے۔

6۔قرآن مجید کا تقدس یہ بھی ہے کہ اسے دلوں میں بسایا جائے نہ کہ طاقوں اور الماریوں کی زینت بنایا جائے یا محض ختم درود تک محدود کر دیا جائے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآنی تفہیم و ادراک کے حلقے گھر گھر قریہ قریہ قائم ہوں۔ درس قرآن مساجد سے نکل کر دفاتر اور ایوانوں تک پہنچے اور میڈیا پر محافل نغمہ و سرود کی بجائے قرآن و سنت کی محافل سجیں اور ہر طرف قرآن و سنت کے فیوض و برکات کی بہاریں نظر آئیں۔(آمین)



اسلام انسانی ہمدردی غمگساری اور غریب پروری کا دین

اسلام وہ دین ہے جو رنگ ونسل اور سیم وزر کے امتیاز کے بغیر انسانی عظمت و وقار کی پاسداری اور مخلوق خدا کی خدمت، ہمدردی، غمگساری اور شفقت و رحمت کی ترغیب دیتا ہے۔ معاشی اور معاشرتی طور پر پسماندہ، مظلوم اور بے بس و کمزور طبقوں کی کفالت اور سرپرستی کی اہمیت اسلامی تعلیمات میں بے حد زیادہ ہے۔ قرآن وسنت کی بیشتر تعلیمات اور احکامات کا تعلق اخلاقیات، معاملات اور باہمی حقوق وفرائض سے ہے۔ قرآن مجید کی آیات اور نبی کریم رؤف ورحیم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اسوہ حسنہ کا مطالعہ کیا جائے تو یوں لگتا ہے کہ حقوق اللہ اور عبادات ربانی مثلاً نماز، روزہ، حج وغیرہ کی نسبت بندگان خدا سے محبت اور ان کی تکالیف کو کم کر کے ان کو سہولیات فراہم کرنے کی اہمیت زیادہ ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ''نیکی یہی نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ، قیامت کے دن، فرشتوں، آسمانی کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے اور اس کی محبت میں مال صرف کرے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، راہگیروں پر اور گردنوں کے آزاد کردینے میں۔۔۔'' (سورہ البقرہ:177)

مخلوق خدا سے محبت اور اس کی کفالت وسرپرستی کا سبق ہمارے نبی کریم (ﷺ) نے کس خوبصورت انداز میں دیا ہے: ''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اس لئے اللہ کے نزدیک سب مخلوق میں زیادہ محبوب اور پسندیدہ وہ ہے جو اس کے کنبے سے نیکی کرے۔ (مشکوۃ)

نماز، روزہ، قیام اللیل، نوافل وغیرہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور قربت کے حصول کا

ذریعہ ہیں لیکن رضائے الٰہی کے حصول کا شارٹ کٹ راستہ اور طریقہ، خلق خدا کی خدمت اور غمگساری وہمدردی ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی ایک اور حدیث مبارکہ ہے:

''وہ آدمی جو بیوہ عورتوں محتاج اور مسکین لوگوں کی بہتری کیلئے بھاگ دوڑ کرتا ہے وہ اللہ کے راستے میں سعی (جہاد) کرنے والوں کی مانند ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ محتاجوں اور مسکینوں کیلئے سعی کرنے والا آدمی ہمیشہ رات کو قیام کرنے والے اور ہمیشہ دن کو روزہ رکھنے والے شخص کی مانند ہے۔

(مشکوۃ شریف)

مفلس، نادار اور بھوک پیاس کے مارے آدمی کی حاجت پوری کرنے کا اجر کتنا زیادہ ہے، اس حدیث مبارکہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

''جس مسلمان نے کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلایا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا، جس مسلمان نے کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں پانی پلایا تو اللہ اس کو قیامت کے دن مہر بند (پاکیزہ) شراب پلائے گا''۔

صاحبِ ثروت اور دولت مند مسلمانوں کو اپنا مال وزر غریب ومفلس مسلمانوں پر خرچ کرنے پر اسلام نے بہت زور دیا ہے۔ نبی اکرم شفیع معظم سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء کا ارشاد مبارک ہے:

''دو (2) ہی آدمی رشک کے قابل ہیں، ایک وہ جسے اللہ نے قرآن کا علم دیا تو وہ اسے پڑھتا پڑھاتا اور اس پر عمل کرتا ہے رات کے اوقات میں بھی اور دن کے اوقات میں بھی اور دوسرا شخص وہ ہے جس کو اللہ نے مال دیا، جسے وہ رات اور دن کے اوقات میں صحیح جگہ پر خرچ کرتا ہے''۔

اسلام میں غلاموں، باندیوں اور ملازموں کا کتنا خیال رکھا گیا ہے، اس سلسلے میں حدیث مبارکہ ملاحظہ کیجئے:

سیدنا ابوہریرہ راوی ہیں کہ حضور اکرم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا ''تمہارے غلاموں

کا تم پر یہ حق ہے کہ انہیں کھانا پانی دو اور کپڑے پہناؤ اور ان پر کام کا اتنا ہی بوجھ ڈالو جتنا وہ اٹھا سکتے ہیں اور اگر بھاری کام ان سے کراؤ تو تم ان کی مدد کرو اور اے اللہ کے بندو! ان لوگوں کو جو تمہاری طرح اللہ کی مخلوق تمہاری طرح انسان ہیں عذاب اور تکلیف میں مت مبتلا کرو۔

یتیم بچے وہ قابل محبت وشفقت لوگ ہیں جو اوائل عمر ہی سے باپ کی سرپرستی یا ماں باپ کی دونوں کی الفت ومودت سے محروم ہو جاتے ہیں ان کی کفالت سارے معاشرے کا فرض ہے کیونکہ وہ باپ کی طبعی محبت' لطف وعنایت' حفاظت ونگہبانی اور ہمہ وقتی سرپرستی سے محروم ہونے کے بعد صرف اللہ تعالیٰ کی کفالت اور نگہداشت میں آ جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ولی و مربی ہے اب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ کون ہے جو اس حاجت مند بچے کا سرپرست بنتا ہے اسی لئے اس کا اجر وثواب بھی بہت زیادہ ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے مسلمانوں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم زیر کفالت ہو جس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کا بدترین گھرانہ وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو مگر اس کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہے۔ (مشکوۃ شریف)

ایک اور حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح اکٹھے اور برابر ہوں گے جس طرح یہ دو انگلیاں ہیں (اور پھر دو انگلیوں کو ملا کر دکھایا)''۔ (ترمذی شریف)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری زندگی انسانی ہمدردی' غریب پروری' ضرورت مندوں' حاجت مندوں' غریبوں' مسکینوں' کمزوروں' بے آسرا اور بے سہارا لوگوں اور معاشی ومعاشرتی طور پر پسماندہ طبقوں سے محبت اور عملی طور پر ان کی حاجت روائی میں گزری آپ کا حال یہ تھا کہ جب تک مصیبت زدہ کی مصیبت دور نہ کر دیتے' مظلوموں کو ظلم سے نجات نہ دلا دیتے' بھوکے کو کھانا اور ننگے کو کپڑا نہ پہنا لیتے' مقروض لوگوں کی ادائیگی قرض کا انتظام نہ کر لیتے' یتیموں اور بے سہارا بیواؤں کی کفالت کا مناسب بندوبست نہ کر دیتے اور مسافر و بے وطن لوگوں کے قیام وطعام کا اہتمام نہ کر دیتے' آپ کو سکون نہ ملتا تھا۔ بعثت نبوت سے قبل بھی یہ اوصاف حمیدہ آپ کی سیرت کا حصہ تھے اور ختم نبوت کا تاج سر پر سجا لینے کے بعد یہ خصال جمیلہ اور بھی کمال کے ساتھ اثر پذیر ہوئے۔ گھر والوں سے

بڑھ کر سچی گواہی بھلا کسی اور کی کیوں کر ہو سکتی ہے۔ غار حرا میں پہلی وحی کے نزول کے بعد جب آپ اپنے گھر آئے تو ام المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے، جو پندرہ سال سے آپ کی شریک حیات تھیں، یہ کہہ آپ کو اطمینان دلایا: ہرگز نہیں، قسم اللہ کی، وہ آپ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے آسرا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، فقیر لوگوں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی وجہ سے پہنچنے والے مصائب میں اہل حق کی مدد کرتے ہیں''۔

(صحیح بخاری)

سیدنا جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ کچھ لوگ ننگے پاؤں، ننگے جسم، دھاری دار چادریں پہنے اور تلواریں لٹکائے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان لوگوں کا تعلق قبیلہ مضر سے تھا۔ ان کے فقر و فاقہ اور غربت و خستہ حالی کو دیکھ کر آپ کا چہرہ مبارک پریشان ہو گیا۔ آپ بے چینی کے ساتھ کبھی اندر تشریف لے جاتے اور کبھی باہر تشریف لے آتے۔ پھر آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ نماز کے بعد آپ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور قرآن مجید کی مقدس آیات پڑھنے کے بعد لوگوں کو اپنے ان مفلس و حاجت مند بھائیوں کی مدد کی ترغیب دی۔ آپ نے فرمایا کہ ہر آدمی، چاہے اس کے پاس ایک ہی دینار ہو یا ایک ہی درہم ہو یا ایک ہی کپڑا ہو، یا ایک ہی صاع گندم یا کھجور کا ہو، اس میں سے صدقہ کرے حتی کہ اگر اس کے پاس ایک کھجور ہے تو کھجور کے ٹکڑے سے ہی اپنے بھائیوں کی مدد کرے۔ آپ کا فرمانا تھا کہ لوگ گھروں کو دوڑ پڑے اور حسب توفیق چیزیں لانے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں کپڑوں اور کھانے کی اشیاء کے دو ڈھیر لگ گئے۔ صحابہ کرام ؓ کے اس جذبہ ہمدردی و غمگساری کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت مسرور ہوئے اور بقول راوی میں نے دیکھا کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور خوشی سے یوں کھل اٹھا گویا وہ چمکتا ہوا سونے کا ایک ٹکڑا ہے۔

محبت و شفقت، ہمدردی اور غمگساری کا سب سے اول حقدار یقیناً ہمسایہ اور پڑوسی ہوتا ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑوسی کے حقوق کا خیال خاص طور پر رکھنے پر زور دیا ہے۔ عمرو بن شعیب کے دادا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: جس نے پڑوسی سے اپنے گھر والوں اور مال کے بارے میں خطرہ محسوس کیا اور دروازہ بند کر کے سویا تو ایسا پڑوسی مومن نہیں ہے اور وہ بھی مومن نہیں ہے جس کا پڑوسی اس کے ظلم اور دست درازی سے محفوظ نہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ پڑوسی کا حق کیا ہے اگر وہ مدد کا طالب ہو تو اس کی مدد کرو اگر وہ قرضہ مانگے تو اس کو قرضہ دو' اگر وہ فقر و فاقہ کا شکار ہو تو اس کو نفع پہنچاؤ' اگر وہ بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کرو' اگر کوئی خوشی اس کو حاصل ہو تو مبارکباد دو' مصیبت میں گرفتار ہو تو صبر کی تلقین کرو' اگر وہ مر جائے تو اس کے پیچھے قبرستان تک جاؤ' اس کے گھر سے اونچا گھر بنا کر اس کے گھر کی ہوا نہ روکو' البتہ اگر وہ اجازت دے تو اپنا گھر اونچا کر سکتے ہو تم اپنے ہانڈی کے گوشت کی خوشبو سے اس کو تکلیف مت پہنچاؤ' اِلّا یہ کر اس کے گھر بھی بھیجو۔ اگر اپنے بچوں کے لیے میوے خرید و تو اس کے یہاں بھی بھجواؤ۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اپنے گھر میں چپکے سے لاؤ اور تمہارے بچے میوے لیکر کھاتے ہوئے باہر نہ نکلیں ورنہ تمہارے غریب پڑوسی کے بچے غمگین ہوں گے اور کڑھن محسوس کریں گے۔ (فرامین رسول' صفحہ 152)

الغرض اسلام غریبوں' مفلسوں' ناداروں اور حاجت مندوں کی عملی استعانت اور یتیموں' بیواؤں اور بے سہاروں کی کفالت' مسافروں' راہگیروں' ملازموں' پسماندہ لوگوں اور پڑوسیوں کی غمگساری اور خیر خواہی کی تعلیم دیتا ہے۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تلخ حقیقت کی جانب توجہ مبذول کراتے ہوئے لکھا ہے: ضرورت مندوں اور فقراء پر پیسہ خرچ کرنا زیادہ ضروری' افضل اور اعلیٰ ہے' مساجد اور ان کی زینت پر پیسہ خرچ کرنے سے۔

(احیاء العلوم)

ہمارے معاشرے میں نیکی اور بھلائی کا معیار الٹ سمجھا جاتا ہے مساجد اور دینی مدارس کی تعمیر و مرمت اور ان کی تزئین و آرائش پر کروڑوں روپیہ خرچ کر دیا جاتا ہے حالانکہ یہی رقم یا اس کا کچھ حصہ غریبوں' مسکینوں اور ضرورت مندوں کی استعانت اور حاجت روائی پر خرچ کیا جائے تو اللہ کے ہاں زیادہ مقبول ہے کیونکہ بقول امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ: ''تیرا کسی مسلمان آدمی کے دل کو خوش کرنا' کسی غمزدہ کی امداد کرنا' کسی کی تکلیف رفع کر دینا یا کسی کمزور آدمی کی اعانت کرنا' سو مرتبہ نفلی حج ادا کرنے سے افضل ہے''۔

....☆☆..

اسلامی معاشرت کے ابدی ولافانی اصول

اسلام دین کامل ہے۔قرآن مجید کے احکامات اور حضور اکرم تاجدار عرب وعجم سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات زندگی کے ہر گوشے کا احاطہ کرتی ہیں اور بندۂ مومن کو صراط مستقیم اور دنیاوی فلاح و اخروی نجات کی شاہراہ پر گامزن کرتی ہیں۔ قرآن وحدیث میں روحانی پاکیزگی،تزکیۂ نفس،عبادتِ الٰہی کے ساتھ ساتھ انسانوں کے باہمی حقوق وفرائض اور معاشرے میں پر امن اور کارآمد شہری بننے کے لئے جو آدابِ معاشرت اور رموزِ تہذیب وتمدن درکار ہیں ٔان کی نشاندہی بھی بخوبی کی گئی ہے اور ایک ایسی گائیڈ لائن دے دی گئی ہے جس کو اپنا کر معاشرہ میں امن وراحت اور سماجی فلاح و بہبود کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ایک ایسا روڈ میپ دے دیا گیا ہے جس پرعمل پیرا ہو کر منزل مراد تک پہنچا جا سکتا ہے۔

اسلام نے جن ابدی اور لافانی اصولوں کی طرف راہنمائی کی،قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے ان پرعمل پیرا ہو کر ایک ایسا منفرد اور ترقی یافتہ معاشرہ تشکیل دیا جس میں عدل وانصاف کا دور دورہ تھا۔ باہمی عزت واحترام تھا۔ ہر فرد کو اس کے حقوق تک بآسانی رسائی تھی۔کذب وافتراء کا فور تھا۔حق وصداقت کا نور ہر طرف اُجالا کرتا تھا،امانتوں میں خیانت کا تصور تک نہ تھا،ناپ تول کا پورا اہتمام تھا،جو مال تجارت جیسا تھا ویسا ہی بتا کر فروخت کیا جاتا تھا،باہمی رنجشیں اور عداوتیں ضبط نفس،احساس تشکر اور غصہ کو پی جانے کی عادات کی وجہ سے کم سے کم تھیں۔انہی اوصاف حمیدہ اور خصائل عظمیٰ کی بدولت وہ لوگ زمانے کے امام تھے اور جب ان اعلیٰ عادات وروایات کو فراموش کر دیا تو قعرِ مذلت میں جا گرے۔تہذیب وترقی کی موجودہ تاریخ اور معاشرتی عروج وزوال کا بغور مطالعہ کیا جائے

تو یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ آج کے دور کی ترقی یافتہ اقوام اور دنیا کو اپنے ہاتھ سے نچانے والے گروہوں نے دراصل اپنی سماجی اقدار اور معاشرتی روایات میں انہی اصولوں کو اپنا رکھا ہے جو کبھی مسلم معاشرے کا طرۂ امتیاز تھے اور جن کی بنیاد قرآن مجید اور سنت مصطفویؐ ہے۔ حسن معاشرت کی اعلیٰ روایات درحقیقت ہمارا زیور ہے جو ان کے حسن کو چار چاند لگا رہا ہے۔ یہ ہمارا چشموں کا پانی ہے جو ان کے چمنستانوں کو سرسبز و شاداب بنائے ہوئے ہے۔ یہ ہماری بادِ بہاری ہے جو ان کے مرغزاروں کو جنت نظیر بنائے ہوئے ہے۔

آیئے! ذرا سوچ بچار کریں اور دیکھیں کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی تعلیمات کیا ہیں، مغربی اقوام نے ان کو کیسے اپنا رکھا ہے اور ہم ان تعلیمات کو کس انداز میں پس پشت ڈالے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور لوگوں سے اچھی بات کہو''۔ (القرآن)

فرمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

''قیامت کے دن تم میں سے میرے لئے سب سے زیادہ پسندیدہ اور مجلس میں زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سب سے زیادہ خوش اخلاق، نرم مزاج، انس کرنے والے اور انس کے قابل ہوں گے اور سب سے زیادہ قابل نفرت اور مجلس میں مجھ سے دور ہوں گے جو منہ پھٹ، باچھیں کھول کر بات کرنے والے اور گلا پھاڑ کر بات کرنے والے ہوں گے''۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے: ''ایمان میں وہی مومن کامل ترین ہے جو اخلاق میں سب سے بہترین ہو۔ (حدیث)

مغربی معاشرے کو لوگ ان ارشاداب کی عملی تصویر ہیں۔ ایئرپورٹ پر داخلہ سے لے کر دفتری امور تک اور تجارت و معیشت سے لے کر گھریلو میل جول تک ہر مرحلے پر وہ لوگ حسنِ اخلاق کا نمونہ بنے نظر آتے ہیں۔ دفتری اور کاروباری امور میں وہ نہایت نرم مزاجی اور تحمل کے ساتھ آپ کی بات سنتے ہیں اور دھیمی آواز میں آپ کی راہنمائی کرتے ہیں۔ آپ ان سے کوئی چیز طلب کریں گے تو وہ دے دیں گے یا پھر خوش گفتاری سے انکار کر دیں گے۔ ہمارے ایک عزیز کو ہالینڈ سے جدہ آنا تھا۔ ان کی فلائٹ کسی وجہ سے منسوخ ہوگئی۔ ڈیوٹی پر موجود خاتون نے ان کی سیٹ کنفرمیشن کا مسئلہ اتنے احسن انداز میں حل کیا

اور اس سلسلہ میں اتنی بھاگ دوڑ کی جیسے یہ ان کا ذاتی مسئلہ ہو، اور بار بار معذرت خواہ بھی ہوتی رہی۔ آج کے مغربی معاشرے میں بلکہ چین و جاپان کے معاشرے میں بھی یہ بات موجود ہے کہ کوئی باس (Boss) اپنے ماتحت کو بدتمیزی سے یا تحکمانہ لہجہ میں نہیں بلاتا بلکہ انتہائی اخلاق سے بات کرتے ہیں۔ ماتحت اگر کوئی کام غلط بھی کر رہا ہو تو دھیمی آواز میں سمجھاتے ہیں۔ یہی حال ماتحتوں اور ملازمین کا ہے وہ اگر بات کرتے ہیں تو ادب واحترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔

اِدھر ہمارے معاشرے میں حسن اخلاق اور آداب گفتگو کا جس قدر فقدان ہے' اس کا مظاہرہ ہم شب و روز کرتے ہیں۔ مالک، آجر یا باس (**Boss**) ہے تو اپنے ماتحت اور ملازم کو اوئے یا تو کے ساتھ اور نہایت تحکمانہ لہجہ میں بات کرتے ہیں۔ پولیس والے ہیں تو آپ کو روک کر جس بدتمیزی اور گستاخانہ انداز میں بات کرتے ہیں' اس سے اللہ کی پناہ، مزدور یا ملازم ہیں یا دفتری کلرک، اگر ان سے کوئی کام پڑ گیا ہے تو ان کے بولنے کا انداز ہی بے رُخی پر مبنی ہوتا ہے۔ الغرض معاشرے کے تمام افراد یا گروہ اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈالے ہوئے ہیں۔ آیئے! ذرا پھر اس حدیث کو پڑھیں اور اپنی بات چیت، گفتگو اور بول چال کے طور طریقے کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں۔

''ایمان میں وہی مومن کامل ترین ہے جو اخلاق میں سب سے بہتر ہو''۔

ارشادِ ربانی ہے:

''اور ماپو تو پورا ماپو اور برابر ترازو سے تولو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا ہے''۔ (بنی اسرائیل:13)

ایک اور مقام پر فرمایا:

''ناپ اور تول پوری کرو اور لوگوں کی چیزیں گھٹا کر نہ دو''۔ (اعراف:58)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے:

''جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں''۔ (الحدیث)

یورپی اقوام اور دیگر ترقی یافتہ معاشروں نے ناپ تول کی اعلیٰ روایات کو اپنا رکھا ہے۔ اور ساتھ ہی ان کے ہاں کوالٹی کنٹرول اور اشیاء اور مصنوعات کے معیار کا بھی پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ نہ صرف ان کے اپنے معاشرے اور مارکیٹ میں بلکہ دیگر ممالک کو

برآمدی مصنوعات میں بھی عموماً یہ شکایت نہیں ہوتی کہ وزن میں کمی ہے یا اس چیز کی کوالٹی کم تر ہے۔ مقدار اور معیار کا خیال رکھنا ان کا اہم وصف بن چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی پذیر مما لک کے لوگ بے دھڑک مغربی مصنوعات خرید لیتے ہیں کہ ان کا وزن بھی پورا ہوتا ہے اور معیار بھی وہی جو ہمیں مطلوب ہے۔ ایک مثال شہد کو ہی لے لیں وہ لوگ ایک تو وزن پورا پورا دیں گے، دوسرے یہ بھی بتلائیں گے کہ یہ شہد خالص ہے' یہ دوسری کوالٹی ہے جس میں موم کی ملاوٹ ہے اور یہ بغیر صاف کئے چھتے کا شہد ہے۔ اسی طرح وزن کا معاملہ ہے سونے کے زیورات یا گندم اور کوئی خام مال ہو' اس میں وزن اور ناپ کا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔

ادھر ہمارے یہاں ناپ تول، تجارتی اشیاء اور مصنوعات کے معیار کا عالم کیا ہے؟۔ ہم سب اس کا مشاہدہ کرتے ہیں عموماً اگر کوئی فروٹ لیا جائے تو وزن میں کم نکلے گا۔ کپڑا خریدا جائے تو ناپ میں کم ہوگا۔ رقم میٹروں کے حساب لیں گے اور کپڑا گزوں کے حساب سے دیں گے۔ مجھے ذاتی طور پر تجربہ ہے کہ ہم نے کیلے خریدے تو چار درجن لیکن گھر آ کر گنے تو تین درجن نکلے۔ ہماری بیگم نے کپڑا تو چھ میٹر لیا لیکن گھر آ کر دیکھا تو پانچ میٹر بھی پورا نہ تھا۔ اب ملاوٹ کا انداز دیکھیں۔ ہم باہر کے مما لک کو چاول کا نمونہ دکھاتے تو کرنل باسمتی کا ہے لیکن جب بھیجتے ہیں تو ہلکی کوالٹی یا پھر بات ثابت چاول کی طے ہوتی ہے لیکن کنٹینرز (Containers) میں ہم لوگ ٹوٹا چاول بھیج دیتے ہیں۔ اسی بدعملی کی وجہ سے کچھ عرصہ بیشتر ہماری چاول کی برآمد پر برے اثرات بھی پڑے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم نے ملاوٹ اور دو نمبری کام کا سلسلہ جان بچانے والی ادویات تک بھی پہنچا دیا ہے۔ ہارٹ اٹیک (Heart Attack) میں فوری مدد کا ٹیکہ Streptokinase بھی جعلی طور پر تیار کر کے مارکیٹ میں پہنچا دیا گیا ہے۔ اس سے بڑا ظلم بھلا اور کیا ہوسکتا ہے۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قوم عاد وثمود کی تباہی کی ایک وجہ ان کے ناپ تول میں کمی کرنے کو بھی بتلایا ہے۔ آیئے! ہم اس فعل سے توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو ہر جگہ اپنائیں:-

''ناپ اور تول پوری کرو اور لوگوں کی چیزیں گھٹا کر نہ دو'' (القرآن)

فرمان ربّ العٰلمین ہے:

''اور جب غصہ آئے تو معاف کر دیتے ہیں''۔(الشوریٰ:37)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

''اے سننے والے! برائی کو بھلائی سے ٹال، جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی، ایسا ہو جائے گا کہ جیسے گہرا دوست''۔(حم السجدہ:34)

نبیٔ رحمت علیہ التحیہ والسکینت کا فرمان ہے:

''سخت جان وہ نہیں جو لوگوں کو کشتی میں پچھاڑ دیتا ہو بلکہ وہ شخص قوی ہے جو غصہ کے عالم میں اپنے اوپر قابو رکھے''۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

''مومن دھیما اور نرم مزاج ہوتا ہے وہ ایک خوددار اونٹ کی طرح ہے کہ اگر اسے باندھ دیا جائے تو مطیع ہو جاتا ہے اور اگر چٹان پر بٹھایا جائے تو بیٹھ جاتا ہے''۔

مغربی معاشرہ میں لوگوں نے ضبطِ نفس کا فن سیکھ لیا ہے اور غصہ کو پی جانا اب ان کیلئے معمول کی بات ہے، خاص طور پر بات جب معاشرے کے مختلف افراد یا جماعتوں کی ہو۔ سڑکوں، شاہراہوں، گلیوں، بازاروں میں کوئی دو افراد لڑائی جھگڑا، دھینگا مشتی یا سر پھٹول کرتے نظر نہیں آتے۔ سب لوگ اپنے اپنے کام میں جتے نظر آتے ہیں۔ اگر دو افراد ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں تو خوش خلقی سے معذرت کریں گے اور آگے بڑھ جائیں گے۔ معمولی معمولی باتوں پر اشتعال میں آنا اور غارتگری کر دینا یہ ان کا وطیرہ نہیں۔ سب ایک دوسرے کو برداشت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے جذبات، احساسات اور نظریات و مذاہب کا احترام کرتے ہیں۔ اور باہم شیر و شکر ہو کر رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا معاشرہ ایک ترقی یافتہ معاشرہ ہے۔

ہمارے ہاں معمولی سی بات پر غصہ میں آ جانا عام بات ہے، اگر سائیکل چلانے والا کار کے آگے سے گزر جاتا ہے تو کار والا طیش میں آ کر گالیاں دینے لگتا ہے، دو موٹر سائیکل والے ایک دوسرے سے مَس ہو جائیں تو ان کے چلانے والے مار کٹائی پر اُتر آتے ہیں۔ ہمارا رویہ اتنا غصہ بھرا ہے کہ اگر دکاندار تھوڑی سی لیٹ کر دے تو ہم اس سے لڑائی پر اُتر آتے ہیں۔ دفاتر، بینک یا بازار میں کہیں بس نہ چلے تو غصہ گھر والی پر نکال لیتے ہیں۔ ایک

دوسرے کو معاف کرنا یا دوسرے کی خطا سے درگذر کرنا ہمارے لئے بے عزتی کا مقام ہے۔ حالانکہ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ لوگوں کی نشانی یہ بیان کی ہے ''اور جب غصہ آئے تو معاف کر دیتے ہیں''۔(القرآن)

ارشاد ربانی ہے:

''اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا''۔(البقرہ:158)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرو اور دشواری وتنگی پیدا نہ کرو، لوگوں کو دین کی طرف رغبت دلاؤ نہ کہ انہیں دین سے دور کردو''۔(البخاری)

ایک اور حدیث شریف میں ارشاد ہے:

''راستوں میں مت بیٹھو، اگر بیٹھنا ہی ہو تو پھر نظریں جھکا کر رکھو، سلام کا جواب دو، بھٹکے ہوئے کو راستہ دکھاؤ اور کمزور کی مدد کرو''۔ (البیان21/2)

ان احکامات میں دینی امور میں سہولت کے ساتھ ساتھ دنیاوی امور میں لوگوں کو فائدہ پہنچانے اور ان کو ہر ممکن سہولت اور آرام پہنچانے کا حکم ہے۔ مغربی معاشرہ ہو یا چین و جاپان کے مہذب لوگ، ان سب نے ان اصولوں کو اپنی زندگی کا مقصد اولین بنا رکھا ہے، لوگوں نے فٹ پاتھوں کو کھلا چھوڑ رکھا ہے ان پر ناجائز تجاوزات نظر نہیں آتیں۔ راستے کھلے اور صاف ستھرے ہیں۔ خود ساختہ سپیڈ بریکرز یا راستے کی رکاوٹیں موجود نہیں ہیں۔ کوڑا کرکٹ اور گھر کا گند باہر گلیوں میں نہیں پھینکا جاتا بلکہ باقاعدہ طور پر ڈسپوز آف کیا جاتا ہے۔ اگر راستے کی رہنمائی درکار ہے تو پولیس کے سپاہی اور عام لوگ فوراً راستہ بتلائیں گے۔ راستوں میں ٹھٹھے اور مجمع لگا کر بیٹھنے کا چلن عام نہیں، بڑی شاہراہوں یا موٹر وے پر جا بجا امدادی مراکز موجود ہیں، جہاں قلب صمیم اور تمام مساعی کے ساتھ تربیت یافتہ عملہ آپ کی مدد اور تعاون کیلئے تیار ملتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں تصویر کا دوسرا رُخ نظر آتا ہے۔ راستوں کو بند کر لینا معمولی بات ہے۔ شادی بیاہ کی تقریبات پر نہ صرف عام راستوں بلکہ بڑی شاہراہوں کو شامیانے

اور قناتیں لگا کر بند کر دیا جاتا ہے۔ بڑی ٹریفک تو دُور کی بات ہے پیدل چلنے والوں کو بھی لمبا چکر کاٹ کر منزل تک پہنچنا پڑتا ہے۔ گلیوں محلوں اور راستوں میں جا بجا رکاوٹیں اور سپیڈ بریکر بنا دیئے جاتے ہیں کہ کوئی شخص یا مریض آرام سکون سے گزر نہ سکے۔ بے فکرے اور اوباش لوگ راستوں میں اس طرح سے بیٹھتے ہیں کہ عفت مآب خواتین کا بآسانی گزرنا محال ہو جاتا ہے یہی عمل زندگی کے دوسرے مقامات پر بھی جاری ہے۔ بجلی، گیس وغیرہ کے بل جمع کرانا مغربی معاشرے میں سب سے آسان کام ہے جبکہ یہاں اتنا دُشوار ہے کہ لوگ کئی کئی گھنٹے دھوپ اور سردی میں قطاروں میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ دفتری معاملات کی بات ہی نرالی ہے، معمولی سے جائز کام کے لئے بھی کئی کئی دن درکار ہوتے ہیں اور اوپر سے فائلوں کو ''پہیہ'' لگانے کا مسئلہ الگ ہے۔ آیئے ذرا اپنے اعمال کو دیکھیے اور ارشاد باری تعالیٰ پر غور کیجئے ''اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا''۔

قرآن مجید میں ربّ کائنات کا ارشاد ہے ''اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کیا کہ تم کچھ جانتے نہ تھے اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تا کہ تم شکر ادا کرو''۔ (النحل:78)

پیارے مصطفیٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حدیث ہے: ''ابوقلابہ کہتے ہیں کہ جب تم دنیا کی نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو تم کو دنیا سے ضرر نہیں ہوگا''۔ (الحدیث رسائل ابن ابی الدنیا 59)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا''۔ (الترمذی، ابوداؤد)

اقوام مغرب اور دیگر ترقی یافتہ ممالک کے لوگ اسلام کے اس اصول کو نہایت خوبی سے اپنائے ہوئے ہیں چنانچہ اگر ان کا معمولی سا کام بھی کر دیا جائے یعنی راستہ بتا دیا جائے یا ان کی کوئی چیز ان کو پکڑا دی جائے یا پھر کھانے کی پیشکش کر دی جائے تو وہ لوگ نہایت عقیدت آمیز احساسات اور نگاہوں سے شکریہ ادا کریں گے۔ ہند چینی کے لوگ تو احساس تشکر سے رکوع تک بھی جھک جاتے ہیں اور ہندو بنیا ہاتھ جوڑ کر سراپا سپاس بن جاتے ہیں ۔اسی طرح اگر کوئی ای میل یا خط لکھا جائے تو فوراً شکریہ ادا کریں گے اور جواب دیں گے۔

دوسری جانب ہمارے معاشرے میں اس فرمان باری تعالیٰ کو بھلا دیا گیا ہے۔ہم بندوں کا تو شکر کیا ادا کریں گے خود ربّ کریم کا شکر ادا نہیں کرتے جس نے ہمیں سب نعمتوں سے سرفراز کیا ہے۔لوگ ہمارا کام کر دیں تو ہم شکریہ ادا کرنے کی بجائے کان لپیٹ کر نکل جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں مطلب نکل گیا تو پھر تو کون اور میں کون۔ ملازم، ماتحت یا غریب مسکین لوگ کوئی نیک کام یا ہماری اچھی سیوا کر دیں تو اسے ہم اپنا استحقاق سمجھتے ہیں اور لبوں پر شکریہ کے دو لفظ لانا بھی گوارا نہیں کرتے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کو مقصد حیات بنایا جائے ''جو لوگوں کو شکرادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا''۔

ارشاد ربانی ہے''اے مومنو! ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ''۔(القرآن)

حضور شفیع اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پاک ہے:

''ابن آدم نے اپنے پیٹ سے زیادہ برا برتن کوئی نہیں بھرا۔آدمی کے لئے وہی چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں اگر ضرورت ہو تو تہائی شکم کھانے کے لئے ،تہائی پانی کے لئے اور تہائی سانس کے لئے خالی رکھے''۔(الحدیث)

کھانا پینا بلا شبہ انسان کی نشو ونما، بڑھوتی اور زندگی کے دن آرام سے گزارنے کے لئے ضروری ہے مغربی اقوام نے اس کام کو اتنا آسان بنالیا ہے اور وہ لوگ اتنا کم کھاتے ہیں کہ بندہ حیران رہ جاتا ہے۔امریکی معاشرے میں صبح ناشتے میں ایک آدھ سینڈوچ اور چائے کا کپ اور ڈنر یا لنچ میں ہلکا پھلکا کھانا، یہ ہے ان کی مکمل غذا۔ برطانیہ کے لوگ فروٹ خریدتے ہیں تو ایک یا دو کیلے اور اسی طرح تھوڑی سی مقدار آم یا سیب اور دیگر پھلوں کی۔جاپان میں ہمارے ایک دوست ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ اکثر جاپانیوں نے گھروں کے باہر یا لان میں سبزیاں اُگا رکھی ہیں وہ ایک ٹماٹر یا ایک گاجر توڑیں گے' بغیر مرچ نمک کے اس کا سوپ بنائیں گے اور کھانا کھالیں گے۔ دوران عمرہ و حج دیکھنے میں آیا کہ ترکی کے لوگ دوپہر کے کھانے میں ایک بند اور تھوڑا سا سلاد لیتے ہیں اور پیٹ کی پیاس بجھا لیتے ہیں مغربی اقوام کی ترقی کا راز کم کھانا بھی ہے۔

ہم مسلمانوں نے اپنے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان عالی شان کو پس پشت ڈال کر صرف کھانا پینا ہی حاصل زندگی اور مقصد حیات بنالیا ہے۔ صبح شام جس انداز میں مرغن اور مصالحہ دار کھانے کھائے جاتے ہیں بلکہ ''کھابے'' کھائے جاتے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں ہم جس واہیانہ طور پر کھانے کی طرف بھاگتے ہیں وہ تہذیب وتمدن کے منہ پر طمانچہ ہے پھر دوران طعام گوشت اور خورد ونوش کے دیگر لوازمات کا جو حشر کرتے ہیں اس سے اللہ کی پناہ۔ شاید ہم اسی وجہ سے دیگر قوموں سے پیچھے ہیں کیونکہ بقول حکیم لقمان ''جب معدہ پر ہو جاتا ہے تو سوجھ بوجھ سو جاتی ہے اور حکمت کھو جاتی ہے''۔ آیئے! حلال اور پاکیزہ وطیب چیزیں اور کھانے تو کھائیں لیکن اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ تاکہ ہماری زندگی کا پہیہ بھی چلتا رہے اور ہماری صحت اور حکمت بھی برقرار رہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان لو، بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم سے زیادہ پرہیزگار ہے''۔ (الحجرات:13)

سیدنا مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے کھاتا ہو، اس سے بہتر کھانا کوئی نہیں کھاتا اور اللہ کے نبی سیدنا داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے کھاتے تھے''۔ (بخاری، مسند احمد)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ''جو شخص شام تک اپنے ہاتھوں سے کام کرتے تھک گیا اس کی مغفرت کر دی گئی۔ (المعجم الوسیط)

اپنے ہاتھ سے کام کر کے رزق حلال کمانا، انبیاء کی سنت اور اکابرین امت کا طریقہ ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کندھے پر گٹھڑی لگا کر کپڑا بیچا کرتے تھے۔ احمد بن

عمر الخصاف ایک بہت بڑے فقیہہ اور عابد وزاہد تھے۔ وہ موچی کا کام کرتے تھے۔ احمد بن محمد القدوری جن کی کتاب درس نظام میں شامل ہے وہ مٹی کی ہنڈیا بنا کر بیچتے تھے۔ یعنی کمہاروں کا کام کرتے تھے۔ ابوبکر بن علی الحداد بہت بڑے عالم اور اور ولی تھے۔ وہ لوہار تھے۔ حجتہ الاسلام امام غزالیؒ جولاہے تھے اور کپڑے کا کام کرتے تھے۔ الغرض پیشے کو عزت وذلت کا معیار نہیں مانا جاتا تھا بلکہ اعزاز واکرام کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیز گاری تھا۔ یہی بات مغربی معاشرے میں رائج ہے۔ وہاں ہر شخص کی عزت نفس محفوظ ہے اور اسے بھی اتنا ہی عزت واکرام حاصل ہے جتنا دوسرے کو خواہ وہ کسان ہو، مزدور ہو، ڈرائیور ہو یا معمولی دستکار۔

ہمارے معاشرے میں خاص طور پر دیہات میں ذات پات اور پیشوں کی بنیاد پر امتیاز کا گھناؤنا چکر آج بھی چل رہا ہے۔ موچی، ترکھان، لوہار، جولاہے سب کمی کمین اور نیچ ذات کے سمجھے جاتے ہیں افسوس ناک امر یہ ہے کہ مسجد کے امام اور خطیب سے بھی کامدار کی طرح سلوک کیا جاتا ہے۔ ذات پات اور پیشوں کی بنیاد پر فضیلت کا نام نہاد کھیل شہروں میں بھی جاری ہے۔ ہاتھ سے محنت مزدوری کر کے کھانے والے کو کمتر سمجھا جا رہا ہے۔ حالانکہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا ارشاد تو یہ ہے: ''جو شخص اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے کھاتا ہو اس سے بہتر طعام کوئی نہیں کھاتا''۔

حضور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''قوم کا سردار اس کا خادم ہے۔ (الحدیث)

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

''دنیا شیریں اور بارونق ہے اور اللہ تمہیں اس میں کام سپرد کر کے یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو''۔

مغربی ممالک نے آج جمہوری قدروں کو اپناتے ہوئے معاشرے کو فلاح و بہبود اور سماجی بھلائی کی نعمتوں سے سرفراز کرنے کے ساتھ ساتھ پروٹوکول اور شاہانہ تفاخر کو کسی حد تک ختم کر دیا ہے یا پھر کم کر دیا ہے۔ برطانیہ کا وزیر اعظم ایک فلیٹ نما گھر میں رہتا ہے، سویڈن کی ملکہ یا بادشاہ کو بذات خود ٹرین میں سوار ہوتے دیکھا جا سکتا ہے، چین کے صدر یا وزیر اعظم کا سائیکل پہ دفتر جانا معمولی کی بات ہے، وہاں کے حکمران صحیح معنوں میں اپنی قوم

کے خادم ہیں اور ہمہ وقت اپنے قومی مفادات کے حصول اور تحفظ کے لئے مصروف عمل رہتے ہیں عام آدمی کی ان تک رسائی بآسانی ہوسکتی ہے اور انہیں ہاؤ ہٹو کے مروجہ پروٹوکول سے کوئی خاص غرض نہیں ہوتی۔ اگرچہ آج کل دہشت گردی کی آڑ میں ان کے یہاں سکیورٹی کے نظام کی وجہ سے کچھ سختی ہوچکی ہے لیکن پھر بھی وہ لوگ ہمارے معاشرے سے کہیں آگے ہیں۔

ہمارے معاشرہ کیا ہے؟ لگتا ہے پوری قوم صرف اپنے صدر یا وزیر اعظم یا ادارے کے سربراہ کے لئے مصروف عمل ہے، پروٹوکول کے نام پر عوام الناس کا ناک میں دم کر دیا جاتا ہے اداروں کے سربراہ، وڈیرے، بیوروکریٹ یا عوامی لیڈر سبھی قوم کے خدمتگار ہونے کی بجائے ان کے لئے زحمت کا سامان بن جاتے ہیں بڑے اداروں اور دفاتر کی بات تو الگ ہے چھوٹے چھوٹے دفاتر اور محکموں کے سربراہ بھی شاہانہ زندگی گزارتے ہیں۔قومی سرمائے کی کئی کئی گاڑیاں ان کے تصرف میں ہوتی ہیں اور محکمہ کا سارا چھوٹا عملہ ان کے گھریلو ذاتی ملازموں کی طرح کام کر رہا ہوتا ہے۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ’’قوم کا سردار اس کا خادم ہے‘‘۔



روزے کی روحانی برکات اور طبی فوائد

ماہِ رمضان اللہ تعالیٰ کی بخشش و عطا کا وہ ابرِ کرم ہے جو چھما چھم برس کر مسلمانوں کے قلب وجگر اور نفس ورُوح پر جمی گناہوں کی دھول کو دھوڑالتا ہے۔ ماہِ رمضان رحمت باری کی بادِ بہاری کا وہ جھونکا ہے جو دلوں کے پژمردہ چمن کو سرسبز وشادات بنا تا ہے۔ روزہ وہ نعمت عظیم ہے جو بندے کو اپنے خالق ومالک اور پروردگار سے قرب اور وصال کی لذت عطا کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر ایک بندے کے لئے اور کیا انعام ہوسکتا ہے کہ خود ربّ قدیر کہتا ہے کہ ''روزہ میرے لئے ہے اور اس کا صلہ میں خود ہوں''۔ رمضان المبارک کا مہینہ مومنین کے لئے جودوکرم اور عفو درگزر کا پیغام لے کر آتا ہے، احادیث میں ہے کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطان کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے، نبیُ رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے کہ جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی غرض سے رمضان کے روزے رکھے، اس کے سابقہ گناہ معاف فرما دیئے جاتے ہیں۔ روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کو مشک کو خوشبو سے زیادہ پسند ہے۔ کیونکہ وہ اپنے کھانے، اپنے پینے اور اپنی خواہش کو اللہ کی خاطر چھوڑتا ہے۔ (بخاری شریف)

اگر چہ یہ امر افضل واعلیٰ ہے کہ روزہ ثواب کی نیت سے رکھا جانا چاہئے تاہم اگر روزے کے روحانی فوائد اور باطنی فیوض و برکات کا جائزہ لیا جائے تو ان کی تعداد بے شمار ہے۔ ہم اختصار سے چند ایک فوائد کا ذکر تے ہیں:-

1- روزہ دار جب روزہ رکھتا ہے تو اس کے دل میں فقط یہ بات ہوتی ہے کہ وہ

اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری، اس کی اطاعت اور خوشنودی کے لئے یہ کام سرانجام دے رہا ہے۔ اس طرح سے اس کے دل کی گہرائیوں میں ربّ تعالیٰ کی محبت اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کا جذبہ پوری طرح سے بیدار رہتا ہے۔ یہی حبِّ الٰہی ہے جس کا صلہ خود ربِّ قدیر کی ذاتِ بابرکات بن جاتی ہے۔

2- مومن روزہ دار روزہ کی حالت میں اور ماہِ رمضان کے شب و روز میں اپنے نفس وجسم کی خواہشات کو چھوڑ کر اور دنیاوی طاقتوں کو پس پشت ڈال کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور برتری کا اقرار کرتا ہے۔

3- رمضان المبارک میں مساوات کا بے مثال نمونہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ شاہ وگدا، امیر وغریب اور بندہ وآقا روزہ رکھ کر بارگاہِ ربانی میں سرِتسلیم خم کرتے ہیں۔ اسی طرح مساوات اور اخوت کے یہ مظاہر تراویح کی نماز اور دیگر عبادات میں بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔

4- روزے کی حالت میں بندے کو تمام تر جستجو کا مرکز اور اس کی اس جسمانی عبادت کا محور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا حصول ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں روزہ قبول کر لیا گیا تو گویا رضائے الٰہی اور دیدارِ الٰہی کی سعادتیں اس کے لئے لکھ دی جاتی ہیں۔

5- بندۂ مومن جب روزہ اس کے پورے آداب کو ملحوظ خاطر رکھ کر رکھتا ہے تو گویا وہ زبان، کان اور آنکھ کا بھی روزہ رکھتا ہے اور ان اعضائے جسم کی برائیوں سے بھی بچنے کی کوشش کرتا ہے جس سے اسے ایک خاص قسم کا خشوع وخضوع حاصل ہوتا ہے جو قربِ الٰہی کا ذریعہ بنتا ہے۔

6- روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو ریاکاری اور دکھلاوے کا خاتمہ کرتا ہے کیونکہ یہ عبادت ہر شخص کی اپنی ذات اور باطن تک محدود ہے۔ نماز، حج اور زکوٰۃ میں بسا اوقات دکھلاوے یا ریاکاری کا عنصر شامل ہوسکتا ہے لیکن روزہ تو صرف اور صرف بندہ اور اس کے مولا کا ہی مسئلہ ہے گویا روزہ جلوت اور خلوت میں انسان کے کردار کی پختگی کا ذریعہ ہے۔

7- روزہ پیٹ کی بھوک اور جسم کی پیاس پر قابو پا کر صبر اور برداشت کی قوتوں سے کام لینے کا م ہے۔ بندہ ہر قسم کی اشتہا انگیز اور لذیذ نعمتوں سے منہ موڑتا ہے اور صبر سے کام لیتا ہے تو فقط رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ،اس طرح روزہ دار کو دنیاوی نعمتوں کے نہ ملنے یا ان کے چھوٹ جانے پر صبر کا دامن تھامے رکھنے کا شوق ملتا ہے۔

8- روزہ دار کی قوت ارادی پتھر کی چٹان کی مانند سخت ہو جاتی ہے کیونکہ وہ جب پابند صوم ہو جاتا ہے تو گویا ایک فیصلہ اور ارادہ کرتا ہے کہ اب اس کی منزل رضائے الٰہی ہے اور یوں اس کی روحانی قوت اور باطنی انوار اس کی جسمانی ونفسانی خواہشات پر غلبہ پا لیتے ہیں۔ یہی قوتِ ارادی عملی زندگی میں کامیاب انسان کا حسین زیور ہے۔

9- ماہِ رمضان روزہ دار کیلئے ایک ریفریشر کورس ہے جس کے دوران اس کی رُوح شیطانی آلائشوں سے پاک صاف اور شفاف ہو جاتی ہے اس کا ذہن کورے کاغذ کی مانند بے داغ اور ستھرا ہو جاتا ہے اور اس کا جسم پھولوں کی مانند ہلکا پھلکا اور معطر ومعنبر ہو جاتا ہے۔

10- روزہ بندۂ مومن کو اپنی زندگی کے شب و روز اور شام وسحر پرانی ڈگر کو یکدم ترک کر کے نئے حالات میں ڈھالنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ناشتے یا لنچ کی بجائے سحری کھانا ،علی الصبح بیدار ہو کر سحری کرنا ،نمازوں کی بہتر انداز میں پابندی کرنا' افطاری میں ایک دستر خوان پر جمع ہو کر اکٹھے روزہ کھولنا' تراویح اور قیام اللیل میں قرآن مجید سننا گویا بندہ ان سب عبادات اور عادات کے قالب میں خود کو ڈھال لیتا ہے۔

11- ماہِ رمضان مسلم معاشرے میں یگانگت ،اتحاد ، باہمی محبت اور الفت کا فقید المثال جذبہ اُجاگر کرتا ہے۔ مشرق ومغرب اور دور ونزدیک کے مسلمان ایک ہی انداز میں اور ایک ہی مہینے میں روزے رکھتے ہیں اور تمام عبادات یکساں انداز میں سرانجام دیتے ہیں۔ خاص طور پر دوست واحباب کے ہاں اور مختلف دینی وسماجی اداروں اور تنظیموں کا یہ شاندار

خاصہ ہے بعینہ تراویح میں باجماعت شرکت اور قرآن مجید کی تلاوت پورے اہتمام اور خشوع وخضوع سے سماعت کرنا مسلم معاشرے کا طرّۂ امتیاز اور اجتماعی عبادت کا بے مثال مظاہرہ ہے۔

12- ماہِ رمضان المبارک میں روزہ دار اپنے پیارے آقا ومولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی سنت پر عمل کرتے ہوئے فراخ دِلی سے راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں، صدقہ وزکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ غریب، مسکین، نادار، بیوہ اور یتیم بچوں کی کفالت کا اہتمام ہوتا ہے اور انفاق فی سبیل اللہ کا بحر بیکراں ہر طرف ٹھاٹھیں مارتا ہے۔ یوں مسلم معاشرے میں سب کو خوشیوں میں شریک کرنے کی روایت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ جذبہ بندے کو جو رُوحانی مسرت اور باطنی طمانیت دیتا ہے اس کا بیان ممکن نہیں۔

روزہ جہاں باطنی طہارت، تزکیۂ نفس اور روحانی سکون کا باعث ہے وہاں اس کے طبی فوائد اور جسمانی افادیت بھی مسلمہ ہے، جسم کا ہر عضو اور ہر فعل روزہ کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہوتا ہے۔

1- سب سے پہلے نظام انہضام یعنی معدہ وجگر کی کارکردگی کو لیجئے، روزہ کی حالت میں معدہ اور جگر سکون کا سانس لیتے ہیں ان کے سکڑنے پھیلنے اور کام کرنے کا پراسیس نسبتاً بہتر ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر معدے کے پٹھے اور گوشت کی جھلیاں نارمل سطح پر آجاتی ہیں جو پہلے خوراک کی وجہ سے مسلسل تناؤ کی کیفیت میں رہتی ہیں یوں ان کی لچک کی قوت بہتر ہوتی ہے جو بعد میں خوراک کے الٹاؤ پلٹاؤ یعنی Digestion کے عمل میں مفید ثابت ہوتی ہے۔ نیز معدے میں ہائیڈروکلورک ایسڈ Hcl کے مسلسل اخراج کا نظام ٹھہراؤ میں آجاتا ہے۔ جس سے Acidity یعنی تیزابیت اور معدے کی سوزش Gastritis ہونے کے خطرات کم ہو جاتے ہیں۔

2- موٹاپا فی زمانہ بہت سی بیماریوں کی جڑ ہے۔ جن میں ذیابیطس یعنی شوگر، فشارِخون یعنی ہائپر ٹینشن Hypertension، دل کے امراض یعنی

انجائنا، ہارٹ اٹیک وغیرہ شامل ہیں یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر موٹاپا کم کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ روزہ اگر پورے آداب کے ساتھ رکھا جائے اور افطاری میں ضرورت سے زیادہ نہ کھا لیا جائے تو مشاہدہ ہے کہ صرف رمضان المبارک میں ہی کئی پونڈ وزن کم ہو جاتا ہے اور جسم پر چڑھی چربی کی موٹی تہہ اُتر جاتی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس کے لئے نہ تو کسی سلمنگ سنٹر میں جانے کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ ڈائٹنگ کے مہنگے اور جدید طریقوں کے پیچھے بھاگنا پڑتا ہے۔

3- روزے کی حالت میں خون کی سرکولیشن بہتر ہو جاتی ہے۔ جس سے جسم کے ہر ہر عضو تک تازہ اور زندگی سے بھرپور خون مہیا ہوتا ہے کیونکہ روزہ کی حالت میں وہ خون جو بھرے پیٹ میں سے خوراک کے ذرّات چننے میں مصروف ہوتا ہے، اب معدے کا رُخ نہیں کرتا بلکہ وافر مقدار میں دماغ سے لے کر پاؤں کی، انگلیوں تک ہر جگہ پہنچ جاتا ہے، اس سے جسم کی فزیالوجی یعنی نارمل کارکردگی بہتر ہوتی ہے اور جسم کے پٹھے پہلے سے بہتر کام کرتے ہیں۔

4- روزہ کی کیفیت سے جب رُوح کو آشفتگی ملتی ہے تو جسم بھی پھولوں کی طرح تر و تازہ اور ہلکا پھلکا محسوس ہوتا ہے۔ بندے کا رابطہ اپنے خالق سے برقرار رہتا ہے اور جسم دنیاوی آلائشوں اور مادّی و نفسانی خواہشات کے لشکر سے بچا رہتا ہے یوں وہ Anxiety اور Depression کے امراض سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

5- گردوں کے نظام پر روزہ کا نہایت مثبت اثر مرتب ہوتا ہے۔ جب پیٹ میں خوراک کم ہو گی تو ظاہر ہے فاسد مادّے بھی کم ہوں گے اور گردوں کی کارکردگی میں ٹھہراؤ آئے گا اور پھر جب افطاری کے وقت روزہ دار پانی یا مشروب کا استعمال فراوانی سے کرتا ہے تو گردے خون کے دباؤ کی وجہ سے صاف ہو جاتے ہیں جس سے ان کی کارکردگی مزید بہتر ہو جاتی ہے۔

6- روزہ کی حالت میں خون کی فراہمی نسبتاً بہتر ہو جاتی ہے۔ جس سے

آنکھوں کی بصارت، کانوں کی سماعت اور دماغ کی قوت اور حافظے پر بہتر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ نیز روزے کے ساتھ ساتھ جب روزہ دار نوافل اور تراویح میں مشغول ہوتا ہے تو اس کا دوران خون بہت اچھے انداز میں ان اعضائے رئیسہ کو سیراب کرتا ہے۔ جس سے ان کی کارکردگی یقیناً بہتر ہوتی ہے۔

7- حضور نبیٔ رحمت علیہ التحیہ والسکینۃ کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو بندہ شادی کے لئے وسائل نہ رکھتا ہو اسے چاہئے کہ روزے رکھے، گویا روزہ نفسانی خواہشات پر قابو رکھنے اور جنسی بڑھوتی کے نظام کو بہتر بنانے کی وجہ سے روزہ دار شہوت کی شدت سے محفوظ رہتا ہے۔ صوفیا کہتے ہیں کہ پیٹ کے ساتھ ساتھ آنکھ، کان اور زبان وغیرہ کا روزہ بھی ہے جس کا مطلب یہ کہ ان اعضاء کو بھی گناہوں سے محفوظ رکھا جائے، اگر یہ اعضاء برائی سے بچے رہیں گے تو جسم میں جنسی خواہشات کو ابھارنے والے ہارمونز (Hormones) کا اخراج کم ہو جائے گا اور روزہ دار ان نفسانی بیماریوں سے محفوظ رہے گا الغرض رمضان المبارک جہاں اللہ ربّ العزت کی اطاعت اور رضا کے حصول کا باعث ہے اور روزہ دار کو قرب الٰہی اور روحانی لذت وسرور کی کیفیات کی بے بہا دولت ملتی ہے وہیں روزہ جسم اور اس کے تمام اعضاء کی تندرستی اور بہتری کا خزینہ بھی مہیا کرتا ہے۔ یہ تو ہماری ہمت اور توفیق ہے کہ ہم کہاں تک رمضان المبارک کی سعادتوں سے مستفیض ہوتے ہیں اور کس حد تک خدائے لم یزل کے انعامات سے اپنی جھولیوں کو بھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل سے ہمیں رمضان المبارک کی سعادتیں اور برکات سمیٹنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)



ہم رمضان المبارک کیسے گزاریں

رمضان المبارک کا مقدس اور مبارک مہینہ گنہگار، بخشش کے طالب بندوں پر رب ذوالجلال کی بے پایاں اور لامحدود عنایات اور رحمتوں کے انوار کے نزول کا مہینہ ہے اس بابرکت ماہ کی فضیلت کے بارے میں نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم سے بہت سی احادیث مبارکہ روایت کی گئی ہیں سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعبان کے آخری دن خطبہ دیا اور فرمایا:

> اے لوگو! تمہارے پاس ایک عظیم اور مبارک مہینہ آ پہنچا ہے اس مہینہ میں ایک رات ہے جو ہزار راتوں سے بہتر ہے اللہ نے اس مہینہ میں روزہ فرض کر دیا ہے اور اس کی رات میں قیام کو نفل کر دیا ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں کوئی نیکی کرے تو وہ دوسرے مہینہ میں فرض کی مثل ہے اور جو شخص کوئی فرض ادا کرے تو وہ اس طرح ہے جیسے دوسرے مہینے میں ستر فرض ادا کئے یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے یہ غمگساری کرنے کا مہینہ ہے یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کے رزق میں زیادتی کی جاتی ہے۔

اس مہینہ میں جو کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے، اس کے لئے گناہوں کی مغفرت ہے اور اس کی گردن کیلئے دوزخ سے آزادی ہے اس کو بھی روزہ دار کی مثل اجر ملے گا اور اس روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص کی یہ استطاعت نہیں ہے کہ وہ روزہ دار کو افطار کرا سکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا کرے گا جو روزہ دار کو ایک کھجور یا

ایک گھونٹ پانی یا ایک گھونٹ دودھ سے روزہ افطار کرائے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس کا اول رحمت ہے جس کا وسط مغفرت ہے اور جس کا آخر جہنم سے آزادی ہے۔ جس شخص نے اس مہینہ میں اپنے خادم سے کام لینے میں رعایت کی اللہ اس کی مغفرت کر دے گا اور اس کو دوزخ سے آزاد کر دے گا اس مہینہ میں چار خصلتوں کو جمع کرو، دو خصلتوں سے تم اپنے رب کو راضی کرو اور دو خصلتوں کے بغیر تمہارے لئے کوئی چارہ کار نہیں جن دو خصلتوں سے تم اپنے رب کو راضی کرو گے وہ کلمہ شہادت پڑھنا اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا ہے اور جن دو خصلتوں کے بغیر کوئی چارہ نہیں وہ یہ ہیں کہ تم اللہ سے جنت کا سوال کرو اور اس سے دوزخ سے پناہ طلب کرو اور جو شخص کسی روزہ دار کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے پانی پلائے گا، اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی حتیٰ کہ وہ جنت میں چلا جائے گا۔ (صحیح ابن خزیمہ، بیہقی، ابن حبان)

رمضان المبارک کی فضیلت کے بارے میں نبی رحمت سید العالمین کی ایک اور حدیث مبارکہ ہے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رمضان آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس رمضان آ گیا ہے یہ برکت کا مہینہ ہے اللہ تعالیٰ تم کو اس میں ڈھانپ لیتا ہے اس میں رحمت نازل ہوتی ہے اور گناہ جھڑ جاتے ہیں اور اس میں دعا مقبول ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس مہینہ میں تمہاری رغبت کو دیکھتا ہے سو تم اللہ کو اس مہینہ میں نیک کام کر کے دکھاؤ کیونکہ وہ شخص بدبخت ہے جو اس مہینہ میں اللہ عزوجل کی رحمت سے محروم رہا۔ (طبرانی)

ماہ رمضان المبارک کو کئی طرح سے فضیلت اور شرف حاصل ہے۔ اول یہ کہ اس ماہ مقدس میں اللہ تعالیٰ نے روزے فرض کئے ہیں اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم متقی بن جاؤ۔ (البقرہ:183)

دوم یہ کہ اس پرنور مہینے کی شبِ قدر میں قرآن پاک نازل ہوا رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا لوگوں کو ہدایت دینے والا اور روشن دلیلیں ہدایت دینے والیں اور حق و باطل میں فیصلہ کرنے والیں سو تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں موجود ہو وہ ضرور اس ماہ کے روزے رکھے۔ (البقرہ:185)

قرآن پاک کے نزول سے ماہ رمضان کا دامن انوار ربانی سے بھر گیا اور یہی انوار

وتجلیات ربانی اب مومنین کے تاریک شب وروز کو بقعہ نور بناتے ہیں اوراس کے قلب ونظر کو منبع نور بناتے ہیں۔

روزے کی فضیلت اور اہمیت اس حدیث سے واضح ہے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا روزہ ڈھال ہے روزہ دار نہ جماع کرے نہ جہالت کی باتیں کرے اگر کوئی شخص اس سے لڑے یا اس کو گالی دے تو وہ دو مرتبہ یہ کہے کہ میں روزہ دار ہوں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مُشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ اپنے کھانے' پینے اور نفس کی خواہش کو میری وجہ سے ترک کرتا ہے روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا اور باقی نیکیوں کا اجر دس گنا ہے۔(صحیح بخاری)

روزے کا مقصد صرف یہی نہیں کہ صبح سے شام تک بھوکا پیاسا رہا جائے بلکہ اس بھوک پیاس کا غرض وغایت تقویٰ کا حصول ہے اللہ تعالیٰ اپنے روزہ دار بندوں کو تقویٰ کے اعلیٰ ترین معیار پر کاربند دیکھنا چاہتا ہے تقویٰ اور پرہیزگاری کا مقصد حاصل کئے بغیر روزہ رکھنا کارلا حاصل ہے نبی کریم (ﷺ) کا ارشاد گرامی ہے ''جس نے جھوٹی بات اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑا تو اللہ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی حاجت نہیں۔(صحیح بخاری)

تقویٰ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے نفس کو نافرمانی کے عذاب سے بچانا تقویٰ ہے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے عذاب سے نفس کو بچانا تقویٰ ہے اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے خود کو محفوظ رکھنا تقویٰ ہے آداب شریعت کی حفاظت کرنا تقویٰ ہے ہر وہ کام جو تم کو اللہ سے دور کردے اس سے خود کو باز رکھنا تقویٰ ہے نفسانی خواہشات کو ترک کرنا اور ممنوعات سے دور رہنا تقویٰ ہے تم اپنے نفس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ دیکھو یہ تقویٰ ہے تم اپنے آپ کو کسی سے بہتر گمان نہ کرو یہ تقویٰ' ماسوی اللہ کو ترک کرنا تقویٰ ہے اور نبی کریم (ﷺ) کی زبانی اور عملاً اقتدار کرنا تقویٰ ہے۔(کتاب التعریفات' از میر سید شریف)

تقویٰ کے بارے میں نبی رحمت شفیع امت سیدنا محمد مصطفیٰ (ﷺ) نے فرمایا:

''کوئی شخص اس وقت تک متقین میں شمار نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ بے ضرر چیز کو اس خوف سے نہ چھوڑ دے کہ شاید اس میں ضرور ہو۔(جامع ترمذی)

ایک اور حدیث ہے نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا:

''تمہارا رب یہ فرماتا ہے کہ میں ہی اس بات کا مستحق ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے سو جو شخص مجھ سے ڈرے گا تو میری شان ہے کہ میں اس کو بخش دوں۔(سنن الدارمی)۔

گویا نفسانی اور جسمانی خواہشات اور لذتوں کو ضبط کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لئے کوشاں رہنا اور اس کی ذات سے ڈرتے رہنا روزے کا مقصد ومحور ہے۔

قرآن مجید جیسی مقدس اور جامع الاحکام کتاب رمضان المبارک کی پرنور ساعتوں میں نازل ہوئی اس لئے رمضان اور قرآن کا باہمی تعلق نہایت گہرا ہے قرآن مجید کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا''برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے (محبوب) بندے پر فرقان نازل کیا تا کہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔ (الفرقان:1)

قرآن مجید کا نزول کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے یہ وہ نسخہ کیمیا ہے جو ابدالآباد تک کے انسانوں کے لئے منبع رشد و ہدایت ہے اور ان کی دینی و دنیاوی' مادی اور روحانی' زبانی اور عملی ہر گوشہ حیات کو روشن و تاباں کرنے کا ذریعہ ہے اس اعزاز و اکرام پر جتنا بھی خوشی کا اظہار کیا جائے کم ہے لیکن اس عظیم نعمت کے شکرانے کا اصل طریقہ یہ ہے کہ اس میں غور وفکر اور تدبر کیا جائے اور پھر اس کے احکامات کو عملی زندگی میں نافذ کیا جائے۔

آیئے اب ہم دیکھیں کہ رمضان المبارک کے شب و روز کس انداز میں بسر کئے جائیں کہ ہم خیر و برکت کی دولت سے اپنا دامن مراد بھر لیں اور اجر وثواب کے انمول جواہر چن چن کر اپنے لئے زاد آخرت بنالیں تا کہ ہم دنیا میں بھی کامیاب و کامران ہوں اور روز آخرت بھی بارگاہ رب ذوالجلال میں سرخرو ٹھہریں۔

1۔ اخلاص

رمضان المبارک کے روزے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور اجر وثواب کی خاطر رکھے جائیں کسی قسم کا دکھاوا یا بناوٹ شامل نہ ہو نیت میں اخلاص للّٰہیت اور خشوع و خضوع ضروری ہے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی رحمت (ﷺ) نے فرمایا

جس نے حالت ایمان میں ثواب کی نیت سے لیلتہ القدر میں قیام کیا اس کے پہلے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جس نے حالت ایمان میں ثواب کی نیت سے روزہ رکھا اس کے پہلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔(صحیح بخاری)

2۔ تعلق بالقرآن

رمضان المبارک نزول قرآن کا مہینہ ہے لہذا اس ماہ میں قرآن مجید سے اپنا تعلق اور رابطہ گہرا کریں نبی کریم (ﷺ) کا ارشاد گرامی ہے"تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن مجید کا علم حاصل کرے اور لوگوں کو قرآن کی تعلیم دے۔(صحیح بخاری)

سب سے پہلے قرآن مجید کی روزانہ تلاوت کو معمولی بنایا جائے کیونکہ اس کی قرات وتلاوت نہایت اجر وثواب کا باعث ہے سیدنا عبداللہ بن سعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا"جس شخص نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا اس کے لئے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ" ا۔ل۔م" ایک حرف ہے لیکن الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔(جامع ترمذی)

تلاوت قرآن کے ساتھ ساتھ اس کے ترجمہ وتفسیر کو پڑھنے اور قرآن مجید کے مفاہیم ومطالب کو سمجھنے کا اہتمام کیا جائے بعد ازاں قرآن مجید کے احکامات اور فرامین پر عمل پیرا ہونے کی کوشش شروع کی جائے اور رمضان المبارک میں باقی دنوں سے بڑھ کر قرآنی احکامات پر عمل کیا جائے۔

3۔ تراویح اور قیام اللیل

رمضان المبارک کی راتوں میں پہلے حصے میں تراویح کا اہتمام اور پچھلے پہر چند رکعت نماز کا اہتمام کریں تو یہ نہایت اجر وثواب کا باعث ہے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا اہم ذریعہ ہے شب کے آخری پہر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے اور مانگنے والے اپنے بندوں کو خوب خوب نوازتا ہے۔ نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کے پچھلے پہر کے بارے میں فرمایا:

> "اللہ تعالیٰ دنیا والوں کے بہت قریب آتا ہے اور پکارتا ہے کون ہے جو مجھ سے مانگے کہ میں اسے جو مانگے وہ دوں' کون ہے جو مجھ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہے کہ میں اس کو معاف کردوں۔(بخاری'مسلم)

لہذا کوشش کریں کہ تراویح باجماعت اور نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کریں اور آخر شب کم از کم دو رکعت نفل تہجد ادا کریں' اپنے رب سے گڑ گڑا کر گناہوں سے معافی مانگیں اور اس کی رحمت کے طلبگار رہوں۔ اس مقصد کے لئے سحری کے وقت سے چند منٹ قبل اٹھ کر نوافل ادا کرلیں اور لذت سحر گاہی سے لطف اندوز ہوں کہ یہ مردہ دلوں کے لئے حیات جاوداں کا پیغام ہے۔

4۔ انفاق فی سبیل اللہ

اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا اہم ترین نیکی اور اعلیٰ درجے کی عبات ہے رمضان المبارک میں تو غریبوں' مسکینوں' بیواؤں' یتیموں اور رنج والم کے مارے لوگوں کی مدد کرنا کئی گنا زیادہ اجر وثواب کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا'' جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات ایسے خوشے اگائے کہ ہر خوشے میں سات سو دانے ہیں اور اللہ جس کے لئے چاہے ان کو دگنا کر دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور بہت علم والا ہے۔ (البقرہ: 261)

سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا:

> جس شخص نے اللہ کی راہ میں کسی زائد چیز کو خرچ کیا اس کو سات سو گنا اجر ملے گا اور جس نے اپنی ذات پر اور اپنے اہل پر خرچ کیا یا کسی مریض کی عیادت کی یا راستہ سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹا دی تو اس کو دس گنا اجر ملے گا اور جب تک روزہ کو فاسد نہ کرے وہ اس کے لئے ڈھال ہے اور جس شخص کو اللہ کسی جسمانی بیماری میں مبتلا کر دے تو اس کو بھی اجر ملے گا۔
> (بیہقی' احمد)

نبی اکرم (ﷺ) سخاوت اور عنایت میں پوری کائنات میں سب سے زیادہ سخی ہیں لیکن جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا ہے اور حضور (ﷺ) کی ملاقات جبرئیل علیہ السلام سے ہوتی تو آپ کی بخشش وسخاوت اور فیاضی کی کوئی انتہا نہ رہتی آپ اپنی فیاضی میں بارش لانے والی ہوا کی مانند ہو جایا کرتے تھے۔ (بخاری' مسلم) لہذا اس ماہ مقدس میں خوب دل کھول کر صدقہ اور خیرات کریں اپنی زکوۃ کا حساب بھی کریں اور زیادہ سے زیادہ مال دکھی

انسانیت کی خدمت اور بھلائی کے لئے خرچ کریں اس سے بہتر سرمایہ کاری ممکن نہیں کہ ستر گنا زیادہ نفع کمایا جائے۔

5۔ شب قدر اور اعتکاف

ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر اجر وثواب کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے شب قدر رمضان کے آخری عشرے میں آتی ہے۔اس رات میں بلکہ آخری عشرے کی سبھی طاق راتوں میں خوب عبادت کیجئے۔آخری عشرہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اعتکاف کرنا بھی سنت ہے اگر ممکن ہو تو یہ سعادت بھی حاصل کریں۔

6۔ تزکیہ نفس

رمضان المبارک کو اپنے نفس کی سرکوبی اور اصلاح کے لئے ایک ریفریشر کورس کے طور پر گزاریں صبر، شکر، توکل، قناعت، بردباری، احسان مندی، خوش خلقی، ملنساری، بڑوں کا احترام، بچوں سے شفقت جیسی صفات کو اپنائیں اور حسد، بغض، غیبت، لالچ، تکبر رعانت اور کفران نعمت جیسی بری عادتوں سے ہر ممکن طریقے سے بچنے کی کوشش کریں اٹھتے بیٹھتے آتے جاتے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے استغفار طلب کریں اس کی رحمت مانگیں اور ذکر ربانی میں مشغول رہیں زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مزین کریں اور بد خلقی، گالی گلوچ، غیبت، بیہودہ پن سے اپنا دامن بچانے کی کوشش کریں۔

7۔ عشق رسول

نبی کریم سیدنا محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی ذات بابرکات کے تصدق اور وسیلے سے ہمیں ایمان کی دولت نصیب ہوئی اور رمضان کی برکات سے مستفیض ہونے کی توفیق ملی اس پر نبی رحمت آقائے دو عالم (ﷺ) کی جتنی بھی شکر گزاری کی جائے کم ہے آپ کی محبت، الفت، عقیدت اور ادب واحترام کے چراغ دل کے نہاں خانوں میں فروزاں کریں اور ہر ہر لمحہ آپ پر درود وسلام پیش کرتے رہیں۔

8۔ حب اہل بیت

رمضان المبارک کے کئی ایام مزید فضیلت کے حامل ہیں جن میں اہل بیت کی کئی مقدس ہستیاں وصال کر گئیں ان میں سیدۃ النساء سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، امیر المومنین سیدنا علی اکرم اللہ وجہہ، ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ، ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ شامل ہیں

ان کے ایام عقیدت و احترام سے منائیں اور دلوں میں ان کی عقیدت و محبت کی جوت جگائیں تاکہ اللہ تعالیٰ بھی خوش ہو اور اس کے حبیب (ﷺ) بھی ہم پر راضی ہوں۔

9 ۔ عمرہ مبارک

اگر اللہ تعالیٰ نے استطاعت دی ہے اور وسائل میسر ہیں تو بیت اللہ شریف کا عمرہ کرنے کی سعادت ضرور حاصل کریں۔ نبی رحمت علیہ التحیہ والکسینت کا ارشاد گرامی ہے:

> ''جب رمضان آئے تو اس میں عمرہ کرنا اس لئے کہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کرنے یا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے''

عمرہ کے بعد نبی محتشم (ﷺ) کے روضہ اقدس کی باادب حاضری بے حد وحساب اجر وثواب کی حامل ہے۔

10 ۔ افطاری کا اهتمام

رمضان المبارک میں روزہ داروں کیلئے افطاری کا اہتمام کرنا چاہیے خواہ صرف کھجور یا پانی سے ہی روزہ کھلوایا جائے اس میں دکھاوے یا نمود و نمائش سے بچنا ضروری ہے حدیث مبارکہ ہے''جس نے کسی روزے دار کا روزہ کھلوایا یا کسی مجاہد کو تیار کیا تو اس کے لئے بھی اس کی مثل اجر ہے'' اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان المبارک کی سعادتوں سے مستفیض فرمائے (آمین)

....☆☆..

اسلام کا اہم رُکن.......حج

حج دینِ اسلام کے اُن بنیادی ستونوں میں سے ایک اہم ستون ہے جن پر اسلام کی پرشکوہ بنیاد قائم دائم ہے۔ یہ ایک ایسی جامع واکمل عبادت ہے۔ جو باقی ارکان یعنی کلمہ' نماز' زکوٰۃ اور روزہ کے اسلوبِ بندگی اور مقصدیت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ کلمہ پڑھنے سے جس طرح بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اظہار دل اور زبان سے کرتا ہے اسی طرح دورانِ حج احرام باندھ کر حج کی نیت کا عنصر جتنا زیادہ ہوگا' اس کا صلہ بھی اسی قدر بڑھ جاتا ہے۔

فریضۂ حج اتنا بڑا محرک ہے کہ زندگی کے بحر بیکراں میں یکدم ہلچل مچا دیتا ہے۔ جمود اور سکوت کو ترک کر کے متحرک اور رواں دواں زندگی کی جانب حرکت دیتا ہے۔ بے مقصدیت اور تساہل پسندی کو خالق و مالک کی رضا و خوشنودی کے حصول میں بدل دیتا ہے۔ اب بندے کی ایک منزل ہے، ایک ٹارگٹ ہے اور گردش لیل ونہار کا ایک مرکز ومحور ہے۔ حج کا سفر بندے کا اللہ کی جانب سفر ہے یہ سفر تکمیل ذات کا سفر ہے یہ سفر حسنِ نیت، اچھائی، نیکی، علم وآگہی عرفان وشعور کا سفر ہے۔ حقائق کو پالنے اور لطائف کو جان لینے کا سفر ہے۔ مجاز سے حقیقت کا سفر ہے۔ طاقت وقوت کے محلات' دولت کے خزانوں اور گمراہی ولادینیت کے مراکز سے اپنے خالق و مالک کے گھر اور اس کے انوار وتجلیات کے مرکز کی جانب سفر ہے۔ حج کا سفر اپنے گھر سے اللہ کے گھر کی طرف، اپنی ذات سے اپنے مالک کی طرف' زندگی سے محبت کی طرف' غلامی سے آزادی کی طرف' نسلی تفاخر وامتیازات سے مساوات کی طرف، زرق برق لباس سے جسم کی بے پردگی کو ڈھانپ لینے کی طرف' جمود سے

مقصدیت سے بھرپور زندگی کی طرف' خودغرضی اور بے پرواہی سے ذمہ داری اور اخلاص کی طرف کا سفر ہے۔

حج کیلئے بندۂ مومن جب احرام باندھ لیتا ہے۔تو اب یہ دو چادروں پر مشتمل سفید لباس جو کفن سے مشابہ ہے' اس کا اوڑھنا بچھونا ہے' احرام باندھ کر بندہ ومولا' حاکم ومحکوم' قابض ومقبوض' طاقتور اور کمزور' امیر وغریب' تونگر وفقیر' مقتدر وعوام' شرقی وغربی' عربی وعجمی' گورے اور کالے' ترقی یافتہ اور گنوار' شہری اور دیہاتی سب کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔اب سب بندے صرف اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔سب اسی کی طرف راجع ہیں۔سب ایک جیسے اور ایک ہی لباس میں ملبوس ہیں۔سب کی اَنا اور خودی اب ختم ہو چکی ہے۔اب بندہ صرف بندۂ خدا ہے اس کی برتر نسل' نسب' طبقہ' جماعت' گروہ' خاندان اور دنیاوی اعزازات ختم ہو چکے ہیں۔اس کی پہچان ایک انسان کی پہچان ہے۔جوان سب لاحقوں سابقوں سے بے نیاز ہو کر روحانی مسرتوں اور قلبی راحتوں کی راہوں کا مسافر ہے۔

حج کی مقدس عبادت زندگی کا سلیقہ سکھاتی ہے،ایک نیا قرینہ بتاتی ہے ایک نئی ڈگر پہ چلاتی ہے۔اب بندے کے لئے ایک نیا سبق ہے کہ وہ اپنی ذات کو بھلا دے اور اللہ کے احکامات کو مانے۔اپنی راحت،اپنے سکون،اپنی پسند اور اپنی چاہت کو اپنے خالق و مالک کی رضا کے تابع کر دے۔اب جو حدود اس ذات نے متعین کی ہیں ان کے اندر مقید رہے۔ ان مکروہات اور ممنوعات سے بچے جن کی تعلیم ذاتِ باری تعالیٰ نے دی ہے۔اب عنبر و عطر کی خوشبو سے اپنی سانسوں کو مہکانے کی بجائے اپنے قلب وجگر اور سانسوں کو یادِ الٰہی سے معطر کرے۔اب آپ کسی پہ حکم نہ چلائیں بلکہ سب سے برادرانہ اور مساویانہ سلوک کریں۔جانوروں' کیڑوں مکوڑوں اور پرندوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔بلکہ ان کیلئے سراپا رحمت بن جائیں۔درختوں' پودوں اور ہریالی کو نہ توڑیں' نہ کاٹیں اور نہ مسلیں۔بلکہ فطرت کے سرسبز وشاداب حسن کے محافظ بن جائیں۔حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت ہے۔لہذا اب سب چرند و پرند کیلئے دوستی اور آزادی کا پیغام بن جائیں۔اب جنسی لذت کو چھوڑ کر محبت حقیقی کی راحت سے استفادہ کریں۔اب نہ شادی بیاہ رچائیں اور نہ ایسی تقریبات میں زینتِ محفل بنیں بلکہ اب اخروی راحت اور روحانی تسکین کی شادمانی سے لطف اندوز ہوں۔آپ مرد ہیں یا خاتون،میک اَپ اور دنیاوی بناؤ سنگھار کو بھول کر اپنے حقیقی رنگ و

رُوپ اور باطنی حسن و زیبائش کو نکھار بخشیں۔ اَن سِلا احرام پہنیں تاکہ Stitching سے علاقہ، گروہ، قوم یا دولت و ثروت کے امتیاز کا جو تاثر ملتا ہے وہ بھی مفقود ہو جائے۔ اب سائبان اور سائے سے نکل کر سورج کے نیچے کھلے آسمان تلے شب و روز گزاریں۔ الغرض اب رضا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی اور پابندیاں ہیں تو شریعت کی۔

حج مسلمانانِ عالم کی اجتماعیت اور وحدت کا ایک بے مثال اور لازوال نمونہ ہے، عالمگیر اخوت اور مساوات کا ایسا مظاہرہ کسی اور مذہب میں موجود نہیں۔ شرق و غرب، عرب و عجم اور دور و نزدیک کے مسلمان ایک مرکز ایک مقام پر جمع ہوتے ہیں۔ ان کیلئے بہترین موقعہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے راہ و رسم بڑھائیں۔ آپس میں تعارف و چاہت پیدا کریں۔ ایک دوسرے کی زبان، تہذیب اور علمی، ادبی، سائنسی اور تکنیکی پیشرفت سے آگہی حاصل کریں۔ علمی، فقہی، دینی اور دنیاوی علوم و فنون میں اشتراک اور تبادلہٗ باہم کا طریق اپنائیں۔ اپنی تکالیف، اپنے مسائل، اپنے مصائب اور مشکلات کا اظہار کریں اور ان کے تدارک کی تدابیر سوچیں۔ سفرِ حج کے دوران تجارت اور معاشی سرگرمیوں کی ممانعت ہرگز نہیں بلکہ اسے انفرادی سے ملکی اور بین الاقوامی تجارت کا ایک پلیٹ فارم بنایا جاسکتا ہے۔

حج کے دوران مسلمانوں کیلئے باہمی رنجشوں، ناراضگیوں اور جھگڑوں کو حسن تدبر سے سلجھانے کا ایک اہم موقع ہے۔ تمام مسلم راہنما اور قائدین اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کریں تو اسے اقوام متحدہ کی طرح ایک ادارہ بنایا جاسکتا ہے۔ اور ایک ایسا پلیٹ فارم بنایا جاسکتا ہے۔ جہاں مسلم اُمہ کے مسائل کو حل کر کے اس کی ترقی و عروج کیلئے کوئی چارٹر، کوئی روڈ میپ اور کوئی لائحہ عمل مرتب کیا جاسکتا ہے۔ حج کو کسی مشن، کسی موٹو کیلئے ایک بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔ یاد رہے حقوقِ انسانی کا پہلا چارٹر حجتہ الوداع کے موقعہ پر ہی جاری کیا گیا تھا۔ دورِ حاضر میں تو مسلم اُمّہ کے قائدین اور مسلمان ریاستوں کے حکمرانوں کو حج کے موقعہ پر ہر سال جمع ہو کر امریکہ اور یورپ کی صلیبی طاقتوں کی جانب سے مسلط کردہ مصائب اور مشکلات سے نجات پانے کیلئے کسی لائحہ عمل کو ترتیب دینا چاہیئے۔ یہی وقت کا تقاضا اور یہی مسلم اُمّہ کے مفاد اور نجات کا حل ہے۔ اے راہِ حجاز کے مسافر! جسے حج کی سعادت نصیب ہو رہی ہے، تو اپنی خوش بختی پر نازاں ہو، اپنے مقدر کی معراج پہ رشک کر۔ تیرے لئے کتنا بڑا اعزاز ہے، اکرام ہے، اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتنی مہربانیاں کی ہیں!۔

تجھے ایک نطفے سے پیدا کیا‘ جواں اور توانا بنایا‘ طرح طرح کی نعمتیں بخشیں‘ علم و شعور دیا‘ نام اور پہچان دی‘ اپنی خلافت و نیابت کے تاج سے سرفراز کیا‘ فرشتوں سے سجدہ کرایا اور اب اپنی فیاضی اور فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تجھے اپنے گھر بلا رہا ہے۔ اپنے حبیب سیّدنا محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی چوکھٹ پہ حاضری کا شرف عطا کر رہا ہے۔

کعبۃ اللہ ایک پیالے کی مانند ہے، جس میں چاروں جانب سے راہروانِ عشق کے قافلے دو سفید چادروں میں ملبوس قطروں کی مانند گرتے ہیں۔ اوپر سے نیچے کو، بلندی سے پستی کی طرف‘ اور آسمان سے دھرتی کی آغوش میں چلے آ رہے ہیں۔ کیونکہ یہاں اللہ کا گھر ہے‘ یہاں اللہ کے انوار و تجلیات کا خزینہ ہے۔ یہاں ہدایت اور عرفان کا چشمہ ہے۔ بندہ جتنا جھکتا ہے اتنا ہی اپنے رَبّ کے قریب ہوتا ہے۔ یہ درس ہے کہ بارگاہِ ربانی میں سر کو جتنا خاک آلودہ کرو گے‘ اتنا ہی اعزاز و اکرام پاؤ گے۔

حج محسوسات اور جذبات کا مجموعہ ہے۔ زبان سے تلبیہ اور حمد و ثنائے ربّ جلیل جاری تو ہے ہی لیکن دل کی آنکھیں بھی وا ہیں۔ خاص طور پر جب بندۂ مومن مکہ مکرمہ کی وادی سے ہوتا ہوا اس کے مرکز میں بیت اللہ شریف کی زیارت کا شرف پہلی بار پاتا ہے تو یہ کیفیات بیان کی جا سکتی ہیں نہ قلمبند ہو سکتی ہیں کیونکہ یہاں لب خاموش ہیں۔ سانسیں رُکی ہیں۔ آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا رہی ہیں‘ جسم ساکت و منجمد ہے‘ قدم ڈگمگا رہے ہیں‘ اب کعبہ سے اور قریب ہو رہے ہیں‘ دل کی دھڑکنیں تیز اور تیز ہو رہی ہیں‘ سانسوں کی گرمی میں اضافہ ہو رہا ہے‘ دل میں ہزاروں آرزوئیں‘ خواہشیں اور دعائیں ہیں لیکن لب ساتھ نہیں دے رہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اب یہ ساکت و بے جان سا جسم دھڑام سے نیچے آ رہے گا اور زندگی کا چراغ گل ہو جائے گا۔ کہ یکا یک سیاہ غلاف میں چھپا اور انوار و تجلیات سے سجا قبلہ نگاہوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ آنکھیں اظہار تشکر سے رونے لگتی ہیں اور جسم کا رواں رواں ربّ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ یہ کعبہ جو مٹی‘ گارے اور پتھر کے ٹکڑوں سے بنا ایک مکعب نما گھر‘ جو نہ تعمیراتی مہارت یا حسن تعمیر کا کوئی نمونہ ہے اور نہ فن تعمیر کا کوئی اعلیٰ مظہر‘ یہی تو ہے جو نور کا مرکز ہے۔ ایمان‘ محبت اور حیات کا سرچشمہ ہے۔ حرم کعبہ میں پہنچ کر ہر سو اللہ تعالیٰ کی ذات کے جلوے نظر آ رہے ہیں۔ چہار جانب صرف اللہ ہی اللہ ہے‘ دل میں اللہ‘ روح میں اللہ‘ جان میں اللہ‘ ذہن میں اللہ‘ حواس میں اللہ‘ ہر چٹان‘ ہر

صحرا، ہر وادی، ہر آبادی اور ہر اُفق میں اللہ ہی اللہ نظر آتا ہے۔ بلکہ اُفق تا اُفق اللہ کا نور ہے، اسی کا ظہور ہے، اسی کا وجود ہے، اس کے انوار کی لہریں رواں دواں ہیں۔ وہی حق ہے، وہی سچ ہے، وہی اوّل ہے، وہی آخر ہے۔

حج کا سب سے بڑا انعام مدینہ منورہ کی پُرنور فضاؤں میں سرورِ کون و مکاں فخر موجودات سید الانبیاء، شفیع الامم، سیّدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درِ اقدس کی حاضری کی سعادت ہے۔ عاشقوں کے نزدیک تو یہی اصل مراد ہے، حج تو اس کے وسیلے اور صدقے میں ایک تحفہ ہے۔ روضۂ خیر الوریٰ (ﷺ) کی زیارت درحقیقت آپ کے احسانات کے تشکر کا ایک ذریعہ ہے۔ شفاعت کے حصول کا باعث ہے۔ قدمین شریفین میں سلام پیش کرنے کی سعادت دراصل بندۂ مومن کی معراج ہے۔ اور اس کے مقدر کے اوجِ ثریّا پر پہنچ جانے کا اظہار ہے۔ اب ہم یہاں حج کے روحانی فیوض و برکات، معاشرتی ثمرات اور طبی فوائد کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں:-

حج کے روحانی فیوض و برکات

1) اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کے وقتِ یوم الست کو جو اپنی ربوبیت کے حوالے سے روح انسانی سے سوال کیا تھا، بندہ اس کے جواب میں لبیک کی صدا بلند کرتا ہوا، خود ذاتی طور پر اپنے رَبّ کے حضور حاضر ہو جاتا ہے۔
2) **حج** اللہ کی حمد، کبریائی، بزرگی اور سطوت کا اقرار ہے۔
3) اللہ کے سوا ہر ایک کی قوت و طاقت کا انکار اور توحید میں ہر قسم کے شرک کا ردّ ہے۔
4) بندہ میقات پر احرام کی نیت کر کے ماسوا اللہ سے کنارہ کش ہو کر صرف اللہ سے لو لگا لیتا ہے۔
5) اس کے دل کی دنیا انوارِ ربّانی سے منوّر و روشن ہونے لگتی ہے۔
6) بندہ اپنی خود پسندی اور اَنا کا انکار کرتا ہے۔
7) دنیاوی سیر و تفریح، تجارت اور مالی منفعت کے برخلاف یہ سفر صرف اللہ کی رضا کیلئے اس کی طرف مراجعت کا سفر ہے۔

8) بندے کی للّٰہیت اور اخلاص کا اظہار ہے۔

9) اس مبارک سفر میں بندۂ مومن قدم قدم پر تاریخ کے لمحات کو رواں دواں دیکھتا ہے۔ دعوتِ اسلامی اور تبلیغ دین کے ابتدا کی لمحہ بہ لمحہ داستاں ہے۔ مولد النبی (ﷺ) سے لے کر غارِ ثور تک اور غارِ حرا سے لے کر حرم کعبہ تک تاریخ کے اوراق ہیں کہ کیسے نبیِٔ رحمت انے ایمان کے نور کو پھیلایا۔ کیونکہ خدا کی ذات کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے ہجرت کی اور اس مشن کی تکمیل میں کن کن مصائب کو گلے سے لگایا۔

10) حج کا سفر بندۂ مومن کو ایک نیا جوش اور ولولۂ تازہ عطا کرتا ہے ایمان کی استقامت اور اعلائے کلمۂ حق کیلئے جہد مسلسل کا سبق حاصل کرتا ہے۔ اور وہ وقت کے ابولہب یا ابوجہل کو للکارنے کا حوصلہ پاتا ہے۔

11) کعبۃ اللہ بت پرستی کے خاتمے کا مظہر ہے اور وہ ہر قسم کے اصنام کو پاش پاش کر دینے کا درس دیتا ہے۔

12) کعبۃ اللہ سب مسلمانوں کا سانجھا اور مشترکہ گھر ہے۔ یہاں کسی شخص، گروہ، قبیلہ یا قوم کو کوئی سبقت یا برتری حاصل نہیں بلکہ یہ انسانی مساوات اور عالمگیر اخوت کا درس دیتا ہے۔

13) طواف کا نورانی منظر، انسان کیلئے ایک حیران کن کشش رکھتا ہے۔ یہاں آ کر بندۂ مومن کعبۃ اللہ کے گرد دائرے کا نکتہ بن جاتا ہے اور بحرِ انوار کا قطرہ بن جاتا ہے۔

14) شیطان کی رمی دراصل مسلمان کو شیطانی اور طاغوتی طاقتوں سے بغاوت اور ان کے خلاف مسلسل جہاد کی ترغیب ہے۔

15) منیٰ کی قربان گاہ پر جانوروں کی قربانی دراصل ذبیح اللہ سیّدنا اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی یادگار ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ بندۂ مومن اب اپنے مالک و خالق کی رضا کیلئے اپنی سب سے پیاری چیز کو بھی قربان کرنے کیلئے تیار ہے۔

16) کعبۃ اللہ امن و امان کی دولت سے مالا مال شہر ہے۔ یہ معاشرے کو امن

فراہم کرتا ہے تو قلب و رُوح کو بھی امان کے نور سے فیضیاب کرتا ہے۔

17) کعبہ شریف اللہ تعالی کی نعمتوں کا مرکز ہے اور اس کی زیارت دراصل اظہار تشکر کا ذریعہ ہے۔

18) حج کا سفر اللہ کی جانب سے بندوں کی معمولی اور چھوٹی چھوٹی نیکیوں کا فیاضانہ صلہ ہے۔ وہی نماز جو باہر ایک نماز ہے' حرم مکہ میں ایک لاکھ گنا اجر و ثواب کا موجب بن جاتی ہے اور مزدلفہ کے کھلے میدان میں راحت وسکون سے بے نیاز پتھریلی زمین پر لیٹا ہوا حاجی یوں بن جاتا ہے گویا گناہوں سے پاک اور مبرا آج ہی پیدا ہوا ہے۔

19) حاجی اللہ کا مہمان ہوتا ہے اور اللہ کی مہمان نوازی کا تصور وہی کر سکتا ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی پاک دھرتی سے ہوآ تا ہے۔

20) حج کے دوران بے شک قیام و سجود' تسبیح و تہلیل اور نوافل' رمی اور حلق (سر منڈانے) جیسی عبادات کا موقعہ ملتا ہے لیکن ایک بہت خوبصورت عبادت بیت اللہ کا دیدار اور زیارت ہے جو آنکھوں کی ٹھنڈک' دل کی راحت اور ایمان کی حلاوت کا سبب ہے۔

21) حج کی فضیلت اور اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اگر استطاعت ہے تو پھر کوئی صدقہ یا خیرات حج کی ادائیگی کا نعم البدل نہیں ہوسکتا۔

22) حج بندے کو قدم قدم پر صبر' برداشت' تحمل اور بردباری کا درس دیتا ہے اور غصے اور جھنجھلاہٹ کو ضبط کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ کیونکہ گھر سے نکلنے سے لے کے جدّہ ایئر پورٹ سے باہر آنے تک اور وہاں عمرہ' حج اور زیارتِ مدینہ منوّرہ کی ہر ہر منزل پر مشکلات و مسائل اور تکالیف کا ایک حل نہ ہونے والا سلسلہ ہے۔ جن کو صرف تحمل اور خوش دِلی سے ہی برداشت کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ لطف تو اس بات میں ہے کہ رضائے محبوب کے لیے ان تکالیف کو برداشت کرنے میں ایک خاص لذت محسوس ہو۔

23) حج کے تمام مراحل میں اور خاص طور پر عرفات کے میدان میں یوم عرفہ کے روز' اللہ تعالی اور بندہ نہایت قریب ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ دن

دعاؤں اور التجاؤں کا دن ہے۔ یہ گھڑیاں مناجات کی گھڑیاں ہیں اس لئے بندے کو جی بھر کے اپنے لئے اپنے اعزاء واقارب کیلئے' دوست احباب کیلئے اور مسلم اُمہ کیلئے خوب خوب دعائیں مانگنی چاہئیں۔

24) حج دراصل ذبیح اللہ سیّدنا اسماعیل علیہ السلام اور ان کے والدین یعنی سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور بی بی حاجرہ علیہا السلام کو خراج عقیدت ہے۔ اور ان کی یادگار کو ہمیشہ قائم ودائم رکھنے کا مقام ہے۔ چاہئے کہ ان کی سی استقامت' اخلاص اور جہد مسلسل کو اپنایا جائے اور اپنی سیرت کا لازمہ بنایا جائے۔

25) حج میں بدنی اور لسانی عبادت کے ساتھ ساتھ قربانی بھی اہم جزو ہے۔ یہ درس ہے اس بات کا کہ اسلام میں عبادت اور جہاد لازم وملزوم ہیں۔ خانقاہوں سے نکل کر رسم شبیری ادا کرنا مسلمانوں کا شیوہ ہے۔

حج کے معاشرتی ثمرات

1) حج مختلف ممالک' مختلف خطوں اور مختلف تہذیب وتمدن کے باسیوں کی باہمی یگانگت اور ا یکتا کا بے مثال اظہار ہے۔ حرمین شریفین میں تمام مسلمان پھولوں کے ایک گلدستے کی مانند ہوتے ہیں جس میں ہر رنگ و نسل کے مسلمان پھولوں کی طرح سجے ہوتے ہیں۔

2) مساوات انسانی کا بے مثال اور قابل رشک نمونہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ گورے کالے' سرخ وسپید' آقا ومولا' شاہ وگدا' امیر وغریب' شرقی وغربی سب مسلمان سفید احرام پہنے اللہ بزرگ و برتر کی عظمت وکبریائی کا ااظہار بآوازِ بلند کرتے ہوئے اللہ سے لُو لگائے ہوئے ہوتے ہیں۔

3) مسلمانانِ عالم کو حج کے موقعہ پر اپنے مختلف سیاسی' سماجی' مذہبی اور علمی معاملات ومسائل پر تبادلہ ٔخیالات کا موقعہ ملتا ہے اور ان کے حل کی تدابیر کے بارے میں سوچ بچار کی جاتی ہے۔

4) حج وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ کی بہترین تفسیر ہے۔ فرقہ بندی اور مسلکی اختلافات کو پس پشت ڈال کر سبھی مسلمان ایک امام اور ایک قبلہ کی جانب

عبادت گزار ہوکر فقید المثال اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

5) میقات پر مسلمان شرق و غرب کی طاغوتی طاقتوں اور استعماری قوتوں کے طوقِ غلامی کو اتار پھینکنے کی تربیت حاصل کرتا ہے کہ اب حکم صرف اللہ کا نافذ العمل ہے اور ہونا چاہئے۔

6) حج ابلاغ عامہ اور تبلیغ و تربیت کا بہترین نظام ہے۔ ہمارے ایرانی اور ترک برادران جس انداز میں مجتمع ہو کر اتحاد اور محبت کے ساتھ عمرہ و حج اور زیارتِ گنبدِ خضرا کا حق ادا کرتے ہیں وہ قابل تقلید ہے۔ باجماعت ادائیگی سے آپس کی محبت اور الفت میں اضافہ ہوتا ہے۔

7) ہر سال تیس لاکھ کے قریب مسلمان حج کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ یہ سب لوگ گھروں سے نکلتے ہیں۔ ہوائی جہازوں، بحری جہازوں، بسوں اور کاروں کے ذریعے سعودی عرب پہنچتے ہیں۔ یوں ذرائع آمدورفت کا بزنس چلتا ہے۔ پھر اندرونِ سعودی عرب ہزاروں ہوٹلوں عمارتوں اور کیمپوں میں حاجی قیام پذیر ہوتے ہیں۔ یوں ہوٹلنگ کا بزنس بڑھتا ہے۔ پھر کھانے پینے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ریستوران، خوانچے والے، بقالے والے، سب کا کاروبار چلتا ہے۔ کپڑے، کمبل، کھلونے، تسبیح، جائے نماز، کھجوریں وغیرہ یہ سب وہ ضروری اشیاء ہیں جن کی شاپنگ ہر حاجی اپنی جیب کے مطابق کرتا ہے یوں عمومی کاروبار کا سلسلہ چلتا ہے۔ الغرض حج کی بدولت سرمایہ کی سرکولیشن اور کاروباری سرگرمیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

8) حج کے دوران اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ نیز سیر وسیاحت ایک مفید اضافہ ہے۔ وہ لوگ جو کبھی ایک شہر سے دوسرے شہر تک نہ گئے ہوں، ایک دن حج کی بدولت فضاؤں میں اُڑتے ہیں اور دوسرے ملک کے شہروں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ وسیع وعریض پہاڑی سلسلے، چوڑی شاہراہیں، بلند وبالا عمارات اور لوگوں کا جم غفیر دیکھتے ہیں۔ مکہ مکرمہ، منیٰ، عرفات، مزدلفہ اور مدینہ منورہ میں ان مقامات کی زیارت کرتے ہیں،

جہاں ہم سب کے آقاومولیٰ محمد مصطفیٰ (ﷺ) کے مبارک قدم پہنچے اور فضائیں ان قدموں کی بدولت آج بھی خوشبو سے معنبر ومعطر ہیں۔

حج کے طبی فوائد

حج اگرچہ ایک دینی فریضہ ہے اور اس کی ادائیگی دینی شعار سمجھ کر ہی ہونی چاہئے لیکن ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے حج کے طبی فوائد کا بہت مشاہدہ اور تجربہ بھی مجھے حاصل ہے۔جس کا مختصر تذکرہ پیش خدمت ہے۔:-

1) ذیابیطس یعنی شوگر کے مریض حج میں اپنا گلوکوز لیول بہت حد تک کم کر لیتے ہیں اور ان کی یہ بیماری بہت اچھی طرح کنٹرول رہتی ہے۔ کیونکہ یہ مرض تساہل پسندی اور آرام کی زندگی کا تحفہ ہے۔ حج اور عمرہ کے دوران زائرین وعازمین جس والہانہ پن سے مصروف طواف رہتے ہیں اس سے ان کی گلوکوز استعمال ہوتی، چربی پگھلتی ہے اور شوگر نارمل حد تک پہنچ جاتی ہے۔

2) دل کے مریضوں کیلئے بھی ایک مناسب حد تک چلنا پھرنا ضروری ہے۔تاکہ ان کے اعضاء میں خون کی ترسیل بڑھے اور یوں دل پہ خون کا بوجھ کم ہو۔ نیز اس طرح سے دل کی اپنی شریانیں بھی کھلتی ہیں اور یوں خون کی سپلائی بڑھ جانے سے اس مرض پہ کنٹرول ہوتا ہے۔طواف اگر مناسب اور درمیانی رفتار سے کیا جائے تو بمشکل نصف گھنٹہ لگتا ہے۔اتنا وقت دِل کے مریضوں کی بہترین ایکسرسائز ہے۔اسی طرح سعی کے دوران اگر ٹھہر ٹھہر کر مراحل طے کر لئے جائیں تو پون گھنٹہ صرف ہوتا ہے اتنا وقت بھی کافی ہے۔

3) گردوں کے مریض حرمین شریفین پہنچ کر خود بخود ٹھیک ہو جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں آبِ زم زم نہایت کثرت سے پیا جاتا ہے۔عام پانی بھی امراض گردہ کیلئے اکسیر ہوتا ہے جبکہ آبِ زم زم تو ہے ہی سراسر شفا۔اس لئے گردے کے مریض جلد صحت یاب ہو جاتے ہیں۔زیادہ پانی کے استعمال سے گردوں کی سوزش اور ورم دُور ہو جاتے ہیں پتھریاں

خارج ہونے کا امکان بھی ہوتا ہے۔

4) جوڑوں کے مریض مسلسل حرکت اور بھاگ دوڑ کی وجہ سے متحرک ہو جاتے ہیں۔ان کے جوڑ اور پٹھے نارمل ہو جاتے ہیں اور درد یا کھچاؤ کی کیفیات نسبتاً کم ہو جاتی ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ ہیں جو گھر میں بہت مشکل سے چلتے ہیں لیکن جب اس دھرتی پر پہنچتے ہیں تو جوانوں کی طرح دوڑتے پھرتے ہیں۔

5) جگر کے مریضوں کیلئے گوشت انڈے یعنی پروٹین کی نسبت میٹھی اشیاء صحت بخش ہوتی ہیں۔ اس سے ایک تو جگر کو آرام رہتا ہے کہ یہ اشیاء وہاں نہیں جاتیں دوسری میٹھی چیزیں بھی جگر کو تکلیف دیئے بغیر خون میں شامل ہو جاتی ہیں۔ یوں جگر بڑے مزے میں رہتا ہے۔اب سفرِ حج میں دیکھنے میں آتا ہے کہ وہاں مشروبات اور تازہ فروٹ وافر استعمال ہوتا ہے جس سے جگر کے مریض بہتری محسوس کرتے ہیں۔مزید یہ کہ مدینہ منورہ پہنچ کر زائرین کھجوروں کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں۔ یہ کھجوریں اپنی مٹھاس اور شیرینی کی وجہ سے لذتِ کام ودہن کا ذریعہ بنتی ہیں جبکہ کھجور کے روحانی فیوض الگ ملتے ہیں۔ یاد رہے کہ عجوہ کھجور احادیث کے مطابق دل کے امراض کا علاج ہے۔ اوراس میں ذرّہ برابر شبہ نہیں ہونا چاہئے۔راقم الحروف خود اس مرض میں مبتلا ہوا لیکن اللہ تعالی کے فضل اور اس کے حبیب (ﷺ) کی رحمت کے تصدق سے عجوہ کھجوروں کے استعمال سے مکمل صحت یاب ہو گیا۔

6) حرمین شریفین کی زیارت آنکھوں کیلئے راحت کا سامان ہے۔ بیت اللہ شریف کی زیارت اور سبز گنبد کا نظارہ روحانی کیف وسرور تو فراہم کرتا ہی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ سبز رنگ نظر کی بہتری اور نگاہ کی بلندی کیلئے بہت ضروری ہے۔جبکہ غلافِ کعبہ کا سیاہ رنگ نظر میں اضافے کا باعث ہے۔اگر آنکھیں دکھنی آجائیں تو آبِ زم زم سے دھوئیں، آنکھوں کی انفیکشن دور ہو جائے گی۔

7) بعض عازمین حج کو صحت سے متعلق چند شکایات ہوتی ہیں، جن کا بروقت تدارک اور حفاظتی تدابیر ضروری ہیں۔ پہلی شکایت اکثر حجاج کو یہ ہوتی ہے کہ آب و ہوا کی تبدیلی اور لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے گلے اور سانس کی نالی کی انفیکشن اور فلو کا حملہ ہوتا ہے جس سے نزلہ زکام بخار اور کھانسی کی علامات پیدا ہوتی ہیں۔ ان سے بچاؤ کیلئے مناسب پروٹین سے بھرپور خوراک کا استعمال ضروری ہے۔ دوسرا مرض جو لاحق ہوتا ہے وہ قبض ہے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ سبزیوں اور پھلوں کا استعمال زیادہ کیا جائے۔ سلاد بھی خوب کھانا چاہئے۔ ایک اور مرض جو بہت عام ہے وہ جلدی مرض ہے۔ خشک اور گرم ہوا کی وجہ سے پاؤں کی ایڑیاں پھٹ جاتی ہیں۔ ان میں تکلیف ہوتی ہے۔ اس سے بچنے کے لیے ان پر چکنائی اور ویسلین کا استعمال ضروری ہے۔ ایک اور شکایت جو تقریباً سبھی کو ہوتی ہے وہ ابتدائی ایام میں ٹانگوں اور کمر کے پٹھوں کا کھچاؤ ہے۔ اس سے بہت تھکاوٹ ہوتی ہے اور چلنے پھرنے میں بہت تکلیف اٹھانا پڑتی ہے۔ گھبرائیں نہیں، زیتون کے تیل کا مساج اس تھکاوٹ کو دُور کر دے گا۔ نیز آبِ زم زم بھی نسخۂ کیمیا ہے۔

الغرض حج بے شمار عبادتوں کا مجموعہ، بے حد و حساب رحمتوں کے نزول کا سبب اور لاتعداد دنیاوی واخروی فائدوں کا ذریعہ ہے۔ یہ روحانی چارجنگ (Charging) اور باطنی اور ہالنگ کا ذریعہ ہے۔ اور مسلمانان عالم کی نشاۃ ثانیہ کیلئے خدائی پلیٹ فارم ہے۔ جسے ابھی استعمال کرنا باقی ہے۔



توبہ' استغفار اور دعاء

اللہ تعالیٰ کی ذات والاصفات کائنات میں بسنے والی ہر مخلوق کے لئے بے انتہا مہربان' رحم وکرم فرمانے والی اور شفیق وکریم ہے وہ پتھر کے اندر پرورش پانے والے کیڑے کو رزق دیتا ہے تو بے آب وگیاہ لق ودق صحرا میں چوپایوں اور جانوروں کی ضروریات زندگی فراہم کرتا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات اور اپنی ذات کا مظہر بنایا ہے تو اس کی تربیت' پرورش اور آرام وآسائش کیلئے بدرجہ اولیٰ اہتمام بھی کیا ہے۔ کرہ ارض پر موجود ہر نعمت انسان کی پہنچ میں دے دی اور پھر اس کی روحانی تربیت کیلئے انبیاء کرام کے ذریعے سلسلہ ہدایت بھی جاری کیا تاکہ بنی نوع انسان میں سلیم الفطرت اور بدکردار لوگوں کے درمیان امتیاز ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بے حد پیار کرتا ہے۔ اس کا فرمان ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر حاوی ہے۔ تاہم وہ بے نیاز ہے اور بے پرواہ ہے اسے نہ تو ہماری نیکیوں اور بھلائیوں کی حاجت ہے اور نہ وہ ہماری بداعمالیوں سے خائف ہے۔

اس مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے:

﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْماً﴾ (النساء:147)

اور اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم حق مانو اور ایمان لاؤ اور اللہ ہے صلہ دینے والا جاننے والا۔

تاہم اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مختلف انداز میں آزماتا ہے اور ان کا امتحان لیتا ہے تاکہ وہ دنیا کی نظروں میں کھوٹے کھرے' نیک اور بد' خیر اور شر اور حق وباطل کو الگ الگ کر

کے دکھا دے اور صبر کا دامن تھامنے والوں کو سرخرو کر دے - ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے' اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور خوشخبری سنادو' ان صبر والوں کو' کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو کہیں ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے۔ یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت اور یہی لوگ راہ نجات پر ہیں۔(البقرہ:155 تا157)

پاکستان اور آزاد کشمیر کے لوگوں پر زلزلہ کی صورت میں جو آسمانی آفت نازل ہوئی ہے اور لوگ لاکھوں کی تعداد میں اس سے متاثر ہوئے ہیں یہ دراصل مسلم امہ کی آزمائش اور امتحان ہے۔ بچوں' عورتوں' بوڑھوں اور جوانوں کا جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھنا' بچ جانے والوں کا جسمانی اور مالی نقصان میں مبتلا ہو جانا' خاص طور پر مال' پھلوں' سبزیوں اور سامان تجارت کا ضائع ہو جانا' پھر اس کے بعد مزید زلزلہ سے خوف کی کیفیت کا مسلسل حاوی رہنا' نیز مستقبل کے تفکرات اور اندیشوں کا ایک طوفان چھائے رہنا' یہ سب آزمائش کی مختلف کڑیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور نصرت سے ہماری ملت کو اس آزمائش میں سرخرو کرے۔(آمین)

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ آزمائش کی یہ گھڑی عذاب الٰہی ہرگز نہیں' کیونکہ نبی کریم رؤف و رحیم سید العالمین سیدنا محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی ذات پاک کے ہوتے ہوئے کرۂ ارض پر کسی قسم کے عذاب کا نزول نہیں ہو گا۔ رب العزت فرماتے ہیں:

> اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب! تم ان میں تشریف فرما ہو۔(انفال:33)

پھر یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ عذاب کافر قوموں پر ہی آیا ہے اور اس صورت میں آیا کہ ان میں سے نیک' صالح اور مومن بندوں کو الگ کر لیا گیا جیسا کہ سیدنا نوح علیہ السلام اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ساتھ ہوا۔ دوسری بات یہ کہ عذاب کیلئے نبیوں نے اپنی قوم کی بداعمالیوں' سرکشی اور نافرمانی سے تنگ آ کر دعا کی۔ اللہ تعالیٰ سے ان پر عذاب نازل کرنے کے لیے التجا کی۔ نیز ان کفار کو پہلے انتباہ کیا گیا۔ مہلت بھی دی گئی تاہم امت مسلمہ پر یا باقی اقوام عالم پر آنے والی آفات مثلاً طوفان' زلزلہ اور سیلاب وغیرہ اللہ

تعالیٰ کی جانب سے ہمارے لئے انتباہ ہے اور اپنے اپنے اعمال کو صراط مستقیم کے مطابق ڈھالنے کی ترغیب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ ہم اپنی بدعقیدگی یا بداعمالی کی وجہ سے دوزخ کی آگ کا ایندھن بنیں۔

اس سارے تناظر میں ہم مسلمانان عالم کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ بہترین موقعہ مہیا کیا ہے کہ ہم اس کی بارگاہ اقدس میں گڑگڑا کر توبہ واستغفار کریں اور اس سے اس کی بے پایاں رحمت و بخشش کے طلبگار رہوں اور اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے دعاؤں کا دامن پھیلائے رکھیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''تو میں نے کہا کہ اپنے رب سے معافی مانگو وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔تم پر شراٹے کا (موسلا دھار) مینہ بھیجے گا اور مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہرے لئے جنتیں مہیا کرے گا اور نہریں عطا کرے گا تمہیں کیا اللہ سے عزت حاصل کرنے کی امید نہیں کرتے۔(نوح:11۔13)

مزید فرمایا:

''اور جب کوئی بے حیائی اور اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور گناہ کون بخشے اللہ کے سوا اور اپنے کئے پر جان بوجھ کر ڈٹے نہ رہیں''۔(آل عمران:135)

اللہ تعالیٰ نے ایک اور قوم کے متعلق ارشاد فرمایا:

''مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا بے شک وہ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب جہنم میں جائیں گے ذلیل ہو کر''۔(سورہ المؤمن60)

بندوں کا توبہ واستغفار کرنا' اللہ تعالیٰ کو کتنا پسند ہے اس کا اندازہ ان احادیث سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

☆ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:''اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جیسے کوئی آدمی کسی پُرخطر منزل پر ٹھہرے' اس کے پاس سواری ہو'

جس پر کھانے پینے کی چیزیں لدی ہوں، وہ اپنا سر رکھ کر سو جاتا ہے، جب بیدار ہوتا ہے تو اس کی سواری کہیں جا چکی ہوتی ہے۔ پھر گرمی اور پیاس کی شدت اسے ستاتی ہے یا جو اللہ نے چاہا اس نے کہا کہ میں اپنی جگہ کی طرف لوٹ جاتا ہوں چنانچہ وہ واپس لوٹتا اور سو جاتا ہے جب بیدار ہو کر سر اٹھاتا ہے تو اس کی سواری پاس ہوتی ہے۔ (بخاری، کتاب الدعوات)

☆ ایک اور حدیث اس طرح سے ہے: ''سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جیسے تم میں سے کسی کا اونٹ جنگل میں گم ہونے کے بعد دوبارہ اسے مل جائے''۔ (بخاری، کتاب الدعوات)

☆ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا دراصل عبادت کا مغز ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''دعا عبادت کا مغز ہے'' - (ترمذی)

☆ اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات بابرکات ہے جو ہم ناچیز عاصیوں اور بے بس مخلوق کی دعاؤں کو شرف قبولیت عطا کر کے ہمیں سرفراز کرتا ہے اور (اے رسول!) جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو آپ فرما دیں کہ بے شک میں ان کے قریب ہوں۔ دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو چاہیے کہ وہ بھی میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان برقرار رکھیں تاکہ وہ کامیابی حاصل کریں - (البقرہ:186)

توبہ واستغفار کی قبولیت اور دعا کی اہمیت کے بارے میں چند احادیث پیش خدمت ہیں:-

☆ تصنع اور بناوٹ کی بجائے سادگی سے اور آہستگی سے دعا کریں۔ گلا پھاڑ کر دعا نہ کریں۔

☆ شوق، توجہ، خشوع اور خضوع کے ساتھ خوف خدا دل میں رکھتے ہوئے گڑ گڑا کر دعا کریں، دعا کرتے ہوئے چند باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔

☆ دعا کے جملے تین بار دہرا کر اللہ تعالیٰ سے بخشش اور رحمت طلب کریں۔

☆دعا کی قبولیت کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کریں' حقوق العباد کا خیال رکھیں' کسی پر ظلم وستم نہ کریں' اوررزق حلال کے لقمے پیٹ میں لے جائیں۔

☆اللہ تعالیٰ کے احکامات اور نبی کریم (ﷺ) کی سنت پر عمل کریں تاکہ ہماری دعائیں شرف قبولیت حاصل کریں۔

ہماری دعائیں قبول نہ ہونے کی بہت سی وجوہات ہیں۔ایک بزرگ ابراہیم بن نصر کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دس وجوہات سے لوگوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتی ہیں:

1۔اللہ کا اقرار کرتے ہیں اوراس کا حکم نہیں مانتے۔

2۔رسول اللہ (ﷺ) سے محبت کرتے ہیں اور آپ کی سنت کی اتباع نہیں کرتے۔

3۔قرآن مجید پڑھتے ہیں لیکن اس پر عمل نہیں کرتے۔

4۔جنت کو پسند کرتے ہیں اوراس کے راستہ پر نہیں چلتے۔

5۔جہنم کو ناپسند کرتے ہیں اوراس کے راستے پر دھکم پیل کرتے ہیں۔

6۔ابلیس کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں اوراس کی موافقت کرتے ہیں۔

7۔لوگوں کو دفن کرتے ہیں اوراپنی موت کو یاد نہیں کرتے۔

8۔اپنے بھائیوں کے عیب تلاش کرتے ہیں اوراپنے عیب نہیں دیکھتے۔

9۔مال جمع کرتے ہیں اورحساب کے دن کو یاد نہیں رکھتے۔

10۔قبریں کھودتے ہیں پھر بھی عالیشان مکان بناتے ہیں۔(مختصر تاریخ دمشق' جلد4)

آخر میں ہم یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کردہ چند دعائیں تحریر کررہے ہیں جن کی اہمیت ہمارے آج کے حالات کے تناظر میں بہت زیادہ ہے:-

1۔اے اللہ! فتنہ قبر' عذاب جہنم' عذاب قبر' فتنہ دولتمندی کی برائی' فتنہ مفلسی کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں' اے اللہ میں مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔اے اللہ! میرے دل کو برف اور اولے کے پانی سے یوں صاف کردے جیسے تو نے سفید کپڑے کو میل سے صاف کردیا ہے نیز

میرے گناہوں اور میرے درمیان اتنا فاصلہ کر دے جتنا تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان رکھا ہے۔اے اللہ! میں سستی، گناہوں کے بوجھ اور قرض سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔(صحیح بخاری، کتاب الدعوات)

2۔اے اللہ! میری خطائیں، جہل اور کام میں کمی بیشی کو معاف کر دے جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے اے اللہ! مذاق کی رو سے کئے ہوئے سوچ سمجھ کر کئے ہوئے بھول کر کئے ہوئے اور دانستہ کئے ہوئے میرے گناہ معاف فرما دے کیونکہ وہ سب میری طرف سے ہیں۔(صحیح بخاری، کتاب الدعوات)



سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی وہ عظیم ہستی ہے جنہیں صفحہ ہستی پر انبیاء کرام کے بعد سب سے افضل اور معزز شخصیت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ تاریخ اسلام آپ کی ذات کے بغیر نامکمل ہے۔ عشق واطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی ذات کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ نے راہ حق میں سب سے پہلے لبیک کہتے ہوئے مالی اور جسمانی قربانی پیش کی اور پھر زندگی کے آخری لمحات تک شجر اسلام کی آبیاری کے لئے خون جگر دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کا ذکر کیا اور ''ثَانِیَ اثْنَیْنِ'' کے لقب سے سرفراز کیا۔ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت اور رازداری کا شرف تمام عمر حاصل رہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد خلافت کے منصب پر فائز ہو کر ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کا شرف حاصل ہوا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا لقب ابوبکر اور نام عبدالکعبہ اور عتیق رکھے گئے تھے۔ آپ کے والدین کے ہاں اولاد زندہ نہ بچتی تھی اس لئے آپ کی والدہ نے خانہ کعبہ کے روبرو منت مانی تھی کہ اگر میری اولاد زندہ رہی تو اس کا نام عبدالکعبہ رکھوں گی۔ قبول اسلام کے بعد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کا نام عبداللہ رکھ دیا۔ آپ کو عتیق اس لئے کہتے ہیں کہ آزاد ہیں یعنی موت سے بچ کر زندہ رہیں اور شباب و بزرگی کی حدوں کو پائیں۔ صدیق بھی آپ کا نام تھا کہ بعثت مصطفوی سے قبل آپ کو اہل مکہ میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ آپ اپنی صداقت، سچائی، عدل واحسان اور انسان دوستی کے اوصاف کی وجہ سے صدیق کے لقب سے مشہور تھے۔ یہ لقب بعد میں معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرنے اور آمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہنے کی وجہ سے اور مقبول ہو گیا۔

ابوبکر کنیت تھی کیونکہ بکر یعنی اونٹوں کی نسل، بودوباش، نشوونما اور ان کی مزاج شناسی کے بارے میں آپ کو بہت زیادہ علم حاصل تھا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عام الفیل کے دوسرے یا تیسرے سال پیدا ہوئے۔ اس طرح آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صرف دو سال چھوٹے تھے۔ آپ کا تعلق قریش کے قبیلے بنی تیم سے تھا۔ یہ قبیلہ اپنی تہذیب وتمدن، سلیقہ شعاری، مہمان نوازی، علم دوستی اور ذوق شعر وسخن فہمی کی بدولت ایک منفرد مقام کا حامل تھا۔ آپ کو بھی شعر وادب سے گہرا شغف تھا۔ جبکہ قبائل مکہ کے نسب ونسل اور آباء واجداد کے بارے میں آپ کو عبور حاصل تھا۔ تجارت آپ کا آبائی پیشہ تھا اور یہ پیشہ حسن سلوک، مستقل مزاجی، تحمل و برداشت، حلم ومحبت اور لین دین میں وعدہ کی پابندی اور صفائی کے بغیر نہیں چل سکتا۔ یہ سب اوصاف سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات میں بدرجہ اتم موجود تھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جاہلی رسوم ورواج اور بری عادات سے بچپن سے ہی نفرت تھی۔ شراب وکباب اور زنا کاری سے آپ کا دامن ہمیشہ محفوظ رہا۔ بت پرستی سے بچے رہے۔ ایک دفعہ آپ کے والد ابوقحافہ آپ کو پکڑ کر ایک عبادت گاہ میں لے گئے اور کہا کہ یہ تمہارے خدا ہیں اور وہاں اکیلا چھوڑ کر چلے گئے۔ آپ ایک بت کے پاس گئے اور قریب جا کر کہا کہ میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلا دو۔ کوئی جواب نہ ملا۔ پھر آپ نے کہا کہ میں ننگا ہوں مجھے لباس پہناؤ کوئی جواب نہ ملا۔ اس پر طیش میں آ کر آپ نے ایک جاندار تھپڑ بت کے منہ پر مارا اور وہ بت منہ کے بل زمیں بوس ہو گیا۔

اسلام کی دعوت پر لبیک کہنے والے مردوں میں آپ سب سے پہلے ہیں۔ پیغمبر اسلام سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کی شناسائی اور دوستی بچپن سے تھی جو کہ سن شباب تک پہنچتے پہنچتے مضبوط ہوتی گئی۔ بعض روایات میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شام کے تجارتی سفر پر گئے اور وہاں بحیرہ راہب سے ملاقات ہوئی تو اس وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ قافلے میں موجود تھے۔ بہر حال آپ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایمانداری، شرافت ونجابت، راست گوئی، دیانت اور اخلاق حسنہ سے بخوبی آشنا تھے بلکہ گرویدہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید ورسالت کی دعوت دی تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس

پر فوراً لبیک کہا اور اسلام کے نور سے اپنے قلب وجگر کو منور و تاباں کر لیا۔ آپ جب اسلام لائے تو اس فیض کو صرف اپنے آپ تک محدود نہ رکھا بلکہ اسے عام کرنے میں لگ گئے۔ اپنا مال واسباب، اولاد، جسم و جان سب کچھ دینِ حق کے لئے وقف کر دیا۔ سب سے پہلے اپنی والدہ کے اسلام لانے کی دعا نبی کریم ﷺ سے اس حالت میں کروائی کہ خود وہ موت و حیات کی کشمکش میں تھے اور کفار کے ظلم وتشدد کی وجہ سے چلنے کے قابل بھی نہ تھے اپنے والد ابوقحافہ کو خود فتح مکہ کے موقع پر سرکار دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں لیکر حاضر ہوئے (ری ویو کرن دی لوڑ اے)۔ آپ کی اولاد نے بھی برضا ورغبت اسلام قبول کیا۔ آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کی چار نسلیں شرف صحابیت سے فیض یاب ہوئیں۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مساعی اور تبلیغ کی بدولت بہت سے معززین اور شرفاء اور غلاموں نے بھی اسلام قبول کیا۔ آپ کی کوششوں سے اسلام لانے والوں میں یہ حضرات بھی شامل ہیں:-

عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ۔ اور غلاموں میں سیدنا بلال حبشی۔ (رضوان اللہ علیہم)

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا آقا آپ پر بے حد ظلم وستم کرتا۔ سیدنا صدیق اکبر کو جب اس کی خبر ملتی تو بے چین ہو جاتے۔ بالآخر آپ نے فیصلہ کیا کہ سیدنا بلال (رضی اللہ عنہ) کو آزاد کرایا جائے۔ چنانچہ آپ نے سیدنا بلالؓ کے آقا کو منہ مانگی رقم دیکر آزاد کروایا اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی بارگاہ میں پیش کر دیا، جس سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے حد خوش ہوئے۔

راہِ حق پہ چلنے کی پاداش میں کفار مکہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بھی بے حد ظلم و ستم ڈھائے۔ ایک بار جبکہ ابھی اسلام قبول کرنے والے نفوس قدسیہ کی تعداد چالیس سے بھی کم تھی، آپ نے نبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کعبہ کے اندر نماز ادا کرنے کا مشورہ دیا۔ وہاں نماز پڑھی گئی اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کعبے میں موجود کفار کو دعوت توحید دی۔ کفار اپنی طاقت وقوت کے نشے میں تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو بے حد مارا پیٹا۔ عتبہ بن ربیعہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس قدر زدوکوب کیا کہ لگتا تھا کہ آپ جانبر نہ ہوسکیں گے۔ بنی تیم کے لوگ برانگیختہ تھے کہ اگر ابوبکر کو کچھ ہو گیا تو عتبہ بن ربیعہ کو نہ

چھوڑیں گے۔ آپ کو بے ہوشی کی حالت میں گھر لایا گیا۔ جونہی آپ کو ہوش آیا تو پہلا سوال یہ تھا کہ میرے آقا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیسے ہیں؟ اس پر لوگوں نے ناراضگی کا اظہار کیا اور آپ کی والدہ سے کہا کہ اسے کچھ کھلاؤ پلاؤ تا کہ اس کے ہوش وحواس درست ہوں۔ لیکن آپ نے قسم کھا لی کہ جب تک سیدنا محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں پتہ نہ چلے گا' نہ کھاؤں گا' نہ پیوں گا۔ مجبوراً آپ کی والدہ حفصہ بنت خطاب کی مدد سے ان کو ارقم بن ابی الارقم کے مکان پر لے گئیں' جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ وہاں آپ والہانہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم سے لپٹ گئے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آپ کی حالت دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔ وہاں انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری والدہ کے لیے دعا کیجئے کہ یہ اسلام کی دعوت قبول کر لے اور دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے۔ چنانچہ وہ ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئیں۔

ایک بار مشرکین مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گریبان سے پکڑ کر گستاخیاں کر رہے تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بے قرار ہو کر دیوانہ وار کفار کے درمیان کود پڑے۔ آپ نے کہا: تمہارے وہ اللہ کو اپنا رب مانتا ہے مشرکین نبی کریم ﷺ کو چھوڑ کر آپ پر ٹوٹ پڑے جی بھر کر مارا پیٹا اور تشدد کا نشانہ بنایا اور اس وقت چھوڑا جب آپ نڈھال ہو گئے۔ (ریویو)

تحمل' برداشت اور عزیمت کا یہ سفر جاری تھا کہ اس دوران اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی سید العالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کی دولت سے مالا مال کیا۔ اس معجزہ کی خبر سن کر کفار مکہ بڑے پر جوش ہوئے کہ اب ابوبکر صدیق کے لئے ممکن نہ ہوگا کہ اس پر ایمان لائے۔ وہ دوڑے دوڑے آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تمہارا دوست یہ کہتا ہے کہ میں رات کے ایک پل میں مکہ سے بیت المقدس گیا اور وہاں سے پھر واپس بھی آیا ہوں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟ آپ نے فوراً کہا: اگر یہ بات محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کہی ہے تو میں صدق دل سے گواہی دیتا ہوں کہ سچ کہی ہے۔ اس پر کفار اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اسی تصدیق کے صلے میں آپ کو ''صدیق'' کا لقب ملا اور آپ تاجدار صداقت کے منصب پر فائز ہوئے۔

جب تک مکہ معظّمہ میں قیام رہا دین حق کی تبلیغ وترویج مسلمانوں کی فلاح وبہبود اور

ان کو کفار کے ظلم وستم سے بچانے کے لیے کوشاں رہے۔ جسمانی کاوشوں کے ساتھ ساتھ اپنا سارا مال و زر بھی اس غرض کے لیے وقف کر دیا۔ جو مسلمان غریب و نادار تھے ان کی دل کھول کر مدد کی۔ جو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے تھے ان کو آزاد کروایا۔ جو مقروض تھے ان کو قرض سے سبکدوش کرایا۔ جنہوں نے ہجرت کرنا چاہی ان کے لیے ہر ممکن سہولت بہم پہنچائی۔ پھر ہجرت مدینہ کا دور آیا۔

اکثر مسلمان نبی کریم (ﷺ) کی اجازت سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جا چکے تھے۔ کفار پوری قوت اور پلاننگ (Planning) کے ساتھ اسلام کے شجر نو بہار کو جڑ سے اکھاڑ دینے کا ارادہ کئے ہوئے تھے اور انہوں نے نبی کریم (ﷺ) کو جان سے شہید کرنے کا منصوبہ تشکیل دے دیا تھا۔ ہر طرف کفار کا پہرہ اور کڑی نگرانی تھی۔ ان کی آنکھوں میں خون اتر چکا تھا۔ ان کے جاسوس قدم قدم پر پھیلے ہوئے تھے۔ ان حالات میں ہجرت کرنا کوئی آسان کام نہ تھا اور پھر ہجرت خود ایک بڑی اذیت ہے۔ ترک وطن کرنا گویا اپنی ماں کی طرح عزیز دھرتی کو خیر باد کہنا ہے۔ لیکن راہ حق کے مسافر اس عزیمت کو ایک نعمت عظمیٰ سمجھ کر گلے سے لگانے کو تیار بیٹھے تھے۔ سیدنا صدیق اکبر ؓ کو پہلے سے اندازہ تھا کہ نبی کریم (ﷺ) ہجرت کرنے والے ہیں اور آپ (ﷺ) کی رفاقت کی سعادت انہیں ملنے والی ہے۔ چنانچہ وہ اس مشن کے لئے مکمل طور پر تیار تھے۔ انہوں نے زاد راہ کا بندوبست بھی کر رکھا تھا اور سفر کے لئے سواری کے طور پر دو اونٹنیوں کو اچھی طرح کھلا پلا کر تیار کر رکھا تھا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

> ''اس سے پہلے میں نے کسی شخص کو فرط مسرت سے روتے نہیں دیکھا تھا۔ یہ واقعہ میں نے پہلی بار دیکھا کہ جب نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے سیدنا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو ہجرت کا حکم فرمایا تو آپ فرط مسرت سے رو پڑے''۔

ہجرت کیلئے نکلتے وقت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سارا سیم و زر اپنے ساتھ لے لیا اور اہل خانہ اور بچوں کو اللہ تعالیٰ کے سہارے چھوڑ کر عازم طیبہ ہوئے۔ آپ کے والد ابوقحافہ نے بچوں سے پوچھا کہ وہ تمہارے لئے کچھ چھوڑ کر بھی گئے ہیں؟ آپ کی صاحبزادی سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے اینٹ اور پتھر ایک جگہ رکھ کر کپڑے سے ڈھانپ

دیئے اور اپنے نابینا دادا جان ابوقحافہ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں رکھا تو وہ بے حد مطمئن ہوئے اور کہنے لگے یہ مال تمہارے لئے کافی ہے۔

مشکلات اور خطرات سے پُرسفرِ ہجرت میں سیدنا ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) اور ان کے خاندان نے خدمت کا حق ادا کر دیا۔ آپ کے صاحبزادے بکریوں کا ریوڑ لیکر آتے اور دودھ سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کی بھوک مٹاتے۔ ساتھ ہی غارِ ثور کے اندر پناہ گزین ان دونوں عظیم ہستیوں کو کفار مکہ کے بارے میں تازہ ترین اطلاعات بھی پہنچاتے۔ غار ثور کے اندر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے آقا و مولا سیدنا مصطفیٰ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے آرام و راحت کی خاطر ہر ممکن کوشش کی غار کے اندر صفائی ستھرائی کی اور سوراخوں کو بند کر دیا۔ صرف ایک سوراخ رہ گیا، جس پر انہوں نے اپنا پاؤں کا انگوٹھا رکھ دیا۔ انگوٹھے پر ایک سانپ نے ڈس لیا جس کی شدتِ زہر سے آپ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ روایت ہے کہ اسی زہر کے عود کرآنے سے آپ کی وفات ہوئی۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایثار و قربانی کا سلسلہ مدینہ منورہ پہنچ کر بھی جاری رکھا بلکہ اس کارِ خیر میں ہمیشہ کی طرح اول رہے۔ غزوہ احزاب کے موقع پر جب حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے وار فنڈ (War Fund) کی اپیل کی تو ہر صحابی نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا آدھا مال واسباب لیکر آئے اور دل میں مسرور تھے کہ آج میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھ جاؤں گا۔ کچھ دیر بعد پیکرِ صداقت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ گھر کا سارا مال و متاع تھا بلکہ قمیض کے بٹن اتار کر آپ نے وہاں ببول کے کانٹے لگا رکھے تھے۔ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم بہت خوش ہوئے اور کہا کہ ابوبکر ! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں گھر میں اللہ اور اس کا رسول چھوڑ آیا ہوں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سخی، رحمدل، حلیم، بردبار اور فیاض ہونے کے ساتھ ساتھ بہت جری، شجاع اور بہادر بھی تھے۔ خطرات سے بھرپور سفرِ ہجرت میں بے دھڑک آگے بڑھنا اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی ہر طرح سے حفاظت کا فریضہ سرانجام دینا

آپ کی بہادری کی دلیل ہے۔ ہر جنگ اور غزوہ میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔غزوہ بدر میں جب صبح کارزار سے قبل رات کو حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم اپنے رب کے حضور محو دعا تھے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ سے گفتگو کر کے آپ کو تسلی دی تھی۔اسی طرح غزوۂ احد میں جب افراتفری کے عالم میں صرف چند صحابہ کرام ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد حصار بنائے ہوئے تھے تو ان میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی پیش پیش تھے اور اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے۔

حبیب رب العالمین سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء نے وصال فرمایا اس وقت ملت اسلامیہ کا ہر فرد غم واندوہ کے سمندر میں غرق تھا۔سیدنا عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) جیسے صحابہ بھی ہوش وحواس سے بیگانہ تھے۔ان حالات میں سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کی شخصیت ہی تھی جنہوں نے ٹوٹے دلوں کی ڈھارس بندھائی۔

ملت اسلامیہ کو انتشار اور اضطراب سے بچانے کی خاطر ضروری تھا کہ جانشین رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتخاب عمل میں لایا جائے اور یہ ایسا ذیشان فرد ہو جو اسلامی حمیت، دینی شعور، عشق رسالت ماب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دولت سے مالا مال ہو۔حکومتی وانتظامی معاملات چلانا بھی جانتا ہوں، جنگی حکمت عملی سے بھی بخوبی آگاہ ہو اور قوت فیصلہ اور قائدانہ صلاحیتوں سے متصف ہو۔سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) میں یہ تمام اوصاف بحسن وخوبی جمع تھے۔اس کے علاوہ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لحہ لحہ قربت اور شب و روز کی رفاقت کا شرف حاصل تھا۔امت کے اکابرین نے آپ کو مسند خلافت پر بٹھایا اور خلیفۃ الرسول ہونے کی ذمہ داری ڈالی۔آپ نے اس موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ جدید جمہوری وفلاحی نظام حکومت کا دیباچہ ہے۔

خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کو بہت سی اہم اور نازک مہمات اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا جن سے آپ اپنی گہری بصیرت، شعور اور قوت ارادی کی بدولت سرخرو ہوئے۔آپ کا سب سے اہم فیصلہ جیش اسامہ (رضی اللہ عنہ) کی پروگرام اور شیڈول (Schedule) کے مطابق روانگی تھی۔اس لشکر کی روانگی کا حکم خود رسالت ماب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی عمر کے آخری ایام میں دیا تھا۔ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وصال کے فوراً بعد

مملکت اسلامیہ کے سیاسی حالات دگرگوں ہو گئے۔ قرب و جوار کے قبائل اسلام سے پھر کر مرتد ہو رہے تھے۔ منافقین مدینہ پھر سے سر اٹھانے کی سوچ رہے تھے۔ ہمسایہ طاقتیں روم اور ایران اپنی فوجی قوت کے بل بوتے پر اس نوزائیدہ ریاست کو تباہ و برباد کرنے پر کمر باندھ رہے تھے۔ مسلمانوں کے اندر بددلی پھیل رہی تھی۔ باہمی اتحاد اور اخوت پارہ پارہ ہونے کو تھی۔ بغاوت اور سرکشی عفریت کی طرح ہر سو پھیل رہی تھی۔ ان حالات میں بعض جید صحابہ کرام (ﷺ) کا، جن میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، یہ مشورہ تھا کہ اس مہم کو ترک کر دیا جائے یا وقتی طور پر ملتوی کر دیا جائے تا آنکہ اندرونی خلفشار دور ہو اور بیرونی قوتوں کی یلغار کے آگے بند باندھا جا سکے۔ لیکن قوت عشق رسول (ﷺ) کی دولت سے مالا مال سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کے فیصلے کے قربان جایئے! آپ کے فیصلے کا بنیادی نکتہ ذات مصطفوی (ﷺ) سے گہری وابستگی اور انمول لگاؤ کا آئینہ دار اور رسول کریم (ﷺ) کی کامل واکمل اطاعت اور اتباع اس کا بنیادی نقطہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

> خدا کی قسم! میں اس پرچم کو نہیں کھول سکتا جس کو رسول اللہ (ﷺ) نے اپنے مبارک ہاتھوں سے باندھا ہو خواہ ہمیں پرندے اچک لے جائیں اور مدینہ میں درندوں کا دور دورہ ہو جائے۔ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کسی حال میں بھی ملتوی نہیں کی جا سکتی۔

اس لشکر عظیم کو روانہ کرتے ہوئے اطاعت امیر کی مثال آپ نے خود پیش کی تاکہ کوئی سن رسیدہ یا زیادہ مقام والا صحابی اس نوجوان سپہ سالار کی حکم عدولی کی جرأت نہ کر سکے۔ مہم کو روانہ کرتے وقت خلیفہ رسول خود لشکر کے ہمراہ پیدل چلتے رہے جبکہ آپ کی سواری کی مہار سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ میں تھی۔ سیدنا اسامہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ اے جانشین رسول! آپ بھی سواری پر تشریف لے آئیں ورنہ میں بھی نیچے اتر آؤں گا۔ آپ نے فرمایا: نہیں تم ہرگز نہیں اترو گے تھوڑی دیر کے لئے تو میرے قدم خدا کی راہ میں غبار آلود ہونے دو۔

اس مہم کی کامیابی سے یہ ہوا کہ تمام مرتد اور باغی قبائل سہم کر بیٹھ گئے۔ ان کے دلوں میں جیش اسامہ کی دہشت اس قدر بیٹھی کہ انہیں اطاعت کے علاوہ چارۂ کار نظر نہ آیا۔ ایران و روم کی سلطنتیں بھی دبک کر پیچھے ہٹ گئیں۔ مسلمانوں کے دلوں کو قرار اور سکون

ملا اور یوں مستقبل میں اٹھنے والے فتنے اپنی موت آپ مر گئے۔

جزیرہ نما عرب کے بعض قبائل جو نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے دور میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ آپ (ﷺ) کے پردہ فرمانے کے ساتھ ہی وہ پھر سے سر اٹھانے لگے۔ ان میں سے بہت سے قبائل، جو ڈر یا خوف سے مسلمان ہوئے تھے، ان کے دلوں سے خوف اٹھنے لگے۔ اسی طرح قبائل کے اندر عصبیت اور قوم پرستی کا جذبہ عود کر آیا۔ اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب جیسے مکار لوگوں نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اپنے اردگرد ہزار ہا کی تعداد میں پیروکار جمع کر لئے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھلا یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ ان کے محبوب اور دوست کے آنکھ بند کرتے ہی ان کے دین کے خلاف فتنہ ارتداد سر اٹھالے۔ لہذا آپ نے پوری شدت کے ساتھ باغی اور مرتد قبائل کی سرکوبی کی۔ خود دستے لیکر مدینہ منورہ کے گرد جمع ہونے والے قبائل پر آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان کو بدحواس کر کے شکست پر مجبور کر دیا۔ مسیلمہ کذاب کو فنا فی النار کرنے کے لئے سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا خالد بن ولید (سیف اللہ) رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لشکر جرار بھیجا، جس نے ایک گھمسان کی رن کے بعد مسیلمہ اور اس کے ہزاروں پیروکاروں کو نیست و نابود کر کے اسلام کے نو بہار گلشن کو خزاں سے محفوظ کر دیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کا ایک اور اہم کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے ایک وسیع العمل اور دوررس حکمت عملی اپنائی اور ایران و شام کی طرف سے اپنی سرحدوں کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لئے اسلامی لشکر تعینات کئے۔

مرتد ہونے والے قبائل میں سے بعض نماز و روزہ کی اہمیت کے تو قائل تھے لیکن وہ زکوۃ کی فرضیت کے منکر ہو گئے۔ مال دنیا کی محبت نے ان کی آنکھوں پر پٹی چڑھا دی۔ وہ حیلوں بہانوں سے زکوۃ دینے سے کترانے لگے۔ بعض قبائل نے تو کھلم کھلا زکوۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنے کے حق میں تھے لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ببانگ دہل فرمایا:

> اللہ کی قسم! جو شخص نماز اور زکوۃ میں فرق کرے گا میں اس سے ضرور جنگ کروں گا۔ زکوۃ مال کا حق ہے اگر انہوں نے یہ حق ادا کرنے میں کوتاہی

برتن اور بکری کا ایک بچہ بھی دینے سے انکار کیا تو میں ان سے جنگ کروں گا۔

آپ نے بڑی بہادری اور جرأت کے ساتھ منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی کی اور ارکان اسلام کی فرضیت اور حقانیت پر مہر ثبت کر دی۔

چونکہ مسیلمہ کذاب کے ساتھ جنگ میں بہت سے صحابہ کرام شہید ہو گئے تھے جو قرآن مجید کے حافظ بھی تھے۔ خدشہ تھا کہ حافظِ قرآن مجید صحابہ کرام کی شہادت کے نتیجہ میں کہیں قرآن مجید کی حفاظت نہ کی جا سکے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایک عظیم احسان یہ ہے کہ آپ نے سیدنا عمر () کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے قرآن مجید کی تدوین اور ترتیب کا فیصلہ کیا۔ اور اس پر عملدرآمد بھی شروع ہو گیا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بہت سادہ زندگی بسر کی۔ جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے بیت المال میں سے اپنے لئے خرچ کی گئی کل رقم واپس لوٹا دی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

> ''جب میں وفات پا جاؤں تو مسلمانوں کے برتن، ان کے غلام، ان کی اونٹنی، ان کی چکیاں اور ان کی دو چادریں، جو میں استعمال کرتا ہوں، واپس کر دی جائیں''۔

آپ نے یہ وصیت بھی کی کہ جب میں وفات پا جاؤں تو میری تدفین پرانے کپڑوں میں ہی کی جائے کیونکہ نئے کپڑے زندوں کا حق ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرف دو سال بعد وصال ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے آپ کو حضور نبی مکرم شفیع اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں سبز گنبد کے سائے میں دفن کیا گیا۔ اس طرح دین، غار، سفر اور ہجرت کا ساتھی اور راز دار، مزارِ اقدس میں بھی اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آرام فرما ہے۔

..........☆☆..........

خلیفہ راشد، جانشین مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سیدنا مولا علی رضی اللہ عنہ

سیدنا علی حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ عالمِ بشریت کی اُن جاوداں اور منتخب ہستیوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے کردار اور تعلیمات کی بدولت آنے والی نسلوں کیلئے اَنمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ وہ اپنے حسب نسب، ذاتی اوصاف، شخصی کمالات اور انسانیت کی فلاح و بہبود پر مبنی تعلیمات کی وجہ سے اس دنیا میں بھی کامیابی کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوئے اور آخرت میں بھی رفعت وعظمت کی بلندی سے سرفراز ہوں گے۔

خلیفہ راشد، جانشین مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فقہ کی دنیا کے امام اور تصوف کے میدان میں بے تاج بادشاہ سیّدنا و مولانا علی حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کو ایک جانب یہ شرف حاصل ہے کہ وہ تاجدارِ دوعالم سیّدالمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قریبی عزیزوں میں سے ہیں اور قرابت کا یہ تعلق عطارِ خداوندی ہے جبکہ دوسری جانب تقویٰ، زہد، ریاضت، شجاعت، علم وفضل اور حلم و بردباری جیسے اوصاف حمیدہ کی بدولت تاریخ اسلامی میں اُن کو منفرد اور بے مثال مقام حاصل ہے۔

سیدنا مولا علی رضی اللہ عنہ کا مقام اور شان ورفعت نبی پاک صاحب لولاک ﷺ کے نزدیک کتنی تھی اس کا اندازہ درج ذیل احادیث سے ہوسکتا ہے۔

حضرت زید بن ارقم سے حضور اکرمؐ نے فرمایا ''جس کا میں مولا ہوں، اس کے علی مولا ہیں (ترمذی۔احمد)'' یہاں مولا کے معنی علماء کرام نے دوست، مددگار بتائے ہیں ایک اور حدیث مبارکہ ہے ''حضرت ام سلمیٰ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ منافق علی سے محبت نہیں کرتا اور مومن ان سے بغض نہیں رکھتا (ترمذی۔احمد) ایک حدیث کے مطابق نبی آخر الزماں ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جس نے علی کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا (احمد) اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ ہے ''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ اے علی تم مجھ سے اس درجہ میں ہو جو ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھا (بخاری۔مسلم) ان احادیث سے یہ بات بخوبی عیاں ہوئی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی پاکؐ کو بے حد محبوب تھے۔

حضرت علی حیدر کرار بن ابوطالب وجہ الکریم کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب اور لقب اسد اللہ، حیدر اور مرتضیٰ ہے آپ کے والد گرامی سیدنا ابو طالب وہ عظیم ہستی ہیں جو خاتم الانبیاء وجہ تخلیق کائنات سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے حقیقی چچا ہیں اور آپ کے دادا جان سردار ابوالمطلب کے وفات کے بعد انہوں نے ہی آپ کو سایہ عاطفت میں لیا اور ہر آڑے وقت میں آپ کا ساتھ دیا نبی کریمؐ کی عمر تیس برس کی تھی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کعبتہ اللہ کے اندر پیدا ہوئے کیونکہ والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد اس وقت طواف کر رہی تھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اولین مسلمانوں میں سے ہیں بلکہ بچوں میں سے سب سے پہلے ہیں جنہیں ایمان کی دولت نصیب ہوئی آپ نے تمام زندگی نبی برحق ﷺ کا ساتھ دیا آپ اولین مہاجرین، بدری صحابہ اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور بعض فضائل کے باعث ان میں بھی اعلیٰ تر مقام پر فائز ہیں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انصار و مہاجرین نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی آپ کی خلافت چار سال آٹھ ماہ نو دن پر محیط ہے۔

سن 2 ہجری میں آپ کا نکاح بنت رسول سیدہ فاطمۃ الزہرا سے ہوا اس وقت ان کی عمر چوبیس سال اور سیدہ کی عمر پندرہ یا سترہ برس تھی سیدہ کی حیات تک دوسری شادی نہیں کی بعد میں آپ نے کئی شادیاں کیں روایت ہے کہ آپ کے چودہ بیٹے اور سترہ بیٹیاں تھیں ان میں سے امام حسن، امام حسین، محمد بن حنیفہ اور عمر رضوان اللہ علیہم سے آپ کا سلسلہ نسب جاری رہا۔

سیدنا مولا علی رضا اللہ عنہ، شجاعت اور بہادری کا پیکر تھے بارگاہ نبوت سے آپ کی بہادری کی وجہ سے اسد اللہ یعنی اللہ کا شیر کا لقب ملا غزوہ بدر ہو یا غزوہ احد، معرکہ خیبر ہو یا جنگ خندق ہر مقام پر آپ کی شجاعت، دلیری اور شیر دل کارناموں کی داستانیں بکھری پڑی ہیں غزوہ بدر میں جب جنگ کا آغاز ہوا تو کفار نے کہا کہ ہمارے مقابلے کے لئے مہاجرین میں سے کسی کو بھیجو چنانچہ لشکر اسلام کی طرف سے حمزہ، علی، عبیدہ رضی اللہ عنہم اپنے حریفوں کے مقابل آئے حضرت علی نے ایک ہی وار سے اپنے حریف ولید کو قتل کر دیا پھر حضرت عبیدہ کی مدد کی اور ان کے حریف شیبہ کو جہنم واصل کیا اس دوران عام جنگ شروع ہوئی تو ذوالفقار حیدری نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے اس معرکہ میں آپ نے 21 کافروں کو قتل کیا۔

غزوہ احد میں مسلمانوں کی اپنی غلطی کی وجہ سے بد نظمی پیدا ہوئی۔ کفار کو مسلمانوں پر ضرب لگانے کا موقعہ مل گیا خود نبی مکرم ﷺ کے چہرہ انور پر ضرب آئی اور آپ کا دندان مبارک شہید ہوئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ دیوانہ وار آپ کی حفاظت کرنے لگے اور تمام وقت آپ پر ہونے والے حملوں کو روکتے رہے جنگ کے بعد حضرت علی آپ ﷺ کو گھر لے آئے اور تیمار داری کی۔

غزوہ خندق میں آپ نے بہادری کی لازوال داستان رقم کی کفار کی جانب سے ایک دیو قامت شخص عمر بن عبدہ نے خندق پار کر کے لشکر اسلام کو للکارا وہ اتنا مضبوط جسم رکھتا تھا کہ ایک گھوڑے کو اٹھا سکتا تھا اور جسامت میں پانچ آدمیوں کے برابر تھی اس وقت سیدنا مولا

علی نے آقائے دوعالم ﷺ سے اجازت طلب کی اور مقابلے کے لئے میدان میں آئے اس نے کئی وار کئے لیکن حضرت علیؓ نے اپنے آپ کو بچایا لیکن جب ذوالفقار حیدر نے وار کیا تو اس لعین کی گردن تن سے جدا ہوگئی یوں تکبر اور نخوت کا یہ مجسمہ زمین بوس ہوگیا غزوہ خیبر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بہادری اور شجاعت کی انمول تاریخ رقم کی خیبر کے یہودی بڑے مضبوط قلعے میں صف آراء تھے کئی صحابہ نے فصیل پار کرنے یا باب خیبر توڑنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے نبی پاکؐ نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا اس کو دوں گا جس کے ہاتھ اللہ تعالیٰ فتح دے گا وہ اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں جب صبح کی کرنیں طلوع ہوئیں تو نبی پاک ﷺ نے پوچھا کہ علی کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ان کو بلاؤ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے اپنا لعاب ذہن ان کی آنکھوں میں لگایا پھر آپ نے حضرت علی کو علم عطا کیا یہودیوں کا بہت بڑا بہادر سردار مرحب بہت متکبرانہ انداز میں آگے بڑھا حضرت علی نے ایک ہی وار میں اس کا م تمام کر دیا پھر حیرت انگیز بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک ہی ہاتھ سے باب خیبر کو یوں اکھاڑ پھینکا کہ ایک ہاتھ میں دروازہ تھا اور دوسرے میں تلوار، روایت میں ہے کہ اس دروازے کو چالیس بندے بمشکل اٹھا سکتے تھے الغرض سیدنا مولا علی رضی اللہ عنہ بہادری اور شجاعت میں اپنی مثال آپ تھے۔

علم وفضل کے میدان میں سیدنا مولا علی حیدر کرار رضی اللہ عنہ اپنی مثال آپ تھے آپ قرآنی علوم کے بحر بیکراں تھے کیوں نہ ہوتے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو شہر علم کا باب قرار دیا ہے ان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کی تربیت خود سرور کونین ﷺ کی نگرانی میں ہوئی وہ کاتبین وحی میں بھی شامل تھے اور نبی پاک ﷺ کے مکاتیب مبارکہ میں بعض ان کے ہاتھ کے تحریر کردہ ہیں، حدیبیہ کا صلح نامہ بھی انہوں نے ہی تحریر کیا تھا۔

قرآن کریم کا فہم وادراک کس قدر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو تھا، اس بارے میں ابن سعد لکھتے ہیں کہ سیدنا علی رضا اللہ عنہ نے فرمایا بخدا جتنی قرآنی آیات نازل ہوئیں سب کا علم مجھے ہے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کس بارے میں اور کہاں نازل ہوئی ہیں اور کس طرح نازل ہوئیں، اللہ تعالیٰ کا لاکھ احسان ہے کہ اس نے مجھے قلب سلیم، عقل وشعور اور زبان عطا فرمائی ہے۔

اگرچہ آپ نے بچپن سے لیکر وصال نبی ﷺ تک تیس سال نبی پاک ﷺ کی رفاقت میں گزارے اس لئے سیدنا صدیق اکبر کے بعد نبی کریم ﷺ کے ارشادات اور فرمودات کے سب سے بڑے عالم آپ ہی تھے۔ اسی لئے آپ تبلیغ وارشاد کے منصب پر تشریف فرما رہے اور خلفائے راشدین کے دور میں اور خود اپنے دور خلافت میں بھی وعظ و نصیحت کا سلسلہ چلاتے رہے احادیث کی روایت کے حوالے سے آپ بہت احتیاط فرماتے تھے۔ آپ سے کل 586 احادیث مروی ہیں، تاہم سرورکون ومکاں ﷺ کے شمائل اور حلیہ مبارک، آپ کی عبادات، مناجات، نماز، نوافل اور دعاؤں کے بارے میں سب سے زیادہ روایات سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔

فقہ واجتہاد کے میدان میں بھی ان کو کمال حاصل تھا ان کو اسلام کا سب سے بڑا مجتہد اور فقیہہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی بہت سے فقہی مسائل میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے ان کا کمال یہ تھا کہ وہ اپنی فہم وفراست، دوراندیشی اور قرآن وسنت کے علوم پر عبور کی وجہ سے پیچیدہ اور مشکل مسائل کا حل نہایت آسانی سے نکال لیا کرتے تھے اسی طرح وہ بہت سے مشکل مقدمات کا فیصلہ بھی بہت احسن انداز میں فرمایا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہم (صحابہ) کہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے علی ہیں۔

اہل یمن نے اسلام قبول کیا تو وہاں عدالتی مقدمات کے فیصلے کے لئے نبی کریمﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا آپ نے وہاں کے حالات و واقعات کے مطابق لوگوں کے مقدمات کے فیصلے اتنے اچھے انداز میں کئے کہ خود نبی کریمﷺ نے بھی ان کو پسند فرمایا اور برقرار رکھا۔

امیر المومنین سید الاولیاء سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہا فقر و غنا اور جود و سخا کا پیکر تھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دینے کے لئے بے تاب رہتے خود بھوک اور پیاس برداشت کرتے لیکن یتیم، غلام یا حاجت مند کو اپنے در دولت سے خالی نہ لوٹاتے ان کی سخاوت کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہا بیمار ہو گئے حضرت علی سیدہ فاطمہ اور ان کی کنیز فضہ نے روزوں کی منت مانی، دونوں شہزادے صحت یاب ہوئے تو تینوں نے روزے رکھے اس وقت افطاری کے لئے گھر میں کچھ نہ تھا حضرت علی ایک یہودی شمعون کھانے کیلئے سے کچھ لے کر آئے افطاری کے لئے کھانا تیار کیا گیا ابھی روزہ افطار کرنے کو تھے کہ ایک فقیر نے آ کر صدا دی اور کھانے کو کچھ مانگا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ روٹیاں اٹھا کر فقیر کو دے دیں اور خود پانی پی کر افطاری کر لی اگلے دن پھر افطاری کے وقت ایک یتیم نے آ کر سوال کیا انہوں نے پھر ساری روٹیاں اٹھا کر اسے دے دیں اور خود پانی کر گزارہ کر لیا تیسرے دن اس وقت ایک غلام آ گیا اور کھانے کا سوال کیا مولا علی رضی اللہ عنہ روٹیاں اٹھا کر اسے دے دیں چوتھے روز جب صبح اٹھے تو بھوک کی شدت سے چلنے پھرنے کی سکت نہ تھے نبی کریمﷺ شہزادوں کو دیکھنے تشریف لائے تو اہل بیت کی حالت پر بے قرار ہوئے اور آنکھیں اشک بار ہو گئیں اس وقت جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لیکر نازل ہوئے (یہ ہیں وہ لوگ) جو اپنی منتیں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی پھیلی ہوئی ہے اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت میں مسکین و

یتیم اور اسیر کو (سورہ الدھر)

سیدنا مولا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور نہایت ابتلا اور انتشار کا دور رہا سیدنا عثمان ذوالنورین کی شہادت کے بعد آپ نے مسند خلافت سنبھالی اور ملت اسلامیہ کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو سہارا دیا اس دوران آپ کو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ میدان جنگ میں اترنا پڑا جو محض غلط فہمیوں اور شر پسندوں کی سازشوں کا نتیجہ تھیں تاہم آپ نے اٹھنے والے فتنوں پر قابو پایا اور مسلمانوں کے مختلف گروہوں میں صلح صفائی کی بہت کوشش کی اور اس انداز میں خلافت کا حق ادا کیا کہ خلفائے ثلاثہ کی یاد تازہ ہو جاتی آپ اپنی رعایا کی سہولتوں کے لئے کوشاں رہتے بیت المال کے رقوم کی صحیح تقسیم کے لئے سختی کرتے اقربا پروری کو ناپسند کرتے اور اپنا ذاتی مال و اسباب حاجت مندوں اور فقیروں میں تقسیم فرما دیا کرتے خلافت کے بوجھ کو اٹھانے کے باوجود عبادت وریاضت میں غفلت نہ برتتے، راتوں کو محو عبادت رہتے اور دن کو روزے رکھتے۔

21 رمضان المبارک 40ھ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مرتبہ شہادت پایا بد بخت ابن ملجم نے آپ کو تلوار کے وار سے مسجد میں زخمی کر دیا آپ کا روضہ اقدس عراق کے شہر نجف اشرف میں ہے جو مرجع خلائق اور منبع فیوض و برکات ہے آخر میں سیدنا مولا علی کے چند اقوال زریں پیش خدمت ہیں جن کو اپنا کر ہم دین و دنیا میں سربلند ہو سکتے ہیں۔

☆ ذلت کی بجائے تکلیف اٹھانا بہتر ہے۔

☆ جسے اپنے رد کر دیتے ہیں اسے غیر اپنا لیتے ہیں۔

☆ زہد کا افضل مرتبہ اپنے زہد کو چھپانا ہے۔

☆ جس کو اس کا اچھا عمل آگے نہ بڑھا سکا اسے نسب کوئی عزت نہ دے سکے گا۔

☆ جس کی امیدیں بڑھتی جائیں اس کے اعمال بگڑتے جاتے ہیں۔

☆فرائض کو ضائع کر کے نوافل کے ذریعے قرب خدا حاصل نہیں ہو سکتا۔

☆تم سمجھنے کے لئے سوال و جواب کیا کرو، الجھنے کیلئے نہیں۔

☆اللہ کی نافرمانیوں سے بچو کہ وہ گواہ بھی ہے اور (کل کو) حاکم بھی وہی ہوگا۔

☆سب سے سنگین گناہ وہی جسے کرنے والا معمولی سمجھ کر کرے۔

☆دو بھوکے کبھی سیر نہیں ہوتے ایک طالب علم اور دوسرا طالب دنیا۔

☆کسی کے ایمان کا اندازہ اس کے وعدوں سے لگاؤ۔

☆اپنا راز سوائے اپنی ذات کے کسی پر ظاہر نہ کرو۔

☆خوش اخلاقی بہترین دوست ہے۔

☆بغیر طلب کے کچھ دینا سخاوت ہے۔

اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

غزوۂ بدر کے فوراً بعد کے ایام ہیں۔ مسلمان فتح وکامیابی سے ہمکنار ہوکر مدینہ منو رہ واپس آ چکے ہیں۔ بہت سے جنگی قیدی بھی ان کے ساتھ ہیں۔ صحابہ کرام کے مشورے سے نبی کریم سرور عالم محمد ﷺ نے فیصلہ کر دیا ہے۔ صاحب حیثیت قیدی مال واسباب کی صورت میں فدیہ ادا کر کے آزادی پائیں گے جبکہ غریب قیدی مدینہ منورہ کے ناخواندہ افراد کو زیور تعلیم سے آراستہ کر کے یہ نعمت حاصل کر سکیں گے۔ اِن قیدیوں میں ایک کا نام ابوالعاص بن ربیع ہے۔ جو نبی رحمت ﷺ کی بڑی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ہیں۔ اِن کی آزادی فدیہ کے عوض طے پائی ہے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس صرف ایک سونے کا ہار تھا جو انہوں نے ابوالعاص کے بھائی عمرو بن ربیع کے ہاتھ مدینہ منو رہ بھجوا دیا۔ جب یہ ہار بارگاہ نبوت میں پیش کیا گیا تو اسے دیکھ کر نبی اکرم ﷺ کو اپنی زوجہ محترمہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد آ گئی۔ کیونکہ یہ ہار انہوں نے اپنی پیاری بیٹی زینب کو ان کے جہیز میں دیا تھا۔ اپنی رفیقہ حیات کو یاد کر کے حضور پاک ﷺ کی آنکھوں میں موتی چمکنے لگے۔ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو یہ ہار واپس کر دیا جائے۔ اور ابوالعاص کی رہائی کیلئے دوسری راہ یعنی ناخواندہ افراد کو پڑھانے کا کام لیا جائے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اے ہمارے آقا! اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنا مال پیش کر کے ابوالعاص کو رہائی دلا دیتے ہیں لیکن آپ نے امتیازی سلوک پسند نہ فرمایا۔

سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا جن کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات یاد کر کے والئی کائنا

تﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے آپ کی وہ رفیقہ حیات ہیں، جن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ سب سے پہلے اسلام کی دعوت پر لبیک کہا اور پھر اپنا سب مال ومتاع اور دنیاوی سرمایۂ اپنے عظیم شوہر اور اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر نبی کریم ﷺ کی دعوت وتبلیغ کے عظیم مشن کی خاطر ان کے قدموں پر نچھاور کر دیا۔ آپ کی رفاقت اور ایثار کو پیارے آقا ﷺ کس قدر احسان مندی سے دیکھتے تھے اس کا اندازہ اس حدیث پاک سے لگایا جا سکتا ہے۔

''روایت ہے کہ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ سے حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہت زیادہ تعریف سنی تو بہت رشک آیا۔ انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اب تو آپ کو ان سے اچھی بیوی مل گئی ہے۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا''اللہ کی قسم! مجھے خدیجہ سے اچھی بیوی کوئی نہیں ملی۔

جب سب لوگوں نے کفر اختیار کیا، خدیجہ مجھ پر ایمان لائیں۔

جب سب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے تو انہوں نے میری تصدیق کی۔

جب کوئی فرد مجھے کوئی چیز دینے کو تیار نہ تھا، اس وقت خدیجہ نے مجھے اپنا سارا مال دے دیا اور اُن کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا فرمائی۔''

ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو دیگر امہات میں سے یہ شرف حاصل ہے کہ نبی کریم ﷺ آپ سے بہت محبت فرماتے تھے اور ان کو یہ منفرد اعزاز حاصل ہے کہ ان کی 25 سال کی رفاقت میں پیارے رسول ﷺ نے کسی اور خاتون کو شرف زوجیت سے نہیں نوازا۔ آپ کی شان میں بہت سی احادیث موجود ہیں۔ ایک معروف حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ اسلام حضو ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا۔

''اے محمد ﷺ! یہ خدیجہ، جو آپ کے لئے ایک برتن میں کھانا لے کر آ رہی ہیں، یہ جب آ جائیں تو انہیں ان کے رب کی جانب سے اور میری جانب سے سلام کہہ دیجئے ان کو یہ خوشخبری سنا دیجیے، کہ ان کیلئے جنت میں موتیوں سے بنا ہوا ایک گھر ہے۔ جس میں نہ کوئی شور ہوگا اور نہ کوئی تکلیف۔''(بخاری: تزویج النبی ﷺ)

سیرت نگاروں کی متفقہ رائے ہے کہ سیدہ خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کی دعوت کو قبول کیا اور نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت کی گواہی دی۔ یہی وہ

ہستی ہے جس نے اپنا سب مال واسباب جو بہت کثیر مقدار میں تھا آقائے دو عالم ﷺ کے قدموں میں نچھاور کر دیا۔
یہی وہ شخصیت ہے جس نے ہر مصیبت، ابتلا اور آزمائش کے وقت نبی رحمت ﷺ کی دلجوئی کی اور ان کی غمگساری کی۔ اللہ تعالیٰ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی قبرانور پر کروڑ ہا رحمتوں کا نزول فرماتا رہے اور ان کے تصدق میں ہم عاصیوں کو بھی اپنی تجلیات سے مستفیض فرمائے۔ آمین۔
سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا۔ سلسلہ نسبت قصی قریشی پر پہنچ کر نبی کریم ؐ سے مل جاتا ہے۔
خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ قصی آپ کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ کا تعلق بھی قبیلہ قریش کے ایک خاندان سے ہی تھا۔ ان کی پیدائش عام الفیل سے 15 برس پہلے 556ء میں مکہ معظّمہ میں ہوئی۔ والد خویلد قریش کے معزز سردار اور نامور تاجر تھے۔ وہ اپنی دیانت، صداقت اور صاف گوئی کے سبب ایک ممتاز مقام کے حامل تھے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اپنے والد کی تمام دولت ورثہ میں ملی۔
نبی اکرم ﷺ سے شادی سے قبل سیدہ خدیجہ کے دو نکاح ہوئے تھے۔ ان کی پہلی شادی ابو ہالہ بن نباس بن زرارہ کے ساتھ ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد دوسرا نکاح عتیق بن عائذ مخزومی کے ساتھ ہوا۔ یہ بھی کچھ عرصہ کے بعد وفات پا گئے۔ آپ نے اب اکیلے ہی زندگی بسر کرنے کا ارادہ بنالیا چنانچہ آپ کی تمام تر توجہ اپنے کاروبار اور تجارت پر مرکوز ہو گئی۔ آپ اپنی شرافت، دیانت، ایفائے عہد، خوش خلقی، نرم دلی، عزیب پروری اور سخاوت کی وجہ سے پورے مکہ میں عزت وتکریم سے دیکھی جاتی تھیں۔ اہل مکہ آپ کو طاہرہ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ آپ کی طبیعت دنیا کی محبت کی بجائے روحانیت کی طرف مائل ہو چکی تھی، اس لئے اکثر وبیشتر خانہ کعبہ جاتیں اور عبادت کیا کرتیں تھیں۔
سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تجارتی سلسلہ بہت وسیع ہو رہا تھا۔ ان کا مال تجارت ملک شام و یمن کو جانے والے تجارتی قافلوں میں شامل ہوتا تھا اور اکثر وبیشتر نصف مال انہی کا ہوتا تھا۔ جس سے ان کی وسیع تجارت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کو کئی ملازمین کی مدد درکار رہوتی تھی۔ ایک خاص غلام میسرہ بھی اُن کی معاونت کرتے تھے، اُدھر جناب ابوطا

لب رضی اللہ عنہا جو ایک بڑے کنبے کے کفیل تھے، جس میں ان کا نو جوان بھتیجا محمد بن عبداللہ بھی شامل تھا۔ جسے انہوں نے اپنے ساتھ شام کی جانب تجارتی قافلوں میں لیجا کر خصوصی تربیت دی تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ آپ سیدہ خدیجہ کے کاروانِ تجارت میں شامل ہو کر شام جائیں تا کہ گھریلو حالات میں کچھ بہتری آئے ان کی اس خواہش کا علم سیدہ خدیجہ کو ہوا تو انہوں نے حضرت محمد ﷺ کو پیغام بھیجا۔ چنانچہ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے ۔حضرت خدیجہ کو آپ کی شرافت، صداقت اور دیانت کا چرچا پورے خطہ حجاز میں تھا۔ اہل مکہ آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔ سیدہ خدیجہ نے آپ کے اخلاق اور حسن سلوک کو دیکھ کر فرمایا کہ میں آپکو دوگنی اُجرت دوں گی۔ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے حامی بھر لی۔ شام کی جانب یہ سفر بہت نفع بخش رہا۔ نبی کریم کی شفقت، رحمدلی، امانت اور سچائی کے گہرے نقوش غلام میسرہ کے ذہن پر نقش ہو گئے۔ اس نے واپس آ کر سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی گفتار، کردار، حسن سلوک، معاملہ فہمی، راست گوئی، سخاوت اور ایثار کے واقعات سنائے ۔ بادلوں کا آپ پر سایہ کرنا، درختوں کا جھک کر سلام کرنا، آپ کے دستِ اقدس سے کھانے پینے کی اشیاء میں برکات کا ظہور ہونا اور عیسائی راہبوں کا آپ کی ذات گرامی کے بارے میں نبوت کی پیش گوئی کرنا یہ سب اس نے خود مشاہدہ کیا تھا۔ چنانچہ اس نے سیدہ کو اس میں بالوضاحت آگاہ کیا۔ جناب سیدہ خدیجہ آپ ﷺ کی سیرت اور کردار کے اس پہلو سے بے حد متاثر ہوئیں۔ انہوں نے طے شدہ رقم سے بھی زیادہ اجرت آپ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ کے اخلاق و کردار کی عظمت سے وہ اس قدر متاثر ہوئیں کہ انہوں نے آپ سے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا۔ جسے آپ نے اپنے چچا ابو طالب رضّی اللہ عنہ کے مشورے منظور فرمایا۔ سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ نے خواب میں دیکھا کہ آسما ن سے سورج ان کے آنگن میں اُتر آیا ہے۔ جس سے نہ صرف ان کہ گھر بلکہ پورا شہر مکہ بقعہ نور بن گیا ہے۔ جب وہ خواب سے بیدار ہوئیں تو یہ خواب اپنے چچا کے بیٹے ورقہ بن نو فل جو الہامی کتب اور اس وقت کی دینی تعلیمات سے آگاہ تھے، اسے جا کہا۔ انہوں نے اس خواب کی تعبیر یہ دی کہ تم نبی آخر الزمان (ﷺ) کی زوجیت میں شامل ہو نگی ۔'' (مدارج النبوت)

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ سیدہ خدیجہ رضّی اللہ عنہا کا سیدنا محمد بن عبداللہ

ﷺ کی جانب مائل ہونا مالی منفعت یا ظاہری جمال کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ ان کا مندرجہ بالا خواب دیکھنا اوراس کی خوبصورت تعبیر حضور کا عالی حسب نسب آپ کا حسن اخلاق و بلندی کردار، اہل مکہ کا آپ کو صادق وامین کے القاب سے نوازنا شامل تھا۔ اس کے علاوہ تجارتی سفر کے دوران اعلیٰ اوصاف ومحاسن کا مشاہدہ غلام میسرہ نے کیا تھا، ان کا بیان اس سفر میں عیسائی راہب نسطورا کی جانب سے آپ کی نبوت کی پیش گوئی، مال تجارت میں برکت اور وافر منافع اور بادلوں کا آپ پر سایہ کرنا جیسے معجزات کا ظہور یہ سب بھی سیدہ خدیجہ کی دلی رغبت کیلئے کافی تھا۔ نکاح کا خطبہ جناب ابوطالب رضی اللہ عنہ نے پڑھا جبکہ سیدہ خدیجہ کی جانب سے ورقہ بن نوفل نے خطبہ نکاح پڑھا۔ حق مہر چارسو مثقال (20 اونٹوں کی قیمت) مقرر ہوا۔ اس وقت نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک 25 سال تھی جبکہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک 40 سال تھی۔

آپ دونوں کی ازدواجی زندگی کا آغاز نہایت احسن انداز میں ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی تمام تر محبت، چاہت اور انس اپنی زوجہ محترمہ کیلئے وقف کر دیا۔ آپ نہایت نرم مزاجی اور شفقت سے سیدہ سے معاملہ کرتے، ان کی رائے اور خواہش کا احترام کرتے۔ ان کے جذبات کو اہمیت دیتے۔ سیدہ خدیجہ نے بھی کمال محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا سب کچھ اپنے شوہر نامدار سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے قدموں پر نثار کر دیا۔ بلکہ اپنی ذات، اپنی شناخت اور اپنی پہچان سب ختم کر کے اپنی ہستی کو ذاتِ مصطفیٰ ﷺ میں فنا کر دیا۔ اپنے اخلاق واقوال اور بہت الفت سے آپ کی دلجوئی اور اعانت ہمیشہ کی۔ اس ایثار اور معاونت کی بدولت پیارے آقا ﷺ کو مالی مشکلات سے نجات ملی اور دنیاوی تفکرات نے پیچھا چھوڑا جس کی بدولت آپ یکسوئی اور لگن سے غار حرا میں جا کر عبادت وریاضت میں مشغول رہنے لگے۔

حضور پاک ﷺ کی ساری اولاد پاک سوائے حضرت ابرہیم رضی اللہ عنہ کے، جناب سیدہ خدیجہ کے بطن اطہر سے پیدا ہوئی۔ ان میں چار صاحبزادیاں اور دو شہزادے شامل ہیں۔ حضرت سیدہ زینت رضی اللہ عنہا شادی کے پانچ سال بعد یعنی اعلان نبوت سے دس سال قبل پیدا ہوئیں۔ آپ بیٹیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ آپ کی شادی سیدہ خدیجہ کے بھانجے ابوالعاص بن ربیع سے ہوئی جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دوسری بیٹی ہیں ان کا نکاح آپ کے

چچا ابولہب کے بیٹے سے ہوا تھا۔ لیکن اس بد بخت نے نبی کریم ﷺ کو ایذا پہنچانے کی خاطر رخصتی سے پہلے ہی طلاق دے دی۔ نبی اکرم نے آپکا نکاح سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ بعد میں دونوں نے حبشہ کی جانب ہجرت بھی کی۔ غزوۂ بدر کے دوران بیمار ہوئیں اور جس دن بدر کے میدان میں لشکر اسلام کی کامیابی کی خبر مدینہ منورہ پہنچی، اس دن آپکا وصال ہو گیا۔ اس وقت سیدہ رقیہ کی عمر 20 سال تھی۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تیسری صاحبزادی ہیں۔ آپ کا نکاح ابولہب کے دوسرے بیٹے سے ہوا تھا لیکن اس گستاخ نے بھی آپکو رخصتی سے قبل طلاق دے دی۔ 3 ہجری میں حضرت رقیہ کے وصال کے بعد آنحضرت ﷺ نے آپکا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ اس لئے آپکو ذولنورین یعنی دو نوروں والا کہا جاتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی سب سے لاڈلی اور پیاری شہزادی سیدہ فاطمہ الزاہرہ رضی اللہ عنہا بھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے اعلان نبوت کے پہلے سال یا ایک سال قبل پیدا ہوئیں۔ ان کا نکاح سن 2 ھ میں سیدنا علی حیدر کرار رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ حضور نبی رحمت ﷺ کا سلسلہ نسب اپنی دونوں ہستیوں سے چلا۔ آپ تمام کائنات کی عورتوں کی سردار ہیں۔

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے آنگن میں کھلنے والا سب سے پہلا پھول حضرت قاسم رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ اعلان نبوت سے پہلے پیدا ہوئے اور صرف 2 سال یا اس سے بھی کم عرصہ حیات رہے۔ حضور ﷺ کی کنیت ابوالقاسم انہی کی نسبت سے ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہ کی سب سے چھوٹی اولاد ہے آپ بچپن میں ہی وصال کر گئے۔ آپ کے لقب طیب اور طاہر ہیں۔

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کاشانۂ نبوت میں امن و راحت اور فرحت و انبساط کی فروانی اور صاحب تاج ختم نبوت ﷺ کی مالی اور روحانی تسکین کیلئے کئی نازک مواقع پر نہائیت اہم کردار ادا کیا۔

سب سے اولین موقع تو وہی تھا جب نبی پاک ﷺ پر گھر کی کفالت اور معاشی مجبوریوں کا بوجھ تھا۔ ایسے میں سیدہ خدیجہ نے اپنا سب مال و اسباب آپ کیلئے وقف کر دیا۔ یوں زندگی کے اہم موڑ پر آپ کو مالی آسودگی فراہم کر کے ذہنی طور پر عبادت ربانی کیلئے اپنے آپ کو

وقف کرنے کا راستہ ہموار کیا۔

عمر کے چالس سال میں جب تاجدار دو عالم ﷺ غار حرا کی خلوتوں میں دنیا و مافیہا سے کنا رہ کش ہوکر محو عبادت ہو جاتے تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کیلئے کھانے پینے کے سامان کا اہتمام کرتیں، بعض اوقات سامان خورد ونوش لیکر خود غار میں پہنچ جاتیں۔ یوں آپ کی یکسوئی اور لگن میں فرق نہ آتا اور آپ تسلسل سے عبادت میں مشغول رہتے۔ غار حرا میں جب حکم الٰہی سے سیدنا جبرئیل علیہ اسلام پہلی وحی لیکر آئے تو نبی کریم ﷺ کیلئے یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ اس لئے آپ کچھ گھبرا گئے اور فطرت بشری کے تحت فوراً اپنے راز دار اور زندگی کی ساتھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، ام المومنین نے نہایت فہم وفراست کا ثبوت دیتے ہوئے آپ کی دلجوئی کی۔ اور کہا۔ ''آپ غم نہ کھائیے، خوش رہیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کسی خطرے میں نہیں ڈالے گا۔ نہ آپ کو کسی کے سامنے رسوا ہونے دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ بھلائی ہی فرمائے گا۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں، عیال کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ریاضت عبادت کرتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں بے کسوں اور غریبوں کے سا تھ بھلائی کرتے ہیں سب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں اور سچائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں سچ بولتے ہیں، یتیموں کو پناہ دیتے ہیں اور اعلیٰ درجے کے امانت دار ہیں۔ (مدارج النبوت)

اعلان نبوت کے بعد مصائب وآرام کا تکلیف دہ دور شروع ہوا۔ جس کے دوران کفار مکہ نے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے جانثار ساتھیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ ڈالے۔ ان حالات میں نبی اکرم ﷺ جب رنجیدہ خاطر گھر آتے تو ام المومنین آپ کو دلاسہ دیتیں اور آپ کی دلجوئی فرماتیں

اِسی دوران سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بچوں کی تربیت کا پورا خیال رکھے ہوئے تھیں۔ چنانچہ سیدہ زینب اور سیدہ رقیہ جو نسبتاً بڑی تھیں، ان کو گھر داری کے کاموں کی تربیت دیتیں اور عملی زندگی میں اچھے اوصاف کی تربیت فراہم کرتیں۔

کفار مکہ اور سرداران قریش کی ملی بھگت سے جب خاندان نبوت کو شعب ابی طالب میں مقید کر دیا گیا اور ان پر زندگی کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کی پابندی عائد کر دی گئی تو ان نا مساعد حالات میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے عظیم شوہر کے شانہ بشانہ کھڑی رہیں۔ وہ جو

مال و دولت اور ناز و نعم میں پلی تھیں، اب درختوں کے سوکھے پتے کھانے پر مجبور تھیں لیکن لب پر حرفِ شکوہ نہ تھا۔

الغرض زندگی کا یہ سفر خوش اسلوبی سے جاری تھا کہ سن 10 نبوت میں 11 رمضان المبارک کو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے داعی اجل کو لبیک کہا اور وصال فرما گئیں۔ چند دن پہلے نبی کریم ﷺ کے چچا جان جناب ابو طالب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تھا۔ ان دونوں انتہائی قریبی اور محبوب ہستیوں کے فراق سے نبی کریم ﷺ کے دل پر بہت اثر ہوا۔ اسی لئے اس سال کو عام الحزن یعنی غم کا سال کہا جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے سیدہ خدیجہ کو جنتی کفن پہنا یا اور مقام حجون میں جسے اب جنت المعلیٰ کہتے ہیں، دفن کیا۔ آپ خود پہلے قبر میں تشریف لے گئے اور پھر اپنی غمگسار اور ہمدرد جیون ساتھی کو اللہ کے حوالے کیا۔

حضور اکرم ﷺ نے ام المومنین سیدہ خدیجہ کو ہمیشہ یاد رکھا۔ جب بھی قربانی کرتے یا جانور ذبح کرتے تو فرماتے کہ اس کا گوشت فلاں کے گھر بھیج دو کیونکہ وہ خدیجہ کی سہیلی ہے آخر میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں دو احادیث پیش خدمت ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں

''میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے سنا۔'' عالم میں افضل ترین عورتیں مریم اور خدیجہ ہیں۔'' (بخاری، مسلم)

اسی طرح ایک بار سیدنا ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ۔''جنت کی عورتوں میں سب سے افضل یہ چار عورتیں ہیں۔ خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم (رضوان اللہ علیہم) (مسند امام احمد)

اللہ تعالیٰ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے صدقے میں ہمیں اپنی رحمتوں کا حقدار ٹھہرائے (آمین)

سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا

حضور نبی کریم رؤف رحیم (ﷺ) کی آل پاک سے محبت ایمان کامل کی علامت ہے۔قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

''تم فرما دو میں تم سے تبلیغ کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا' ہاں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ میرے قریبی عزیزوں (اہل بیت) سے محبت رکھو''۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا:

'' اللہ کی محبت کے لئے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کے پیش نظر میرے اہل بیت سے محبت کرو''۔(ترمذی شریف)

اہل بیت پاک میں سب سے محترم اور تقدس مآب شخصیت نبی رحمت علیہ التحیہ والسکینت کی پیاری شہزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی ہے ان کو اللہ تعالیٰ نے بے حد ارفع و اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے۔ نبی کریم (ﷺ) کو اپنی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی۔اس کا اندازہ اس حدیث سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے' جس نے اسے غصہ دلایا' اس نے مجھے غصہ دلایا۔(صحیح بخاری' حدیث 909)

ایک اور روایت میں ہے'' جو چیز انہیں (سیدہ فاطمہ کو) پریشان کرے وہ مجھے پریشان کرتی ہے اور جو کوئی انہیں تکلیف دے وہ مجھے ستاتا ہے''۔
(صحیح مسلم' صحیح بخاری)

نبی کریم (ﷺ) کے ساتھ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی قربت' فضیلت اور شفقت کے حوالے سے ایک اور حدیث بھی روایت کی گئی ہے:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ ایک دن حضرت فاطمہؓ آ ئیں ان کی چال نبی کریم (ﷺ) کی چال سے بالکل مختلف نہ تھی، جب حضور نے انہیں دیکھا تو فرمایا خوش آمدید اے میری بچی! انہیں بٹھا لیا اور ان سے کچھ سرگوشی کی۔ آپ بہت سخت روئیں تو جب ان کا رنج ملاحظہ کیا' ان سے دوبارہ سرگوشی فرمائی تو وہ ہنس پڑیں۔ پھر جب رسول اللہ (ﷺ) تشریف لے گئے تو میں نے ان سے سرگوشی کے بارے پوچھا۔ آپ بولیں کہ میں رسول اللہ (ﷺ) کا راز فاش نہیں کر سکتی۔ پھر جب حضور کی وفات ہو گئی تو میں نے کہا کہ میں تم کو اس حق کی وجہ سے جو میرا تم پر ہے قسم دیتی ہوں کہ مجھے سب کچھ بتا دو۔ آپ بولیں: اب تو ہاں ضرور۔ جس وقت حضور (ﷺ) نے پہلی بار مجھ سے سرگوشی کی تو آپ نے مجھے خبر دی کہ سیدنا جبرئیل (علیہ السلام) ہر سال مجھ پر قرآن مجید ایک بار پیش کیا کرتے تھے۔ اس سال انہوں نے دو بار قرآن مجید مجھ پر پیش کیا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ میری وفات قریب ہے۔ تم اللہ سے ڈرتی رہنا اور صبر کرنا۔ میں تمہارا بہترین پیش رو ہوں۔ تو میں رونے لگی۔ جب حضور (ﷺ) نے میری گھبراہٹ دیکھی تو مجھ سے دوبارہ سرگوشی کی۔ فرمایا: اے فاطمہ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم جنتی لوگوں کی بیویوں یا مومنوں کی بیویوں کی سردار ہو اور ایک روایت میں ہے کہ حضور نے مجھ سے سرگوشی کی اور خبر دی کہ اس بیماری میں حضور کی وفات ہو گی تو میں روئی تو پھر مجھ سے دوبارہ سرگوشی کی اور مجھے خبر دی کہ میں ان کے گھر والوں میں پہلی ہوں گی جو ان کے پیچھے پہنچوں گی' تو میں ہنس پڑی۔ (صحیح مسلم' صحیح بخاری' مشکوۃ شریف)

ایک اور حدیث مبارکہ میں سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شان یوں بیان ہوئی کہ فاطمہ جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں اور حسن اور حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ حضور نبی کریم (ﷺ) کا ارشاد ہے:

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ فاطمہ کے غضب سے غضب فرماتا ہے اور ان کی رضا کے ساتھ راضی ہوتا ہے''۔ (مدارج النبوت)

ایک دفعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا دونوں کو نبی پاک صاحب لولاک (ﷺ) نے فرش پر بٹھایا اور ان کی دلجوئی فرمائی۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ آپ سے پوچھنے لگے: یا رسول اللہ! کیا یہ زیادہ آپ کو محبوب ہیں یا کہ میں زیادہ محبوب ہوں؟۔

آپ نے جواب دیا تم سے زیادہ یہ پیاری ہیں اور ان سے زیادہ تم پیارے ہو۔ (مدارج النبوت)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت نبی کریم (ﷺ) باہر تشریف لے گئے۔ آپ (کے جسمِ اقدس) پر کالی اون کی مخلوط چادر تھی۔ آپ کے واپس آنے کے بعد بن علیؓ آئے، حضور (ﷺ) نے انہیں اس میں داخل کرلیا۔ پھر جناب حسین رضی اللہ عنہ آئے، حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بھی داخل کرلیا۔ پھر سیدہ فاطمہ آئیں تو حضور اکرم (ﷺ) نے انہیں بھی داخل کرلیا۔ پھر سیدنا علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) آئے تو انہیں بھی داخل کرلیا۔ پھر فرمایا:

''اے نبی کے گھر والو! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے نجس کو دور کردے اور تم کو خوب پاک صاف بنادے۔ (صحیح مسلم)

ایک حدیث مبارکہ میں سید العالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''فاطمہ سیدہ نساء العالمین یعنی تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہیں''۔

سبحان اللہ کیا ارفع و اعلیٰ مقام ہے سیدہ فاطمہ کا اور کتنی بلند و بالا ہے ان کی شان وعظمت! سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چوتھی صاحبزادی ہیں۔ آپ کی پیدائش مکہ معظّمہ میں ہوئی اور زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ گلشن نبوت میں یہ پھول شادی کے دس سال بعد یعنی بعثت نبوی سے پانچ سال قبل کھلا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ چھوٹی شہزادی سیدۃ نساء العالمین اور سیدۃ نساء اہل الجنتہ ہیں۔ آپ کے نام فاطمہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ سے محبت رکھنے والے تمام مسلمانوں کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھا۔ آپ کا نام بتول اس لئے ہے کہ آپ اپنے زمانہ کی تمام عورتوں سے بلحاظ فضیلتِ دین اور حسن و جمال منفرد تھیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے علاوہ سب سے بے نیاز تھیں۔ آپ کا نام زہراء ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ خوبصورتی اور حسن وزیبائی میں درجہ کمال پر فائز تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو صورت' سیرت اور کلام میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہت عطا کی تھی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبوت کے 35 برس پیدا ہوئیں یعنی اعلان نبوت سے پانچ سال قبل جبکہ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف پینتیس (35) سال اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر پچاس (50) سال تھی۔ یہ وہ سال ہے جب خانہ کعبہ میں ایک دراڑ آنے کی وجہ سے اسے از سرِ نو تعمیر کیا جا رہا تھا اور حجر اسود کی تنصیب پر تمام قبائل مکہ ایک دوسرے کے مقابل آنے کو تھے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی فراست سے تنصیب حجر اسود کا مرحلہ بہت اچھے انداز میں طے ہو گیا۔

سیدہ فاطمہ کی تربیت محسن انسانیت معلم اخلاق سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیر نگرانی ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی گود میں ہوئی۔ سیدہ خدیجہ نہایت شفیق، نرم دل، سخی اور غریب پرور خاتون تھیں۔ تمام اچھے اوصاف اور خوبیاں ان میں بدرجہ اتم اور احسن و اکمل صورت میں موجود تھیں۔ ان کی شرافت، دیانت، تقدس، پاکیزگی، حسنِ اخلاق، حلم، شفقت، مودت، سخاوت اور وسیع قلبی کے سب لوگ معترف تھے۔ انہوں نے یہ سبھی اوصاف اپنی شہزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ظاہر و باطن میں سمو دیئے اور ان کی پرورش اس انداز میں کی کہ وہ شرم و حیاء، تقدس، عفت، حلم اور سخاوت کا پیکر لاجواب بن کر جواں ہوئیں۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بابا جان سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پرچم توحید بلند کرنے کے صلے میں کفار مکہ کے بے انتہا ظلم و ستم کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک وقت آیا کہ سردارانِ قریش نے باہمی مشورے سے شفیعِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خاندان کو شعب ابی طالب نامی گھاٹی میں قطع تعلقی اور سماجی مقاطعہ کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا۔ ان ایام میں سیدہ فاطمہ کا لڑکپن تھا لیکن وہ اپنے عظیم والدین کے ساتھ اس گھاٹی میں مقید رہیں۔ صبر و تسلیم کے ساتھ یہ مشکل وقت گزارا اور اپنے والدین کو کبھی تنگ یا پریشان نہ کیا۔ صبر و رضا اور بردباری کی تربیت میں ان ایام نے اہم کردار ادا کیا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے بابا جان رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت خیال رکھا کرتی تھیں۔ ایک بار مکہ مکرمہ کے کافر سرداروں نے ابوجہل لعین کی شہ پر اونٹ کی اوجھڑی نبی کریم علیہ الصوۃ والتسلیم کی پشت مبارک پر رکھ دی جبکہ آپ سجدے کی حالت میں تھے۔ سیدہ فاطمہ کو پتہ چلا تو گھر سے بے قراری کے ساتھ دوڑتی آئیں اور اوجھڑی

پشت مبارک سے اتاری۔ سیدہ فاطمہ کا دل شدت غم سے شق ہونے کو تھا اوران کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ اپنے ابا جان پر رؤسائے مکہ کا یہ ظلم دیکھ کر آپ بہت دل گرفتہ ہوئیں۔ اس موقعہ پر ہی نبی اکرم سید دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجہل اوراس کے ساتھی سرداروں کی گرفت کی دعا کی۔ سلام اللہ علی ابیہا وعلیہا ورضی اللہ تعالی عنہا۔

اگرچہ تاریخ وسیرت کی کتب میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی تربیت کے بارے میں مواد کم ملتا ہے لیکن یہ طے شدہ امر ہے کہ سیدہ فاطمہ کی تربیت اور پرورش بھرپور انداز میں ہوئی۔ گھر میں تین بڑی بہنیں بھی تھیں جو یقیناً آپ کو کھلاتی ہوں گی پھر اپنی والدہ ماجدہ اور بہنوں کی تربیت میں آپ نے خانہ داری گھر گھرہستی کے تمام کام سیکھے ہوں گے جن میں سینا، پرونا، کھانا پکانا، چکی پیسنا اور گھر بار کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا شامل تھا۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب نبی رحمت شفیع امت علیہ التحیہ والسکینت ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ (ﷺ) نے سیدنا زید بن حارثہ اور سیدنا ابورافع رضی اللہ عنہما کو زادِراہ دے کر مکہ معظّمہ بھیجا تا کہ وہ خاندان نبوت کے افراد کو لے آئیں۔ ان کے ہمراہ سیدہ فاطمہ، سیدہ ام کلثوم، سیدنا اسامہ بن زید، ان کی والدہ ام ایمن اورام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ بھی تھیں (رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین)۔ اس سفر میں سیدنا عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اوران کے خاندان کے افراد بھی ساتھ تھے۔ (طبقات ابن سعد)

سیدۃ نساء العالمین، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی نہایت سادگی مگر وقار اور تقدس کے ساتھ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی۔ رمضان المبارک 2 ہجری میں جب سیدہ کا نکاح ہوا تو آپ کی عمر سولہ یا اٹھارہ برس تھی، جبکہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی عمر ساڑھے اکیس سال تھی۔ سیرت کی کتب میں روایت ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ سے شادی کی خواہش ظاہر کی لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے۔ اسی طرح سیدنا فاروق اعظم نے بھی سیدہ کے ساتھ شادی کا پیغام دیا ان دونوں اصحاب کا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کو مزید مضبوط کرنا تھا لیکن آپ نے فرمایا وہ عمر رسیدہ ہیں۔ روایات میں ہے کہ چند دن بعد سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ترغیب دلانے پر اور بعض راویوں کے مطابق انصار اور

مہاجرین کی ایک جماعت کے کہنے پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہایت شرم وحیاء کے ساتھ بارگاہ سید العالمین (ﷺ) میں اپنا مدعا بیان کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرحبا کہا اور ان کا پیغام قبول فرمالیا۔

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فقر وتنگدستی کی زندگی گزار رہے تھے۔ وہ ایک یہودی کے باغ میں مزدوری کرتے تھے۔ شادی کی ضروریات کے لئے ان کے پاس رقم موجود نہ تھی۔ حق مہر کی ادائیگی کے لئے آپ نے اپنی زرہ بیچنے کا منصوبہ بنایا۔ آپ نے اپنی زرہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے سامنے پیش کی۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فوراً چار سو اسی درہم میں خرید لی اور پھر یہی زرہ ان کو تحفتاً واپس کردی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم (ﷺ) کے حکم سے دو تہائی رقم خوشبو وغیرہ پر خرچ کی اور ایک تہائی شادی کے سامان اور دیگر ضروریات پر صرف کردی۔ اس کے بعد نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو مسجد نبوی میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ آپ منبر شریف پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:

> ''اے گروہ مہاجرین وانصار! مجھے اللہ پاک نے حکم دیا ہے کہ فاطمہ بنت محمد (ﷺ) کا نکاح علی بن ابی طالب (کرم اللہ وجہہ الکریم) سے کر دوں۔ میں تمہارے سامنے اس حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔

اس کے بعد آپ نے نکاح پڑھایا۔ جہیز میں جو سامان دیا گیا وہ سادگی اور اسلامی تہذیب کا بہترین نمونہ ہے۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے: ایک بستر، ایک پلنگ، ایک مشکیزہ، ایک چکی، ایک مصلی، مٹی کے برتن (گھڑا وغیرہ) پیالہ، دو یا تین چادریں، دو بازو بند، کھجور کی چھال سے بھرا چمڑے کا ایک تکیہ آپ کا جہیز بنا۔

رخصتی کے بعد رات کو نبی کریم (ﷺ) سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے سیدہ فاطمہ کو پانی کا پیالہ لانے کے لئے کہا۔ آپ نے اس پانی میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور پھر اس میں سے تھوڑا سا پانی لے کر ان کے سینے کے درمیان اور سر پر چھڑکا۔ پھر تھوڑا سا پانی ان کے شانوں کے درمیان چھڑکا اور یہ دعا پڑھی:

> ''اے خدا میں ان کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے''

اسی طرح آپ نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو بلایا اور پانی کے چھینٹے ان کے سر اور چہرے پر ڈالے اور یہی دعا فرمائی:

''اے اللہ میں ان کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے''

اس کے بعد فرمایا کہ بسم اللہ وبرکتہ کہہ کر اپنی زوجہ کے پاس جاؤ۔

خاندان نبوت کے دو پھولوں کی شادی بہت خوشگوار ثابت ہوئی۔ دونوں ہنسی خوشی رہنے لگے۔ سیدہ فاطمہ سیرت و گفتار اور کردار میں اپنے ابا جان (ﷺ) کا ہو بہو عکس تھیں۔ حلم، بردباری، چاہت اور شوہر کی خدمت گزاری اور ادب و احترام ان کا معمول تھا۔ اسی طرح سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی سیدہ سے بے حد محبت کرتے اور ان کا ہر ممکن خیال رکھتے تھے۔ تاہم ایک دو بار معمولی سی رنجش پیدا ہوئی جو نبی کریم (ﷺ) کی توجہ سے دور ہو گئی۔

ایک دن رسول اللہ (ﷺ) سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے۔ آپ نے سیدہ فاطمہ سے پوچھا: ''تمہارے چچا زاد کدھر ہیں''؟ وہ بولیں: ''مجھ میں اور ان میں کچھ جھگڑا ہو گیا تھا وہ ناراض ہو کر چلے گئے ہیں اور دوپہر کو یہاں نہیں لیٹے''۔ رسول کریم (ﷺ) نے ایک صحابی کو بھیجا: ''دیکھو وہ کہاں ہیں''؟ اس صحابی نے آ کر عرض کیا کہ سیدنا علی مسجد میں سو رہے ہیں۔ رسول اکرم (ﷺ) مسجد میں تشریف لے گئے، دیکھا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم لیٹے ہوئے ہیں، پہلو سے چادر ہٹی ہوئی تھی اور جسم پر مٹی لگی ہوئی تھی۔ رسول اکرم (ﷺ) مٹی جھاڑتے جاتے اور فرماتے جاتے اٹھو ابوتراب! اٹھو ابوتراب!'' حضور (ﷺ) سیدنا علی کو اپنے ساتھ گھر لائے اور میاں بیوی میں صلح کروا دی۔ سیدنا علی کو ابوتراب کہلایا جانا عمر بھر بہت محبوب رہا۔ (صحیح بخاری)

ایک مرتبہ ابوجہل کے بھائی نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی بھتیجی غوراء بنت ابوجہل سے نکاح کی پیشکش کی۔ انہوں نے حامی بھر لی حضور (ﷺ) کو یہ بات بے حد ناگوار گزری۔ آپ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر ارشاد فرمایا:

> ''عمرو بن ہشام بن مغیرہ علی سے اپنی بیٹی کا نکاح کرنا چاہتا ہے اور مجھ سے اجازت مانگتے ہیں لیکن میں کبھی بھی اس کی اجازت نہیں دوں گا البتہ علی میری بیٹی کو طلاق دیکر ان کی لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے، جس نے اسے اذیت دی، اس نے مجھے اذیت دی۔ پھر فرمایا: ''خدا کی قسم! اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ تعالیٰ کے دشمن کی

بیٹی' دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں''۔حضور (ﷺ) کو اس طرح ناراض دیکھ کر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فوراً اپنا ارادہ ترک کر دیا اور پھر سیدہ فاطمہ کی زندگی تک کسی دوسرے نکاح کا خیال ذہن میں نہ لائے (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)۔(صحیح بخاری)

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے بعد جب کسی نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ سیدہ کا حسن سلوک کیسا تھا تو وہ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا: ''فاطمہ جنت کا ایک خوشبودار پھول تھیں اگرچہ وہ دنیا سے چلی گئیں مگر اس کی خوشبو سے اب تک میرا دماغ معطر ہے۔اس نے اپنی زندگی میں مجھے کبھی شکایت کا موقعہ نہیں دیا''۔

نبی کریم (ﷺ) کو اپنی شہزادی فاطمہ سلام اللہ علیہا سے بے حد محبت تھی۔سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ (ﷺ) کے برابر کسی کو اپنی اولاد سے محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ جب کبھی آپ سفر پر تشریف لے جاتے تو سیدہ فاطمۃ الزہراء سے مل کے جاتے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے آپ سے آ کر ملتے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ از راہ محبت کھڑے ہو جاتے' شفقت سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے۔اِسی طرح جب نبی پاک (ﷺ) سیدہ فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ بھی کھڑی ہو جاتیں' محبت سے آپ کا سر مبارک چومتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔

غزوہ احد (3 ہجری) میں مدینہ منورہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ نبی کریم (ﷺ) شہید ہو گئے ہیں۔ یہ خبر سن کر مسلم خواتین فرطِ غم سے نڈھال ہو کر جبل احد کی جانب چل پڑیں۔ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا بھی غمزدہ اور پریشان ہو کر میدان جنگ میں پہنچ گئیں۔ وہاں نبی رحمت علیہ التحیہ والسکینت کا دیدار کر کے ان کو سکون ملا۔ پھر وہ نبی کریم (ﷺ) کے زخموں کو پانی سے دھونے لگیں۔ایک زخم سے خون بند نہ ہوتا تھا' سیدہ نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا' اس کو

جلایا اور راکھ زخم میں بھر دی۔ اس طرح خون بند ہو گیا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زہد وتقویٰ اور ایثار وسخا کا پیکر تھیں۔ خود فقر وسادگی کی زندگی بسر کی لیکن کبھی کسی سائل اور حاجت مند کو دروازے سے خالی نہ لوٹایا۔ ایک دفعہ قبیلہ بنو سُلَیم کے ایک بہت بوڑھے شخص نے نبی اکرم (ﷺ) کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ آپ نے اس کو دین کے ضروری مسائل بتائے پھر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے پوچھا کہ تم میں سے کون اس غریب اور ضرورت مند شخص کی مدد کرے گا؟ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اونٹنی اسے دے دی جبکہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنا عمامہ اتار کر اسے پہنا دیا۔ اس کے کھانے کا اہتمام کرنے کی ڈیوٹی سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی لگی۔ وہ اسے ساتھ لے کر مختلف صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے گھر گئے لیکن کھانے کا بندوبست نہ ہو سکا۔ بالآخر انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے جواب دیا: ''اے سلمان! خدا کی قسم' آج ہم سب کو تیسرا فاقہ ہے۔ دونوں بچے بھوکے سوئے ہیں لیکن سائل کو خالی ہاتھ نہ جانے دوں گی۔ یہ میری چادر شمعون یہودی کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہو کہ فاطمہ بنت محمد کی چادر رکھ لو اور اس کے عوض اس مسکین کو کچھ خوراک دے دو''۔ سیدنا سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) نے چادر شمعون یہودی کو دیتے ہوئے سارا واقعہ سنایا۔ وہ حیرت سے ششدر رہ گیا۔ اس کے خیال میں بھی نہ تھا کہ ایسے سخی لوگ بھی ہیں جو خود بھوکے رہتے ہیں لیکن سائل کو خالی نہیں لوٹاتے۔ اس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ بے اختیار پکار اٹھا: ''اے سلمان! خدا کی قسم' یہ وہی لوگ ہیں جن کی خبر توریت میں دی گئی ہے۔ تم گواہ رہنا کہ میں فاطمہ کے باپ پر ایمان لایا۔ اس نے وہ چادر بھی واپس کر دی اور کچھ اناج دیا' جسے چکی میں پیس کر سیدہ نے کھانا پکایا۔ سیدنا سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) کے کہنے کے باوجود آپ نے اس میں سے تھوڑا سا اناج بھی اپنے بچوں کے لئے نہ رکھا۔ (سلام الله علی ابیها وعلیها ورضی الله تعالی عنها)۔

سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا زہد وتقویٰ کے اعلیٰ اوصاف سے مزین تھیں۔ آپ کے شب و روز اللہ تعالیٰ کی حمد وثناءٔ ذکر اور عبادت میں گزرتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں فاطمہ کو دیکھتا تھا کہ کھانا پکاتی جاتی اور اللہ کا ذکر کرتی جاتی تھیں۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ' اللہ تعالیٰ کی بے حد

عبادت کرتی تھیں لیکن گھر کے کام کاج کا حرج نہیں ہونے دیتی تھیں۔

گھر کا سارا کام سیدہ فاطمہ خود کرتی تھیں۔ چکی پیس کر ان کے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم (ﷺ) کی خدمت میں عرض کیا کہ مال غنیمت میں سے اگر ایک لونڈی فاطمہ کو عنایت ہو جائے تو اسے کافی آسائش مل سکتی ہے لیکن رسول اکرم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: ''بیٹی! بدر کے شہیدوں کے یتیم تم سے پہلے مدد کے حقدار ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا:

> ''تم جس چیز کی خواہشمند تھیں اس سے بہتر ایک چیز میں تم کو بتاتا ہوں، ہر نماز کے بعد تینتیس (33) مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس (33) مرتبہ الحمدللہ اور چونتیس (34) مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ عمل تمہارے لئے لونڈی اور غلام سے بڑھ کر ثابت ہوگا''۔

سیدہ نے عرض کیا: ''میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے اسی حال میں خوش ہوں''۔

سلام اللہ علیہا و رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بے حد غمگین اور اداس رہتی تھیں۔ ان کو کسی نے ہنستے نہیں دیکھا۔ صرف چھ ماہ بعد سیدہ فاطمہ کو بھی اللہ تعالیٰ طرف سے بلاوا آ گیا اور وہ 3/رمضان المبارک 11ھ کو وصال کر گئیں۔ رات کے اندھیرے میں جنت البقیع شریف میں دفن ہوئیں۔ وصیت کی تھی کہ مجھے رات کو دفن کرنا تاکہ نامحرموں کی آنکھیں میرے جنازے پر نہ پڑیں۔ ان کی نماز جنازہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے پڑھائی۔ بعض روایات میں ہے کہ ان کی نماز جنازہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا سیّدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر انور جنت البقیع میں صدر دروازے کے سامنے داہنی جانب احاطے میں موجود ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپ کو آپ کی رہائش گاہ پر ہی دفن کیا گیا۔ اہل اسلام نہایت عقیدت اور تقدس کے ساتھ سیدہ کے قدمین میں حاضر ہوتے ہیں اور سلام پیش کرتے ہیں اور اپنے دامن مراد کو انوار ربانی سے بھر بھر کر لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر انور پر کروڑوں رحمتیں نازل کرے اور ان کے فیوض و برکات سے ہم عاصیوں کو مالا مال کرے۔ آمین

....☆☆..

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عالم بشریت کی ان چند ممتاز اور کامل خواتین میں سے ہیں جو زہد وتقویٰ' عبادت وریاضت فہم وذکاء اور حسن سیرت وکردار کے لحاظ سے مسند کمال پر فائز ہیں اور عالم امکاں کی خواتین میں افضل وممتاز ہیں۔ نبی اکرم شفیع معظم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''مردوں میں تو بہت کامل گزرے ہیں لیکن مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے سوا عورتوں میں کوئی کامل نہیں ہوئی اور عائشہ کو عورتوں پر اس طرح فضیلت ہے جس طرح ثرید کو تمام کھانوں پر''۔ (صحاح ستہ)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سرکار دو عالم (ﷺ) کی نظر میں جو عزت ووقعت حاصل تھی وہ اس حدیث سے واضح ہے:

''سیدنا عمر بن العاص رضی اللہ عنہ جب غزوہ سلاسل سے واپس آئے تو دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اس دنیا میں سب سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ عائشہ کو۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! مردوں کی نسبت سوال ہے۔ فرمایا: ''عائشہ کے باپ کو''۔ (صحیح بخاری' مناقب ابی بکر)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیارے آقا ومولا سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء کو بے حد عزیز اور محبوب تھیں۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو بھی اس حقیقت کا علم تھا اس لئے وہ تحائف اور ہدیے' نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عموماً اس روز پیش کیا کرتے

جس دن آپ کا قیام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر ہوتا تھا۔ دیگر امہات المومنین جذبہ بشریت کے تحت اس بات کو محسوس کرتی تھیں' چنانچہ انہوں نے سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے ذریعے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے کہا جائے کہ وہ دوسری امہات المومنین کی باری میں بھی تحائف بھیجا کریں۔

نبی آخرالزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی لخت جگر سیدہ نساء العالمین فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے صرف اتنا کہا: ''اے لخت جگر! جس کو میں چاہوں کیا تم اس کو نہیں چاہو گی؟''۔ ان کے لئے اتنا ہی کافی تھا' اس لئے وہ خاموشی سے واپس چلی آئیں۔ بعد میں کئی امہات المومنین نے ان کو (بارگاہِ رسالت پناہ میں) بھیجنے کے لئے رضامند کرنا چاہا لیکن وہ جانے کے لئے راضی نہ ہوئیں۔ (صحیح بخاری باب الہدایہ)

انہوں نے سیدہ ام سلمہ کو بیچ میں ڈالا۔ چنانچہ سیدہ ام سلمہ نے موقع پا کر یہ بات بارگاہ سیدالوریٰ علیہ التحیہ والثناء میں عرض کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''ام سلمہ! مجھ کو عائشہ کے معاملے میں دق نہ کرو کیونکہ عائشہ کے علاوہ کسی اور بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی'' (نسائی)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام عائشہ اور لقب حمیرا ہے کنیت ام عبداللہ ہے کیونکہ آپ نے اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو گود لے رکھا تھا اور ان کی پرورش آپ کے ہاتھوں میں ہوئی۔ سیدہ عائشہ کے والد ماجد نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے سب سے قریبی ساتھی اور خلیفہ رسول سیدنا صدیق اکبر ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام ام رومان بنت عامر تھا جو جلیل القدر صحابیہ تھیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش بعثت نبوی سے چار سال قبل ہوئی اگرچہ چند سیرت نگاروں نے ام المومنین کی عمر مبارک بوقت رخصتی بہت تھوڑی لکھی ہے لیکن ایسا نہیں ہے آپ کی عمر بوقت رخصتی 18 سال تھی اس طرح آپ کی پیدائش کا سن چار سال قبل بعثت بنتا ہے۔ اس اہم موضوع کو ہم اس طرح سے واضح کرتے ہیں کہ سیدہ اسماء بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہا ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن تھیں اور سوتیلی تھیں۔ وہ ان سے دس سال بڑی تھیں ، وہ سو سال کی عمر میں فوت ہوئیں اور ان کا سن وفات 73ھ ہے جسے بہت سے سیرت نگاروں نے تحریر کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ اسماء ہجرت سے 27 سال قبل پیدا

ہوئیں۔اس طرح سیدہ عائشہ ہجرت سے 17 سال قبل یا بعثت نبوی ﷺ سے چار سال قبل پیدا ہوئیں۔

تفصیل کے مطابق محسنہ امت اور منصور احمد بٹ سید الوراء جلد سوم از قاضی عبدالدائم دائم، حیات ام المومنین از میاں محمد سعید دیکھی سکتی ہیں (ایس فقرے دی لکھ سمجھ نہیں آوندی)۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ کا بچپن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر نگرانی بہت ناز ونعم میں گزرا۔وہ اکثر گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں۔10 نبوی بعثت نبوی عام الحزن کا سال تھا کہ اس میں آپ کی پیاری اور غمگسار زوجہ محترمہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے محترم چچا جان سردار ابو طالب رضی اللہ عنہ وصال فرما گئے۔بچوں کی دیکھ بھال اور آپ ﷺ کے تبلیغی مشن میں سکون وراحت کی چند ساعتیں مہیا کرنے کی خاطر کسی ساتھی کی ضرورت تھی۔چنانچہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی زوجہ سیدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے آپ کو پھر سے گھر بسانے کی ترغیب دی۔انہوں نے سودہ بنت زمعہ اور سیدہ عائشہ صدیقہ کے نام تجویز کئے۔اسی دوران نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالم خواب میں سیدنا جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ سبز ریشمی کپڑے پر سیدہ عائشہ صدیقہ کی تصویر لائے اور کہا کہ یہ خاتون اس دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ ہیں۔آپ نے فرمایا کہ اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو ضرور پورا ہوگا۔یہ خواب تین دن مسلسل آتا رہا۔بہرحال سیدنا صدیق اکبر اور ان کے اہل خانہ سے بات چیت کے بعد یہ رشتہ طے ہو گیا اور ماہ شوال 10 نبوی میں سیدہ عائشہ صدیقہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں آ گئیں۔اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی۔تاہم رخصتی بعد از ہجرت شوال کے مہینے میں ہجری تقویم کے پہلے سال ہوئی۔مدینہ منورہ میں انصار خواتین نے ان کو تیار کیا اور وہ دلہن بن کر حرم نبوی میں تشریف لائیں اور رہائش کے لئے ان کو جو حجرہ ملا وہ مسجد نبوی سے متصل تھا۔اس گھر کا دروازہ مسجد نبوی میں کھلتا تھا۔یہ گھر سادگی کا بہترین نمونہ تھا۔مختصر سا کمرہ جس کی دیواریں کچی اینٹوں سے اور چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھی۔بارش سے بچنے کے لئے کمبل چھت پر ڈال دیا گیا تھا۔دروازے پر بھی ایک کمبل پردے کا کام دیتا تھا۔گھر کا کل اثاثہ ایک چارپائی، ایک چٹائی، ایک بستر، چھال سے بھرا تکیہ، آٹا اور کھجور رکھنے کے لئے ایک دو

برتن، پانی کا ایک برتن اور پانی پینے کے لئے ایک پیالہ تھا۔ گھر میں کئی کئی راتیں چراغ نہ جلتا تھا۔

گلشن نبوی میں آنے کے بعد ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بحیثیت بیوی اور بحیثیت ماں، اپنی ذمہ داریاں خوب نبھائیں۔ اگرچہ ان کے بطن سے کوئی اولاد نہ تھی لیکن گلشن نبوی میں اس وقت سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کی صورت میں دو کلیاں مہک رہی تھیں۔ آپ نے ان دونوں بیٹیوں کی پرورش اور نگہداشت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام انہوں نے ہی تجویز کیا۔ چنانچہ 2 ھ کے وسط میں ان کی شادی سیدنا علی المرتضیٰ سے کر دی گئی۔ شادی کے تمام تر انتظامات بحیثیت ماں انہوں نے کئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھر کی صفائی کی۔ بستر اور تکیہ وغیرہ تیار کیا۔ مشک اور کپڑے لٹکانے کے لئے لکڑی کی الگنی بنائی اور فرماتی تھیں میں نے فاطمہ کی شادی سے زیادہ اچھی کوئی شادی نہیں دیکھی۔

نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان ازدواجی زندگی نو (9) سال تک قائم رہی۔ اس دوران سیدہ عائشہ نے نبی کریم (ﷺ) کی بھرپور خدمت کی۔ آپ کے آرام وسکون کا مکمل خیال رکھا۔ اگرچہ نبی رحمت علیہ التحیۃ والسکینت عدل واحسان کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام ازواج مطہرات سے یکساں اور مساوی سلوک کرتے تھے لیکن ان کو سیدہ عائشہ سے بہت محبت تھی۔ یہ بات دیگر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو معلوم تھی۔ اس لئے وہ ہدیے اور تحائف اس دن بارگاہ مصطفوی میں کثرت سے بھیجتے تھے جس دن سیدہ عائشہ کی باری ہوتی تھی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی رحمت علیہ التحیۃ والسکینت کی محبت کی شدت کا اندازہ ان احادیث سے لگایا جاسکتا ہے:

☆ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر سے تشریف لائے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سر میں درد تھا اس لئے وہ کراہ رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا ''ہائے میرا سر'' اس وقت سے رسول اللہ کی بیماری شروع ہوئی اور یہی مرض آپ کے وصال کا باعث بنا۔ (صحیح بخاری)

☆ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم مرض الموت میں بار بار دریافت فرماتے

تھے آج کون سا دن ہے؟ لوگ سمجھ گئے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ کی باری کا انتظار ہے۔(صحیح بخاری)

صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) آپ کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک میں لے گئے' آپ تادم وفات وہیں رہے اور آپ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے زانو پر سر رکھے ہوئے وفات پائی۔(صحیح بخاری)

☆ نبی اکرم (ﷺ) اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مابین محبت بہت نرالی اور عظمت والی تھی۔ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا''یا حبیب اللہ! میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں آپ کی ازواج مطہرات میں سے رکھے ۔آپ نے ارشاد فرمایا''اگر تم اس مرتبہ کو پانا چاہتی ہو تو کل کے لئے کھانا بچا کر نہ رکھو اور کسی کپڑے کو جب تک اس میں پیوند لگ سکتا ہو بیکار نہ کرو۔ چنانچہ ام المومنین کی ساری زندگی اس فرمان پر عمل پیرا رہتے ہوئے گزری انہوں نے کل کے لئے بچا کر نہ رکھا اور کپڑا اپھٹ جاتا تو سی لیا کرتیں۔اگر ضرورت ہوتی تو پیوند لگا لیتی تھیں۔ایک اور روایت میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:''اے عائشہ! اگر تم چاہتی ہو کہ میرے ساتھ جنت میں رہو تو تمہیں چاہئے کہ دنیا میں اس طرح رہو جس طرح ایک چلتا مسافر ہوتا ہے۔

نبی اکرم (ﷺ) کے وصال کے بعد سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک طویل عرصے تک حیات رہیں اور تبلیغ دین اور تربیت مومنین میں مصروف رہیں۔ 17/رمضان المبارک 57ھ کی شب عشاء کے بعد آپ کا انتقال ہوا۔آپ نے وصیت کی:

''مجھے رات کو جنت البقیع میں امہات المومنین کے قریب دفن کر دینا''۔

ام المومنین سیدہ ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کو جب ان کی وفات کا علم ہوا تو فرمایا: اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے نبی کریم (ﷺ) کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔نماز جنازہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔قبر میں عبداللہ' عروہ' قاسم بن محمد اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن پانچ اشخاص اترے اور ان کے جسم اطہر کو قبر میں اتارا۔سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا

گیا: ''سیدہ عائشہ صدیقہ کی موت کا غم کس کس نے کیا؟''۔ انہوں نے جواب دیا: ''جس جس کی وہ ماں تھیں اس کو ان کا غم ہوا یعنی تمام مسلمان''۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا علم و عمل، تقوی، زہد، احسان، فیاضی، رحمدلی اور قناعت کا پیکر تھیں۔ علم حدیث اور علم فقہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ان کے توسط سے ہم تک پہنچا ہے۔ دور و نزدیک کے علاقوں سے مسلمانوں کے قبائل اور وفود آتے اور آپ سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ جید صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) بھی مختلف مسائل میں آپ سے رائے لیا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دین کی اتنی خدمت اس وجہ سے کی کہ ان کو دورِ شباب میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محفل سے استفادہ کا موقعہ ملا۔ گھر میں، مسجد میں اور جہاں بھی موقعہ ملتا سیدہ عائشہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے پورا استفادہ کرتی تھیں۔ آپ کے علم و فضل کے حوالے سے دو قول ملاحظہ کیجیے:

☆ سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے حلال و حرام، علم و شاعری اور طب میں ام المومنین سیدہ عائشہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ (زرقانی)

☆ امام زہری کا قول ہے جو تابعین کے پیشوا تھے: ''سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم ان سے پوچھا کرتے تھے''۔ (طبقات ابن سعد)

اب چند احادیث ملاحظہ کیجیے جن سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علم و فضل کے بارے میں اندازہ لگایا جاسکتا ہے:-

☆ ایک مرتبہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ''یا حبیب اللہ! نکاح میں عورت کی رضامندی لازمی ہے لیکن کنواری لڑکیاں شرم سے اظہار نہیں کرتیں۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے۔ (صحیح مسلم، باب النکاح)

☆ ایک دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! اس مسئلہ

میں حکمت عطا ہو کہ دیگر دینی فرائض کی طرح کیا جہاد بھی عورتوں پر فرض ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! عورتوں کے لئے حج ہی جہاد ہے۔(صحیح بخاری باب حج النساء)

☆اسی طرح ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا کفار و مشرکین کے نیک اعمال کا انہیں آخرت میں کوئی اجرت ملے گا؟ نبی پاک (ﷺ) نے جواب دیا: ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے بغیر کوئی نیک عمل قابل قبول اور لائق جزا نہیں۔(مسند احمد)

☆ ایک بار نماز تہجد کے بعد وتر پڑھے بغیر' نبی آخر الزماں (ﷺ) نے سونا چاہا۔سیدہ عائشہ صدیقہ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ وتر پڑھے بغیر سونا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔(صحیح بخاری)

☆ایک دفعہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے یہ دعا مانگی: الٰہی مجھے مسکین زندہ رکھ اور حالت مسکینی ہی میں موت دے اور مسکینوں ہی کے ساتھ قیامت میں اٹھا۔سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا: مسکین دولت مندوں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے۔اے عائشہ! کسی مسکین کو بے نیل و مرام واپس نہ کرنا چاہیے' چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو(جوکہ مسکین کو دیا جائے)۔مسکینوں سے محبت رکھو اور ان کو اپنے پاس جگہ دیا کرو۔(جامع ترمذی)

☆ایک دفعہ کسی سائل نے سوال کیا۔سیدہ عائشہ نے اشارہ کیا تو لونڈی ذرا سی چیز لے کر دینے چلی گئی۔رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: عائشہ گن گن کر نہ دیا کرو' ورنہ اللہ بھی تم کو گن گن کر دیا کرے گا۔(ابوداوٗد کتاب الادب)

آخر میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کے بارے میں انہی کی ایک روایت بیان کرتے ہیں۔آپ فرمایا کرتی تھیں میں فخر نہیں کرتی بلکہ بطور واقعہ کے کہتی ہوں

کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نو باتیں ایسی عطا کی ہیں، جو دنیا میں میرے سوا کسی کو عطا نہیں کی گئیں:-

1۔فرشتے نے خواب میں رسول اکرم (ﷺ) کے سامنے میری صورت پیش کی۔

2۔جب میں پندرہ (15) برس کی تھی تو مجھ سے نکاح کیا۔

3۔جب میں اُنّیس (19) برس کی ہوئی تو میری رخصتی ہوئی۔

4۔میرے سوا کوئی اور کنواری بیوی آپ کے عقد میں نہ تھی۔

5۔اس حالت میں وحی نازل ہوتی کہ آپ میرے بستر میں ہوتے۔

6۔میں آپ کی محبوب ترین بیوی تھی۔

7۔میری شان میں قرآن کی آیتیں اتریں۔

8۔میں نے جبرئیل علیہ السلام کو آنکھوں سے دیکھا۔

9۔آپ نے میری گود میں سر رکھے ہوئے وفات پائی

(مستدرک حاکم، طبقات ابن سعد)

(صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ و ازواجہ و ذریتہ و بارک و سلم تسلیما)۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)



سیدنا بلال رضی اللہ عنہ

صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) بلاشک وشبہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مظہرِ کامل ہیں۔ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کی روشنی سے منور ہے۔انہوں نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعانت میں اپنی جان، مال، عزت وآبرو غرضیکہ ہر چیز قربان کی۔کفار کے ظلم وستم برداشت کئے۔اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کے لئے اپنا گھر باراور وطن چھوڑا۔عزیز واقارب سے رشتہ ناطہ توڑا۔اوراعلائے کلمتہ الحق کے لئے جان ومال کے ساتھ جہاد کیا۔اسی طرح وہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لئے ہمہ وقت بے چین رہتے۔آپ کے ارشادات وفرمودات پر فوراً عمل پیرا ہوتے۔گویا انہیں دنیا وآخرت کی ہر چیز سے بڑھ کر صرف اورصرف جانِ کائنات فخر موجودات حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے محبت وعقیدت تھی۔اگرچہ تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت سے مالا مال تھے لیکن اس نعمت عظمیٰ کی فراوانی سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے ہاں بہت زیادہ تھی۔اور عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کا امام اگر کسی شخص کو کہا جا سکتا ہے تو بلا شبہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے۔

شخصیت اور مکی زندگی

خاندان

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا خاندان یمن اور حبشہ کی سرحد کے درمیان واقع علاقہ میں آباد تھا۔آپ ان اوّلین مسلمانوں میں سے ہیں جن کا تعلق وادی حجاز میں آباد قبائل سے نہ تھا۔آپ کی والدہ کا نام سیدہ حمامہ رضی اللہ عنہا تھا اور والد کا نام رباح رضی اللہ عنہ تھا۔

والدہ کا تعلق یمن کے علاقہ سراۃ یا مکہ مکرمہ کی باندیوں سے تھا۔ وہ بھی آپ کے ساتھ ہی اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئیں۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا ایک بھائی خالد اور ایک بہن عسقرہ تھیں۔ آپ کی اولاد نہ تھی۔ مؤرخین بیویوں کے بارے میں مختلف رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ کچھ کے خیال میں آپ کی شادی مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران ہوئی۔ بعض کے خیال میں آپ نے قیامِ دمشق کے دوران شادی کی۔

آپ ہجرت سے تقریباً تینتالیس (43) سال قبل پیدا ہوئے۔ جائے پیدائش یمن کا علاقہ سراۃ یا مکہ مکرمہ ہے۔ آپ غلام کے طور پر پیدا ہوئے۔ آپ کے مالک کا نام امیہ بن خلف تھا جو مشرکین مکہ کے رؤساء میں سے تھا اور نہایت جابر و ظالم شخص تھا۔

حلیہ مبارک

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی رنگت سیاہی مائل تھی۔ آپکا قد لمبا، سینہ کشادہ اور چوڑا' رخساروں پر گوشت نسبتاً کم اور جسم نحیف و کمزور تھا۔ تاہم آپ کی آواز بہت بلند اور بارعب تھی۔ آپ کی آنکھیں سرخ انگاروں کی مانند روشن تھیں۔ داڑھی مبارک ہلکی تھی مگر جسم اور سر پر بکثرت بال موجود تھے۔ تاہم گھنگریالے نہ تھے۔ آپ کی ناک بھی چپٹی نہ تھی۔ نحیف و نزار ہونے کے باوجود آپ میں قوت برداشت بہت زیادہ تھی۔ کفار سے جہاد کے دوران آپ بھرپور طاقت اور جذبے سے حصہ لیتے تھے اور جسمانی قوت کا شاندار مظاہرہ کرتے تھے۔

آپ کے قبول اسلام کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ خود موحدہ' پاکباز' نیک اور حق کی متلاشی خاتون تھیں۔ ان کی تربیت کا اثر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی فطرت میں یقیناً شامل تھا۔ پیارے آقا و مولا سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت' صداقت اور حسنِ خلق کا شہرہ بھی مکہ مکرمہ کے ہر باشندے تک پہنچ چکا تھا۔ نیز آپ (ﷺ) کا پیغامِ توحید و رسالت بھی سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے کانوں تک پہنچ چکا تھا۔ مزید برآں یہ کہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے حلیم الطبع' نیک سیرت اور معزز ہستی کی تبلیغ سے بھی سیدنا بلال بہت متاثر تھے۔ بہر حال آپ نے آفتابِ اسلام کے طلوع ہونے کے فوراً بعد ہی کلمۂ حق پہ لبیک کہا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

مصائب و آلام

طلوعِ اسلام کے ابتدائی دور میں مشرکینِ مکہ خصوصاً ان کے سردار جو پوری شدت سے سرکارِ ابدقرار، بطحا کے درِّ یتیم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کر رہے تھے یہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ ان کا ایک زرخرید غلام لات وعزیٰ پہ لات مارتے اور تھوکتے ہوئے خدائے واحد کی عبادت کرے۔ چنانچہ دعوتِ اسلام قبول کرنے کی پاداش میں سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ آپ کا مالک امیہ بن خلف اور اس کے مشرکین ساتھی آپ پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتے۔ لیکن مجال ہے کہ آپ کے پائے استقلال میں لغزش آئی ہو۔ وہ آپ کو تپتی دھوپ میں زمین پر لٹا دیتے۔ سورج نصف النہار پر ہوتا تو آپ کو اوندھا لٹا کر کے آپ کے جسم پر پتھر رکھ دیتے۔ کبھی گائے کی کھال میں بند کر کے پاؤں میں بیڑیاں پہنا دیتے۔ جسم پر بڑے بڑے پتھر رکھ کر دھوپ میں جسم کی چربی پگھلنے کے لئے لٹا دیتے۔ بعض اوقات لوہے کی زرہ پہنا کر جلتے سورج کے نیچے نوکیلے پتھروں پر آپ کو نہایت بے دردی سے کھینچتے۔ آپ کے نحیف ونزار جسم پر تازیانے اور کوڑے برسائے جاتے۔ مکہ کے اوباش مشرکین بدمست شرابیوں کی طرح آپ کا تمسخر اڑاتے۔ الغرض وہ ہر ممکن طریقے سے آپ کو تکلیف پہنچاتے اور ظلم وستم کا ہر حربہ آزماتے۔ لیکن ان کا ہر حربہ ناکام ہوتا۔ آپ کی زبان پر احد احد کا نغمہ جاری رہتا اور تصور میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جلوہ سمایا رہتا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک آپ پر ڈھائے جانے والے مصائب ومظالم کا احوال پہنچتا تو آپ بہت مغموم ہوتے۔ خود رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی حالت کا سن کر اداس اور غمگین ہو جاتے۔ ایک دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے مالک امیہ بن خلف سے آپ کو آزاد کروانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ آپ نے اس مشرک سردار کو منہ مانگی قیمت ادا کر کے آپ کو خرید لیا اور خوشی خوشی اپنے ساتھ لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فخر موجودات سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور خوشی سے چمکنے لگا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''اے ابوبکر! اس سودے میں ہمیں بھی شامل کر لو''۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن میں نے تو بلال کو اللہ کی راہ میں

آزاد کر دیا ہے''۔

اس طرح آپ کفّار کے ظلم وستم سے محفوظ ہو گئے اور نبی مکرم شفیع معظم رحمتِ ہر عالم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی آغوشِ رحمت میں آ گئے۔

مکہ میں آپ کے دینی بھائی

مکی دور میں حضور پُر نور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو آپکا دینی بھائی بنایا۔ چنانچہ آپ دونوں میں انتہائی محبت والفت اور باہمی احترام موجود تھا۔ حضرت عمرؓ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی دلجوئی کا خاص خیال رکھتے اور آپ کو یا سیّدی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ امیر المومنین بننے کے بعد بھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس نسبت پر بہت نازاں ہوتے تھے۔

مدنی زندگی

ہجرتِ مدینہ

سرورِ کائنات صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ سے قبل اہلِ یثرب جوق در جوق اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کر رہے تھے۔ انہیں اسلام کے زریں اصولوں اور توحید ورسالت کے رموز واسرار سے آگاہ کرنے کیلئے آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے جن صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کو بھیجا، ان میں سب سے پہلے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ مدینہ منورہ پہنچے۔ ان کے بعد آنے والوں میں سیدنا ابن ام مکتوم، سیدنا عمار بن یاسر، سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا بلال رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل تھے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے لیے مکہ مکرمہ کی جدائی بہت تکلیف دہ تھی لیکن دعوتِ اسلام کو عام کرنے کیلئے مدینہ منورہ جانا بھی ضروری تھا۔ مدینہ منورہ میں آپ سیدنا سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے مہمان بنے۔ وہاں پر دیگر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی طرح آپ بھی بخار کی وباء میں مبتلا ہوئے ۔آپ وادیٔ مکہ کو یاد کرتے' آپ کی آنکھیں محبوبِ خدا صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی راہ تکتی تھیں۔ چنانچہ جب سرکار مدینہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو آپ عیادت کیلئے تشریف لائے اور صحت یابی کی دعا کی۔ ''اے اللہ! بلال کی بیماری کو ٹال دے اور مدینہ کو ہمارے لئے مکہ سے بڑھ کر محبوب بنا دے''۔ چنانچہ آپ تندرست ہو گئے۔

مدنی بھائی

ہجرتِ مدینہ کے بعد حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان موأخات قائم کی تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابورویحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔آپ دونوں کے درمیان مثالی اخوت اور لازوال بھائی چارے کا رشتہ قائم ہوا۔اخوت کا یہ تعلق مرتے دم تک قائم رہا۔حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ نے یمن کے ایک قبیلہ میں شادی کی خواہش ظاہر کی تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ آپ کا پیغام لے کر وہاں گئے اور آپ کی سفارش کی۔اسی طرح جب حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں لشکرِ اسلام نے ملکِ شام کی جانب علمِ جہاد بلند کیا تو آپکا نام سیدنا ابورویحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ درج کیا گیا۔بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ دونوں دینی بھائیوں نے دمشق کے قریب ایک قبیلے میں شادیاں کیں اور پھر ملک شام میں ہی قیام پذیر ہو گئے۔

اصحابِ صفہ کے ساتھ

ہجرت مدینہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے بنی نجار کے دو یتیم بچوں سے جگہ خرید کر مسجد کی بنیاد رکھی۔یہ مسجد مدینہ منورہ کے مسلمانوں کی دینی اور علمی تربیت گاہ بھی تھی اور تزکیۂ نفس کا بہترین مرکز بھی۔دنیاوی مسائل کے حل کے لئے پارلیمنٹ بھی تھی اور باہمی تعاون واستمداد کے لئے مشکل کشائی کا محور بھی۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ آپ مسجد نبوی کے سب سے پہلے مؤذن قرار دیئے گئے۔

مسجدِ نبوی کے صحن میں مفلس اور نادار صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے لئے ایک چبوترہ تعمیر کیا گیا' جو ان نادار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا گھر تھا۔اصحابِ صفہ یہاں آیات قرآنی پہ غور وفکر کرتے۔اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔اس کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کا ہمہ وقت دیدار کرتے رہتے اور آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو اپنانے کی جستجو میں لگے رہتے۔صبح کے وقت کھانے پینے کا کچھ اہتمام کرتے اور رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بسر کر دیتے۔ان صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں اولین نام سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا آتا ہے۔دیگر صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) میں سیدنا ابوہریرہ' سیدنا مسعود' سیدنا صہیب' سیدنا مقداد، سیدنا زید بن الخطاب، سیدنا خباب، سیدنا حذیفہ ابن الیمان، سیدنا سلمان فارسی، سیدنا عمار وغیرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

اصحابِ صفہّ کی شان وعظمت بیان کرتے ہوئے حضرت داتا گنج بخش سیّد علی بن عثمان ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں لکھا ہے:

''واضح رہنا چاہئے کہ امتِ مسلمہ کا اس پر اجتماع ہے کہ حضورِ اکرم (ﷺ) کے صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کی ایک جماعت مسجد نبوی عَلیٰ صَاحِبِہٖ اَلْفُ اَلْفِ صَلَاۃً وَّسَلَامًا میں ہمہ وقت مصروفِ عبادت رہتی تھی۔ اور انہوں نے کسب معاش سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو ان کی طرف خصوصی توجہ فرمانے کا حکم دیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جو لوگ دن رات اپنے ربّ کی عبادت کرتے اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔ آپ ان پر خاص توجہ مبذول فرمائیں''۔

آپ آگے مزید لکھتے ہیں:

''ایک دن رسولِ خدا صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کا گزر اصحابِ صفہّ کی طرف ہوا۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ فقر و فاقہ کے باوجود خوش وخرم ہیں۔ آپ نے ان سے فرمایا: ''اے اصحابِ صفہّ! تمہیں اور میری امت کے ہر اس شخص کو جو تمہاری صفت پر خوش دلی سے قائم ہو، بشارت دی گئی ہے کہ تم جنت میں میرے رفقاء ہو گے''۔

ازدواجی زندگی

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ایک سے زیادہ شادیاں کیں۔ تاہم ان کی اولاد کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ ایک روایت کے مطابق ایک صحابی ابوبکیر رضی اللہ عنہ نے اپنی جواں سال بیٹی کے لئے مناسب رشتے کی غرض سے اپنے دو بیٹوں کو سرکارِ مدینہ (ﷺ) کی بارگاہِ اقدس میں بھیجا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''بلال کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' وہ خاموشی سے واپس چلے گئے۔ چند دن بعد وہ دونوں پھر حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ہی کا نام تجویز کیا۔ وہ پھر خاموشی سے واپس چلے گئے۔ تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا تو ان کی خاموشی دیکھتے ہوئے فرمایا: ''تم بلال کو کیوں فراموش کر رہے ہو؟ وہ اہلِ جنت میں سے ہیں''۔

اس طرح یہ شادی انجام پائی۔ شادی کے بعد آپ اصحابِ صفہّ کے رہنے کی جگہ سے اپنے گھر منتقل ہو گئے اور ایک خوشگوار زندگی گزاری۔ آپ کی زوجۂ محترمہ بڑی نیک، پرہیزگار اور تقویٰ شعار خاتون تھیں۔

ایک روایت کے مطابق آپ کی زوجۂ محترمہ کا نام ہندہ الخولانی تھا۔ وہ یمن کی رہنے والی تھیں۔ کچھ روایات میں ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے شام کے شہر دمشق میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ یہاں ان کی شادی قبیلہ بنی خولان میں ہوئی۔ ایک اور روایت کے مطابق سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ نے اپنی دو صاحبزادیاں سیدنا بلال اور آپ کے مدنی بھائی ابورویحہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں دے دیں اور دونوں نے دمشق میں خوشگوار زندگی گزاری۔

قیامِ دمشق

حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے پیارے عاشق صادق اور خدمت گار سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا دل بھلا اپنے پیارے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری وصال کے بعد مدینہ منورہ میں کہاں لگتا تھا! آپ نے امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) سے ملک شام جانے کی اجازت طلب کی، لیکن ان کو سیدنا بلال کی جدائی گوارا نہ تھی۔ چنانچہ وہ دو سال مدینہ منورہ میں مزید قیام پذیر رہے۔ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ملک شام کو فتح کرنے کی مہم شروع ہوئی تو آپ لشکر اسلام کے ساتھ شام پہنچے۔ چار سال کے طویل جہاد کے بعد جب شام زیرِ نگیں ہوا تو آپ نے دمشق کے قریب قبیلہ خولان میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ آپ کے دینی بھائی ابو رویحہ رضی اللہ عنہ بھی وہیں آ کر آباد ہوئے۔ ان کو گزارا کرنے کیلئے کچھ زرعی اراضی اور ماہانہ وظیفہ ملنے لگا۔ یہیں پر آپ نے شادی بھی کی۔

قیامِ دمشق کا اہم واقعہ امیر المؤمنین سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ملک شام اور بیت المقدس آمد ہے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ لشکر اسلامی کے ہمراہ اس مہم میں شامل رہے۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی درخواست پر آپ نے اذان کہی۔ جسے سن کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو عہدِ رسالت یاد آ گیا اور سب کی آنکھیں فراقِ نبوی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم میں نم ہو گئیں۔

وصالِ مبارک

ملکِ شام میں تقریباً دس (10) سال گزارنے کے بعد سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا 20ہجری میں تریسٹھ (63) سال کی عمر میں وصالہوا۔ یہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منتہائے کمال ہے کہ آپ نے عمر مبارک بھی اتنے سال ہی پائی جتنے سال پیارے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا میں قیام فرمایا۔

روایت ہے کہ وفات سے ایک روز قبل آپ کی زوجۂ محترمہ غم اور جدائی کے دکھ کی وجہ سے زاروقطار روتی تھیں اور کہنے لگیں: وَاحُـزْنَـاہُ! یعنی ہائے کیسا غم ہے! لیکن آپ جواباً مسکراتے اور کہتے۔ ''وَا فَـرْحَـاہُ! ''یعنی کتنی مسرّت کی بات ہے کہ کل میں پیارے حبیب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام () سے جا ملوں گا۔ چنانچہ دوسرے ہی روز آپ کا وصال ہوگیا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آج ہمارا سردارفوت ہوگیا''۔ آپ دمشق میں باب الصغیر نامی قبرستان میں دفن ہوئے۔ آپ کا روضۂ انور سیدہ سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہما کے روضہ کے ساتھ واقع ہے۔ اور مرجع خلائق ہے۔

....☆☆..

سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محرم کا مہینہ جہاں مسلمانانِ عالم کے لئے سالِ نو کی نوید لاتا ہے وہاں اس واقعہ کی یاد بھی دلاتا ہے جب کربلا کی سرزمین پر بھوکے پیاسے نواسۂ رسولؐ جگر گوشۂ بتولؓ سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے حق اور سچائی کی خاطر اسلام کے اجڑتے ہوئے گلستان کو اپنے خون سے سیراب کیا۔ نہ صرف اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا بلکہ اپنے نوری خاندان کے معصوم اور بے گناہ افراد کو بھی راہِ حق میں قربان کر کے ایک لافانی اور قیامت تک موجود رہنے والی مثال قائم کر دی۔ اگرچہ آپ کی شہادت سے کربلا کے صحراؤں میں زہد و تقویٰ، عدل و احسان، پرہیزگاری اور عالی اخلاق و کردار کا آفتاب بظاہر غروب ہو گیا لیکن دینِ حق اسلام کا گہن لگتا ہوا سورج پھر سے پوری آب و تاب کے ساتھ چمکنے لگا۔

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

دنیائے انسانیت کا سب سے خوبصورت دور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کر جانے کے بعد ختم ہوا تو خلافتِ راشدہ کا امن و خوشحالی اور راحت و تسکین سے بھرپور دور شروع ہوا لیکن تیس سال بعد یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا اور سیدنا معاویہ بن ابوسفیانؓ کے سریرآرائے تخت ہوتے ہی ملوکیت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان کا بیٹا یزید اخلاق و عادات اور ذاتی کردار کے لحاظ سے نہایت پست صفات کا مالک تھا۔ سیدنا معاویہؓ نے سابق روایات کے برعکس اپنے اس بیٹے کو ولی عہد نامزد کر دیا۔ 61ھ میں حضرت امیر معاویہ کی وفات کے ساتھ ہی یزید نے حکومت پر قبضہ کر لیا اور بزور قوت تمام مسلمانوں سے بیعت لینے لگا۔ اہل

حجاز اور خصوصاً مدینہ منورہ کے رہنے والے پاک طینت لوگ جن میں بہت سے جیّد صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) خاص طور پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، وہ یزید کی فطرت اور عادات واطوار سے بخوبی واقف تھے۔ وہ ہرگز اس بات پر آمادہ نہ تھے کہ اسے مسندآرائے خلافت دیکھیں۔ وہ جانتے تھے کہ یزید شرابی آدمی ہے، بازاری عورتوں کا رسیا ہے، طاؤس ورباب کا دلدادہ ہے، بدخصلت اور بدطینت ہے اور تارکِ سنّت ہے۔ اس کی اطاعت کا مطلب اسلام کے پرچم کو سرنگوں کر دینا ہے اور آقائے دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خونِ جگر سے سینچے ہوئے گلشن کو بیابان و بے آباد کر دینے کے مترادف ہے۔ لہٰذا انہوں نے یزید لعین کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ سیدنا عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما مکہ مکرمہ منتقل ہو گئے اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی حق کی سربلندی کی خاطر زخمی دل، بہتے آنسوؤں اور دل سے نکلتی سسکیوں کے ساتھ اپنے نانا، سرورِ کائنات علیہ التحیہ والصلوات کے روضۂ انور کو الوداع کہا۔ سبھی اہل خانہ اور بچے ان کے ہمراہ تھے۔ منزل، امن وامان کی سرزمین، جہاں اللہ تعالیٰ کا گھر کعبۃ اللہ موجود ہے، مکہ مکرمہ تھی۔ یہاں پہنچ کر آپ نے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا۔ کوفہ ان دنوں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے دعویٰ محبت کرنے والے لوگوں کا مرکز تھا۔ ان کی طرف سے تسلسل سے خطوط آرہے تھے کہ حضرت امام عالی مقامؑ کوفہ تشریف لائیں تاکہ ان کی بیعت کرکے یزید کی ناپاک حکومت کا تختہ الٹا جا سکے۔ حضرت مسلمؓ کی سب ٹھیک ہے کی اطلاع کے بعد سیدنا امام حسینؓ عازم کوفہ ہوئے۔

اسی اثناء میں کوفہ میں ابنِ زیاد جیسے جابر و شقی القلب انسان کو گورنر بنا کر یزید نے کوفہ میں حق وصداقت کی آواز کو دبانے کا مشن سونپا۔ اس نے آتے ہی اپنی سازشوں سے حضرت مسلم اور ان کے معصوم بچوں عون اور محمد کو شہید کر دیا۔ سیدنا امام حسین بہتّر (72) افراد پر مشتمل اپنے قافلہ کو لئے، جس میں زیادہ تر باپردہ عورتیں اور معصوم بچے تھے، کوفہ کی جانب بڑھتے رہے اور محرم کے پہلے ہفتے میں دریائے فرات کے کنارے کربلا کے بے لق و دق صحرا میں پہنچ گئے۔ ان کا مقصد جنگ وقتال نہ تھا، فقط پرامن طور پر نواسۂ رسولؐ اور جانشین رسولؐ ہونے کے ناطے علمِ حق بلند کرنا اور اپنا فرضِ منصبی ادا کرنا تھا۔ کربلا کے میدان میں یزید کی مسلح افواج نے ابنِ زیاد کی قیادت میں آپ کے نورانی قافلہ کو روک لیا۔ ان کا مقصد آپ کو شہید کرنا اور آپ کے کنبہ کو اذیت کے تازیانے برسانا تھا۔

چشم تصور سے ذرا دیکھئے، ایک جانب ہزاروں گھڑسوار اور پیادہ افواج کا لشکر جرار جو ہر طرح کے اسلحہ سے مسلح ہیں اور دوسری جانب باپردہ عفت مآب خاندان نبوت کی خواتین اور معصوم بچے، جن کے پاس نیزے بھالے شمشیر و تیر تو کجا، جسم اور روح کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے کھانے پینے کا سامان بھی انتہائی کم ہے۔ لیکن قافلہ حسینی کے تمام افراد کے چہروں پر کسی قسم کے فکر یا پریشانی کے آثار نہیں۔ وہ دنیاوی آسائشوں اور راحتوں کو ٹھکرا کر محض دین حق کی سرفرازی اور حق وصداقت کے پرچم کو تا قیامت بلند رکھنے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ طاقت اور حکمرانی کے نشے میں بدمست یزیدی لشکر نے کاروانِ شبیری کے افراد کو ذہنی، روحانی اور جسمانی اذیتوں کے کچوکے دینا شروع کئے اور ان کے شقی و بدبخت دل، معصوم حسینی افراد کی تکالیف سے محظوظ ہونے لگے اور یوں وہ نہ صرف دنیاوی لعنت کا اہتمام کرنے لگے بلکہ اپنی آخرت کیلئے جہنم کو ٹھکانہ بنانے کا بندوبست کرنے لگے۔

قافلہ حسین کیلئے کھانے کی رسدگاہ کو منقطع کر دیا گیا۔ سات محرم کو ان کے لئے فرات کے بہتے ہوئے پانی سے چند قطرے بھی بند کر دیئے گئے۔ وہ فرات کی لہروں کا شور تو سن سکتے تھے لیکن اس سے اپنے پیٹ میں لگی پیاس کو بجھا نہیں سکتے تھے۔ کیا سماں تھا وہ، جن کے نانا جان کوثر و سلسبیل کے مالک ہیں، آج فرات کے کنارے پانی کے ایک ایک قطرے کیلئے تڑپ رہے ہیں۔ دس محرم کی وہ صبح آ پہنچی جب لشکر یزید نے نواسۂ رسولؐ جگر گوشۂ بتولؓ کو شہید کرنے کے مذموم پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کر لیا۔ حق وصداقت کے چراغ کو فروزاں رکھنے کے لئے آل رسول میں سے ہر فرد اپنے سَر کی قربانی دیتا رہا اور باری باری تمام مرد و جواں نے راہِ حق میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا۔ آخر میں کاروان حق کے سالار سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے حالتِ سجدہ میں کربلا کی سرزمین کو اپنے خون سے رنگین کر دیا۔ یزید کے سامنے اپنا سر جھکایا نہیں بلکہ حق کی راہ میں اپنا نوری سر کٹا دیا اور دنیا کو بتلا دیا کہ شجرِ اسلام کی تر و تازگی بِک جانے یا جھک جانے میں نہیں بلکہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے میں ہے۔ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتیؒ نے خوب کہا ہے ؎

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دیں است حسین دیں پناہ است
حسین

سرداد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

یعنی بلاشبہ بادشاہ ہیں تو صرف سیدنا حسین عالی مقام علیہ السلام‘ دین کی اصل اور دین کی پناہ گاہ بھی آپ ہیں۔ آپ نے اپنا سر قربان کر دیا لیکن اپنا نوری ہاتھ یزید کے ناپاک دست میں دینا گوارہ نہ کیا۔ گویا کلمۂ حق لَا اِلٰہ کی بنیاد آپ کی شہادتِ عظمیٰ ہے۔

دورِ حاضر انتہائی کرب و ابتلا کا دور ہے‘ باطل قوتیں پورے لاؤلشکر کے ساتھ ملت اسلامیہ کی طرف یلغار کئے ہوئے ہیں۔ مسلمان ذلت و پستی کے گڑھوں میں گرے ہوئے ہیں۔ اسلام کا روشن و فروزاں چراغ بادِ صرصر کے تھپیڑوں کی زد میں ہے۔ ایسے میں سیّدالشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کا اسوہ و کردار ہمارے لئے روشنی کا مینار ہے۔ آیئے! ذرا جائزہ لیں اسوۂ شبیری میں کیا کیا اوصاف ہیں‘ جو نگینوں کی طرح چمک رہے ہیں اور موجودہ حالات میں ہماری راہنمائی کر سکتے ہیں۔ سیّدنا امام حسین علیہ السلام نے دینِ مصطفویؐ کو سب سے مقدم رکھا اور نسبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر چیز پر فوقیت دی۔ سیّدالعالمین حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

”تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اولاد مال و اسباب حتیٰ کہ اس کی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں“۔

سیدنا امام حسین علیہ السلام نے اپنی اولاد کو کٹوا کر‘ اپنا گھر بار اور مال و اسباب چھوڑ کر اور خود اپنی جان قربان کر کے سب سے بڑے عاشق رسول ﷺ ہونے کا ثبوت دیا۔ آپ کی ذات استقامت اور استقلال کا پیکر تھی۔ آپ نے یزید جیسے فاسق و فاجر شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی بجائے جان قربان کر دینے کا ارادہ کر لیا تو پھر کوئی خوف‘ ڈر یا لالچ آپ کے پائے استقلال میں لغزش برپا نہ کر سکا۔ سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ صبر و رضا پیکر تھے۔ سیدنا علی اصغر جیسے چھ ماہ کے معصوم بچے کو قربان کیا‘ جوانِ رعنا‘ شبیہ مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء‘ سیدنا علی اکبر کو خود میدانِ کارزار میں بھیجا۔ اپنے قریبی عزیز و اقارب کو قربان کیا۔ لیکن کسی قسم کی آہ و زاری یا چیخ و پکار نہ کی۔ سب کچھ رضائے الٰہی کی خاطر برداشت کیا اور

صبر ورضا کی لازوال مثال قائم کی۔
راہِ حق میں صرف قولی وزبانی جدوجہد ہی کافی نہیں بلکہ عملی اور جسمانی جہاد بھی نہایت ضروری ہے۔ اس لئے حضرت امام حسین علیہ السلام نے اور راحت کی زندگی ترک کی، مصائب وآلام کو گلے لگاتے ہوئے اپنے آبائی وطن مدینہ طیبہ کو ترک کیا، ہجرت کی سنت کو زندہ کیا، کربلا کے لق ودق صحرا میں آکر اپنا سب کچھ راہِ حق میں قربان کردیا اور آنے والی نسلوں کو بتلا دیا کہ باطل قوتوں اور استعماری طاقتوں کے خلاف زبانی کلامی ہی نہیں بلکہ عملی جہاد بقائے اسلام کیلئے ضروری ہے۔
آج ہم اسوۂ شبیری کو اپنی منزل بنا کر اسلام کے گلشن کو بادِ صموم کی تباہ کاریوں سے بچا سکتے ہیں اور یزیدی وطاغوتی قوتوں کو نیست ونابود کر سکتے ہیں۔
..........☆☆..........

سیّدالشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کا اعلیٰ کردار اور ہم

آج سے تقریباً چودہ سو سال قبل سرزمینِ عراق میں کربلا کی تپتی جھلستی بے آب و گیاہ ریت پر تاریخ حریّتِ انسانی کا وہ انمول اور لازوال واقعہ رونما ہوا جو منفرد بھی ہے اور بے مثال بھی۔ نواسۂ رسول اجگر گوشۂ بتول رضی اللہ عنہا نورِ چشمان ابوتراب کرم اللہ وجہہ الکریم جنابِ سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے عظمتِ انسانی، حریّتِ افکار، سربلندیٔ کردار اور قندیلِ عشق کی ضوفشانی کو فزوں تر رکھنے کیلئے اپنے نورانی گلے پر خنجر چلوا کر اور کربلا کی زمین کو اپنے لہو سے رنگین بنا کر ایسی تاریخ رقم کی جو اَبداً آباد تک تمام بنی نوع انسان کیلئے مینارۂ نور رہے۔

نبی کریم رؤف و رحیم جناب سیّدنا محمد مصطفیٰ (ﷺ) کا عہد نظامِ حکومت، سیاست، معیشت، معاشرت اور عدل و انصاف کے لحاظ سے کامل ترین دور ہے۔ اس کے بعد خلافتِ راشدہ کا زرّیں دورِ خلافت علیٰ منہاج النبوّہ کے لحاظ سے افضل و اعلیٰ دور ہے۔ اس دور میں فلاح عامہ، بہبودیٔ عوام اور انسانی بھلائی کے عظیم ترین کارنامے سرانجام دیئے گئے۔ اسلام کا نور سرزمینِ حجاز سے نکل کر بلادِ شام و عراق، افریقہ و ایران اور سرزمینِ ہند تک پھیلا۔ خلیفۂ راشد امامِ اولیاء سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے بعد گلشنِ اسلام میں مردنی چھانے لگی اور یوں محسوس ہونے لگا کہ اب اس چمن میں خزاں نے ڈیرے ڈال لئے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ناخلف اور فاسق و فاجر بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنانے کا فیصلہ کیا۔ یہ قدم ایک بہت بڑی غلطی تھی اور دینِ اسلام کی عمارت کی بنیادیں کھوکھلا کر دینے کے مترادف تھا۔ یزید کسی بھی انداز میں کسی بھی معیار سے ملتِ

اسلامیہ کی قیادت و سیادت اور امارت کا اہل نہیں تھا۔ وہ فسق و فجور میں مبتلا تھا۔ کھلم کھلا شراب استعمال کرتا، رقص و سرود کا رسیا تھا اور کھیل کود میں مگن رہتا۔ ریچھ اور بندر کی لڑائی اور دیگر جانوروں کی ریس وغیرہ اس کا مشغلہ تھا۔ نماز روزے سے اس کو چڑ تھی، نسلی تعصب اور عناد اس کے انگ انگ میں بھرا ہوا تھا۔ بھلا ایسے گناہوں کے رسیا اور تقویٰ و عدل و احسان سے کوسوں دور شخص کی بیعت، نواسۂ رسول سیّدنا امامِ عالی مقام علیہ السلام کو کیونکر قبول ہو سکتی تھی۔ چنانچہ آپ نے برسرِ عام اس کی بیعت سے انکار کیا اور حق و صداقت کا پرچم بلند کر کے عزیمت، مصیبت، مشکلات اور قربانی کا راستہ اختیار کیا۔

جن کی نظروں پر عیاں ہے حق پرستی کا جلال
پیش باطل جھک نہیں سکتی کبھی ان کی جبیں

سیّدنا امامِ عالی مقام علیہ السلام نے جب یزید کی حکومت کے خلاف علمِ حق بلند کیا تو آپ کا مطمح نظر حکومت کا منصب نہ تھا۔ نہ اقتدار کا حصول، نہ جاہ و منصب کی تمنا اور نہ ہی مال و دولت کی ہوس۔ آپ نے جب صدائے حق بلند کی تو آپ کے ہمراہ نہ کوئی لشکرِ جرار تھا، نہ راجوں مہاراجوں کی رفاقت۔ تلوار، نیزہ اور توپ و تفنگ کے انبار تھے نہ سیم و زر کے ڈھیر۔ بس قوت تھی تو حق سچ کی، دولت تھی تو ایمان کی یا عشق مصطفیٰ کریم (ﷺ) کی اور ہتھیار تھے تو صرف ہمت، استقلال اور توکل علی اللہ کے۔ آپ نے راہِ عشق و الفت میں اپنا سب کچھ نثار کر دیا، بچے قربان کئے، گھر سے بے گھر ہوئے، راستے کی مشکلات کو برداشت کیا، بے وطنی اور پردیس کی کلفتوں کو سہا، حتیٰ کہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا لیکن اپنے مشن کی حقانیت اور صداقت پر آنچ نہ آنے دی۔

آیئے! آج واقعہ کربلا کا مطالعہ کرتے ہوئے اور نواسۂ رسول (ﷺ) کے مصائب و آلام کو یاد کر کے آنسوؤں کی جھڑی لگاتے ہوئے ذرا اپنے گریبان میں بھی جھانکیں۔ ہم کہاں تک سیّد الشہداء رضی اللہ عنہ کی سیرت، کردار، افکار اور زندگی کو اپنے لئے نمونۂ عمل بنائے ہوئے ہیں۔ آیئے! ذرا دیکھیں ان کا کردار کیا تھا اور ہمارا چلن کیا ہے؟۔

تقویٰ کا اعلیٰ معیار

سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے آغوش بتول رضی اللہ عنہا میں تربیت کے ابتدائی اسباق حاصل کئے۔ بچپن میں ہمہ وقت آپ کے نانا جان سیّد الانبیاء سرورِ کون و مکاں سیّدنا

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظرِ رحمت آپ کو نوازتی رہی اور مولائے کائنات جناب سیّدنا علی مشکل کشا کرم اللہ وجہہ الکریم کے زیرِ سایہ آپ جواں ہوئے۔ اسی لئے تقویٰ، پرہیز گاری، تزکیۂ اخلاص، للّٰہیت اور نیکی سے محبت آپ کی سرشت میں تھی۔ سیّدنا امام عالی مقام علیہ السلام کامل طور پر اتباع رسول (ﷺ) کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ شریعت احمدِ مجتبیٰ علیہ التحیہ والثناء آپ کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے یزید جیسے دشمن دین اور شریعت مصطفیٰ (ﷺ) کے تارک شخص کی حکومت اور اقتدار اعلیٰ کو چیلنج کیا اور اس کے فسق و فجور، اس کی عادتِ رذیلہ اور مشاغل کثیفہ کو گلشن اسلام کیلئے بادِ صرصر قرار دیا۔ اگر امامِ عالی مقام علیہ السلام خود متقی اور پرہیز گار نہ ہوتے تو کیسے ممکن تھا کہ یزید کو للکار سکتے۔ گویا باطل قوتوں اور فسق و فجور کی طاقتوں کو ختم کرنے کیلئے اپنی ذات میں تقویٰ اور اخلاص کا پایا جانا ضروری ہے۔ داعیِ حق اور مبلغ دین کیلئے اوصاف حمیدہ کا پیکر ہونا اور شریعتِ مصطفیٰ (ﷺ) کا متبع ہونا ازحد ضروری ہے۔ کیا ہم آج شہادتِ حسین علیہ السلام کی یاد میں آنسو بہانے والے اسوۂ شبیری کے مطابق تقویٰ اور پرہیز گاری کو اپنائے ہوئے ہیں؟

بدی سے نفرت

سیّدنا امامِ عالی مقام حسین علیہ السلام کو جتنی محبت شریعت مصطفوی سے تھی اور وہ نیکی، پرہیز گاری، اخلاص اور للّٰہیت کو جتنا اپنائے ہوئے تھے، اتنی ہی نفرت آپ کو برائی اور فسق و فجور سے تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ یزید جیسے بدکردار، بدعمل اور بدی کے رسیا شخص کو مسند خلافت پر متمکن نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اگر آپ اس کے فسق و فجور اور ظلم وتشدد کے باوجود اس کی بیعت کر لیتے تو پھر تقویٰ اور نیکی کی پُرشکوہ عمارت دھڑام سے نیچے آ گرتی۔ آپ نے یزید کی حکومت وسلطنت کو چیلنج کر کے ایک اصول وضع کر دیا کہ دین اسلام و شریعت مطہرہ کے مخالف اور احکاماتِ مصطفوی کو پسِ پشت ڈال کر شراب، جواء اور لہب ولعو میں راتیں بسر کرنے والے شخص کو سربراہِ مملکت کے طور پر ہرگز برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ اس کے لئے کتنی ہی بڑی قربانی دینا پڑے۔ کیا آج ہم اس اصول حسینی پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے ہیں؟

عزیمت

یہ شہادت گہِ اُلفت میں ہے قدم رکھنا
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

کلمۂ حق کی سربلندی اور دینِ اسلام کی سرفرازی کیلئے اللہ تعالیٰ کے محبوب اور برگزیدہ بندے ہمیشہ سے عزیمت کی راہ اپناتے آئے ہیں۔ راہِ حق میں چلتے چلتے پاؤں کو کانٹوں سے لہورنگ کروانا ان کا پسندیدہ فعل رہا ہے کیونکہ دینِ حق کے شجر کی آبیاری ہمیشہ خونِ جگر سے ہوتی آئی ہے۔ انبیاء کرام نے اس راہ کو ہمیشہ چنا، سیّدنا زکریا علیہ السلام کے بدن کو چیرا گیا' سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکانے کی کوشش کی گئی' سیّدنا ایوب علیہ السلام لاعلاج مرض سے مقابلہ کرتے رہے' سیّدنا یعقوب اپنے نورِ چشم سیدنا یوسف کی یاد میں روتے روتے آنکھوں کی روشنی سے محروم ہوگئے' سیّدنا یوسف علیہ السلام کو پس دیوارِ زنداں رکھا گیا' سیّدنا اسماعیل علیہ السلام رضائے حق کی خاطر اپنی گردن پر چھری چلوانے پہ رضامند ہوگئے (علی نبینا وعلیہم السلام)۔ خود نبی کریم (ﷺ) پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹے۔ شعب ابی طالب میں تین سال تک پابند رکھا گیا' آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا گیا' آپ پر بار بار جنگیں مسلط کی گئیں' لیکن آپ نے ان تکالیف ومصائب کو ہنسی خوشی برداشت کیا۔ بھلا خانوادۂ نبوت کے روشن چراغ اور حقیقی معنوں میں جانشینِ مصطفیٰ (ﷺ) کیونکر عزیمت سے دُور رہ سکتے تھے۔ اسی لئے سیّدنا امام حسین علیہ السلام نے راحت وآسائش کی زندگی چھوڑ کر حق وصداقت کی پرخطر اور مصائب وآلام سے بھرپور زندگی کو ہنسی خوشی گلے سے لگایا۔ کیا آج ہم سیرتِ امام حسین علیہ السلام کے اس پہلو پہ عمل کئے ہوئے ہیں۔ آج اگر اُمت مسلمہ کو عزیمت' قربانی اور ایثار کی ضرورت پڑے تو کیا ہم اپنی آسائش گاہوں اور راحت کدوں سے نکل کر میدانِ کارزار میں مجاہدانہ کردار ادا کرسکتے ہیں؟ ضرور سوچئے!!

توکل

حضرت امام حسین علیہ السلام کا دامن توکل جیسی دولت سے مالا مال تھا۔ ان کو دنیا کی بے ثباتی کا کامل یقین اور آخرت میں رضائے الٰہی کے حصول کی تمنا تھی۔ اس لئے انہوں نے دنیاوی سہاروں' مادّی آسروں اور بے یقینی وبے ثباتی کے سفینوں کا سہارا لینے کی بجائے اپنی کشتی نامِ خدا کے سہارے چھوڑ دی اور لنگر اُٹھا کر طوفانی موجوں سے نبرد آزما ہو گئے۔ ان کو اعتماد تھا تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اور اس کے پیارے حبیب سیّدنا محمد

مصطفیٰ (ﷺ) پر۔ اسی اعتماد اور توکل کی وجہ سے وہ وطن اور زمین کی محبت سے آزاد ہو گئے۔ آپ نے اپنوں اور عزیزوں کی چاہتوں کو قربان کر دیا' عیش و عشرت اور راحت و سکون کی سیج کو خیر باد کہہ دیا اور جادۂ عشق کے مسافر بن کر مصائب و آلام کی پرخار وادی میں مسافتیں طے کرنے لگے اور یوں رضائے الٰہی کی منزل تک پہنچ کر ہی دَم لیا۔ خود اپنی جان کی قربانی پیش کر کے دینِ اسلام کو حیاتِ نو عطا کر دی۔ آج ہم ہیں کہ عزیز و اقارب ، وطن و ملت ،حب ِدنیا اور جاہ پسندی کے سرابوں میں کھوئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی Supermacy کو تسلیم کرنے کی بجائے دنیا کی سپر پاورز کے آگے پیچھے دُم ہلاتے پھر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرنے کی بجائے مادّی سہاروں کی بیسا کھیوں کے بل بوتے پر ایستادہ ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود ہم اسوۂ شبیری کے پیروکار اور روایاتِ حسینی کے امین ہونے کے دعویدار بن رہے ہیں۔

استقلال

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ عزم و ہمت اور استقلال کا پیکر تھے۔ کیونکہ مومن جب ایک بار کوئی فیصلہ کر لے تو پھر اس پہ قائم رہتا ہے۔ آپ نے جب یزید کی ناجائز اور خلافِ شرع حکومت کو تسلیم نہ کرنے کا فیصلہ کیا تو پھر کوئی لالچ' کوئی ترغیب' کوئی دھمکی اور کوئی دباؤ آپ کو اپنے فیصلے سے نہ روک سکا۔ حتیٰ کہ مصائب و مشکلات اور مخالفین کی فوجی و سیاسی یلغار بھی آپ کو اپنے عزم اور ارادے سے روک نہ سکی۔ آج ہم غلامانِ اہل بیت کا جو حال ہے، سب پر عیاں ہے۔ راہِ حق کی خاطر ہم کوئی دباؤ یا دھمکی برداشت نہیں کر سکتے معمولی مصیبت یا مشکل آن پڑے تو ہمارے عزائم اور ارادے ریت کی دیوار ثابت ہوتے ہیں۔ جاہ و منصب کا لالچ اور مال و زَر کی کشش ہمیں راہِ حق سے برگشتہ کر دیتے ہیں' آخر کیوں......؟

حق کی سربلندی

امام عالی سیدنا حسین علیہ السلام کے تمام تر مصائب و آلام کا سبب آپ کا یہ فیصلہ ہے کہ آپ نے حق و صداقت کی سربلندی کو سب سے مقدم رکھا۔ چنانچہ آپ کو نہ تو اقتدار کی تمنا تھی اور نہ کسی جاگیر یا سلطنت کی حکومت دَرکار تھی۔ آپ کا منتہائے نظر صرف یہ تھا کہ اسلام کی روایات زندہ رہیں' قرآن و سنت کا نظام برقرار رہے' گویا اسوۂ شبیری یہ درس دیتا

ہے کہ صرف اور صرف حق وصداقت کے پرچم کی سربلندی کیلئے کوشاں رہا جائے اور زندگی کا مشن صرف اسلام کی سرفرازی کو ہی بنایا جائے۔ کاش ہماری زندگیوں کا حاصل بھی حق کی سرفرازی ہو جائے۔

اُمت کی خیرخواهی

سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو امت کی خیر خواہی بہت عزیز تھی اور اپنے نانا مصطفیٰ کریم (ﷺ) کا وطن اور سرزمین مدینہ منورہ کی عظمت کا بہت پاس تھا۔ صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کی بڑی تعداد نے آپ کو مدینہ منورہ چھوڑ کر جانے سے روکا لیکن آپ نے مناسب نہ سمجھا کہ آپ کی وجہ سے یزید اور اس کی شر پسند فوج اس مقدس مقام کو میدانِ کارزار بنائے یا پھر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی عظمت وناموس کو پامال کرے۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ نے حرم مکہ کو بھی اپنا مسکن بنانے سے گریز کیا۔ اور دور بہت دور کوفہ کی بستی کی جانب چل پڑے۔ جبکہ آج ہمارا عالم یہ ہے کہ ہم حسینی مشن کے دعویدار اور عظمتِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے پاسبان ہونے کا نعرہ لگاتے ہیں لیکن مسلمانوں کا ہی گلا کاٹتے ہیں۔ ہمارے ہاتھوں سے نہ مساجد محفوظ ہیں نہ عبادتگاہیں، آخر ہمیں کیا ہو گیا ہے......؟

هجرت

سیّدنا امامِ عالی مقامی علیہ السلام نے مدینہ منورہ کو، جو آپ کا وطن مألوف اور جائے ولادت تھی، خیر باد کہا۔ اپنے نانا کے روضۂ اقدس کو چھوڑا، اپنی ماں کی مقدس قبر کو خدا حافظ کہا اور مدینہ طیبہ کے باغات، سبزہ زاروں اور حسین وادیوں کو چھوڑ کر مہاجر ہوئے اور ہجرت کی عظیم روایت کو زندہ کیا، کیونکہ یہی انبیاء کرام علیہم السلام کی روایت ہے۔ ہم بھلا اس بات کی ہمت رکھتے ہیں کہ اگر کبھی دینِ حق پر سخت وقت آئے تو ہم اپنے گھربار اور وطن کو خیر باد کہہ کر اجنبی منزلوں کی جانب رواں دواں ہوں؟

قربانی اور ایثار

سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے حقانی مشن کی خاطر قربانی اور ایثار کی عظیم روایات قائم کیں، اپنے گھر بار کو چھوڑا، راحت وسکون کو خدا حافظ کہا اور اپنی سب سے پیاری چیز یعنی اولاد کو راہِ حق میں قربان کر دیا۔ علی الاکبر اور علی الاصغر جیسے بچوں کے گلے پہ خنجر چلوانا قبول کیا اور اپنے اہل خانہ کو بے گھر اور بے سہارا چھوڑنا قبول کیا حتیٰ کہ اپنا مقدس لہو بھی دینِ

حق کی آبیاری میں صَرف کر دیا۔ کیا ہم راہِ حق میں اپنا گھر بار، سیم و زر اور مال و دولت کی قربانی دینے کا جذبہ رکھتے ہیں۔

صبر و تسلیم

صابرین اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے ہیں۔ سیّدنا امام حسین علیہ السلام صابرین کے امام ہیں۔ آپ نے کربلا کی تپتی سرزمین پر صبر و تسلیم کی وہ اعلیٰ مثال قائم کی جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ہر قسم کی تکلیف، مصیبت اور مشکل برداشت کی لیکن کسی قسم کا شکوہ یا گلہ زباں پر نہ آیا۔ صبر و تسلیم کو آپ کی اس خُو پر بے حد ناز ہے۔ آج ہم معمولی سی تکلیف یا بیماری کی صورت میں اپنے رَبّ کی رضا پر صابر ہونے کی بجائے شکوہ و شکایات کا انبار لگا دیتے ہیں۔ خدا کی سب نعمتوں کا انکار کر کے ناشکرے اور بے صبرے بن جاتے ہیں۔ آیئے ہم اسوۂ حسینی کے سب سے روشن پہلو صبر و رضا کو اپنا شیوہ بنائیں۔

آخر میں اس اَمر کی جانب اشارہ ضروری ہے کہ اسوۂ شبیری میں زندگی کے ہر شعبے کیلئے نمونۂ عمل موجود ہے۔ ضرورت تو صرف اس پر عمل پیرا ہونے کی ہے۔ آپ سیاست دان ہیں تو اسوۂ حسینی پر چلتے ہوئے تمام تر سیاست کا محور حق و صداقت کی سربلندی ہونا چاہئے۔ آپ سالکان طریقت یا خانقاہوں کے سجادہ نشیں ہیں تو پھر خانقاہوں سے باہر نکل کر رسم شبیری ادا کریں اور حق کی روشنی کو عام کرنے کیلئے میدانِ عمل میں نکلیں۔ اگر آپ مسند وعظ و ارشاد پر فائز ہیں تو پھر میراثِ انبیاء علیہم السلام کے سب سے بڑے وارث سیّدنا امام حسین علیہ السلام کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے مصلحت و تقیہ کی بجائے قرآن و سنت کی آواز کو برسرِ دار کہنے کا سلیقہ سیکھیے۔ اگر آپ عام مسلمان ہیں تو پھر زندگی میں اسوۂ شبیری پر عمل پیرا ہو کر صبر و رضا، توکل، قناعت، حق گوئی و بے باکی، تقویٰ و پرہیزگاری اور عزم و استقلال جیسے خصائل کو اپنایئے اور زندگی کو بندگی کے زیور سے آراستہ کر کے درندگی کے خلاف سب کچھ نچھاور کر دینے کا فن سیکھیے کہ یہی روزِ آخرت شرمندگی سے بچنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔



شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تاریخ اسلام کی ان چند نامور شخصیات میں سے ایک ہیں، جن کی شبانہ روز مساعی جمیلہ اور کئی عشروں پر محیط اخلاق، روحانی اور جسمانی جدوجہد کی بدولت اسلام کے تن مردہ میں پھر سے نغمۂ حیات گونجا اور خزاں رسیدہ چمن اسلام پھر سے بہار آشنا ہو گیا۔ وہ روحانیت کی دنیا میں مثلِ آفتاب ہیں، جن کی صوفشانی اور فیض رسانی کی بدولت دیگر اولیاء و اصفیاء ستاروں کی مانند چمک رہے ہیں۔ ان کی منظم دعوت و تبلیغ اور دُوررَس قائدانہ انتظام کی بدولت نہ صرف بغداد اور قرب وجوار کے لوگ بلکہ برما و بنگلہ دیش سے لے کر موریطانیہ و جنوبی افریقہ جیسے بلاد افریقہ تک کے اسلامیان عالم کو روحانی تسکین اور قلبی راحت کا سامان، کچھ اس انداز سے میسر آیا کہ آج کئی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی حضور غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا فیضان جود و کرم ابر رحمت کے چھینٹوں کی مانند ہمارے سوختہ دلوں کو تسکین اور راحت پہنچا رہا ہے۔ آپ کی ان کاوشوں اور مساعی جمیلہ کی وجہ سے آپ کو محی الدین یعنی دین کو پھر سے زندہ و جاوید کرنے والے اور غوث اعظم یعنی اللہ کی عطاء سے سب سے بڑے مددرساں کے القاب دیئے گئے۔

سیّدنا عبدالقادر جیلانیؒ 570ھ بمطابق 1077ع ایران کے ایک شہر گیلان میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اسم مبارک عبدالقادر اور کنیت ابومحمد ہے۔ آپ حسنی حسینی سیّد ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت سیّد ابوصالح اور لقب جنگی دوست ہے۔ حضور غوث اعظم مادرزاد ولی تھے۔ جس دن آپ پیدا ہوئے اس دن آپ کے والد نے دیکھا کہ حضور پرنور سیّد العالمین حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) اور اولیاء کرام کے ہمراہ آپ کے گھر موجود ہیں اور ارشاد فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا فرزند عطا کرے گا جو ولی ہو گا۔ وہ

میرا بیٹا ہے اور میرا اور ذات باری تعالیٰ کا محبوب ہے۔ وہ ولیوں اور قطبوں میں ایسی شان پائے گا جو رسولوں اور نبیوں میں مجھے حاصل ہے۔ چنانچہ آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان حضور پاک (ﷺ) کے قدموں کا نشان مبارک تھا۔

حضور غوث پاکؒ نے ابتدائی تعلیم شہر گیلان میں حاصل کی۔ پھر علم کی جستجو بغداد شریف لے آئی، جو ان دنوں حکومت کا دارالخلافہ اور علمی و روحانی علوم کا مرکز و محور تھا۔ راستے میں وہ واقعہ ظہور پذیر ہوا جو تاریخ اسلامی میں ایک کہاوت کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہوا یوں کہ گیلان سے بغداد آتے ہوئے آپ کے قافلے کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ نیزوں، بھالوں اور تلواروں سے مسلح ڈاکوؤں نے خوب اودھم مچایا اور اہل قافلہ سے زادِ راہ سمیت ہر چیز چھین لی۔ ایک ڈاکو حضوت غوث پاکؒ کی جانب آیا اور پوچھنے لگا کہ اے لڑکے! تیرے پاس بھی کچھ ہے کہ نہیں؟ آپ نے اس کرخت اور سخت دل ڈاکو کو جواب دیا کہ ہاں میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ یہ رقم ان دنوں بہت زیادہ تھی۔ وہ ڈاکو مذاق سمجھتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ جب تمام ڈاکو لوٹا ہوا مال واسباب لے کر اپنے سردار کے روبرو جمع ہوئے تو سردار نے پوچھا کہ کوئی مسافر بچا تو نہیں۔ اس ڈاکو نے کہا کہ سردار! چودہ پندرہ سال کا ایک بچہ ہے جو پوچھنے پر بتلا رہا تھا کہ اس کے پاس چالیس دینار ہیں۔ سردار کے حکم پر حضور غوث پاکؒ کو لایا گیا۔ آپ نے یہاں بھی فرمایا کہ ہاں میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ جو میری صدری میں سلے ہوئے ہیں۔ سردار بہت حیران ہوا کہ تلاشی لینے کے باوجود ہمیں یہ رقم نہ مل سکتی، آخر تم نے سچ سچ کیوں بتلا دیا؟ آپ نے فرمایا کہ میرے سفر کے لئے چلتے وقت میری پاک طینت والدہ نے نصیحت کی تھی کہ بیٹا کبھی جھوٹ نہ بولنا، ہمیشہ سچ ہی بولنا۔ چنانچہ میں نے تو اپنی والدہ کے حکم پر عمل درآمد کرتے ہوئے سب کچھ سچ سچ بتلا دیا ہے۔ سردار کہنے لگا: ہائے افسوس! تو بچہ ہو کر اپنی ماں کی نصیحت پر اتنا عمل کر رہا ہے اور ہم بڑے ہو کر اپنے خالق و مالک رَبّ کے احکام کو پس پشت ڈال کر لوٹ مار کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں۔ وہ انتہائی نادم ہوا اور اپنے کام سے تائب ہو گیا۔

بغداد شریف میں آپ نے دینی و روحانی علوم کی تعلیم وقت کے نامور اور شفیق استاد قاضی ابوسعید المبارک سے حاصل کی۔ آپ نے بعد میں انہی کے مدرسے میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کا تعلیمی انداز اتنا جدید، جامع اور کامل تھا کہ طلباء دور دراز

سے حصول علم کی خاطر آتے ۔ آپ کی علمی عظمت کی شہرت پورے عالم اسلام میں پھیلنے لگی ۔ آپ نے 528ھ میں مدرسہ قادریہ کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم کی ۔ جہاں سے ہزار ہا طلباء نے قرآن وحدیث اور تصوف وروحانیت کی تعلیم حاصل کی ۔ آپ مدرسہ قادریہ میں باقاعدہ درس قرآن دیتے، جس میں شہر بھر کے طلباء علماء اور عوام برابر شریک ہوتے ۔ ایسے پوشیدہ نکات بیان کرتے جو اس سے پہلے کسی کو معلوم نہ ہوتے تھے ۔ آپ نے تینتیس (33) سال تک اپنے علم وفضل اور درس وتدریس سے لوگوں کو فیض یاب کیا ۔

521 ہجری میں سرکارِ دو عالم (ﷺ) کے ارشاد پر آپ نے اپنا پیغام براہ راست عوام الناس، امراء اور حاکمان وقت تک پہنچانے کے لئے تقریر اور وعظ کا سلسلہ شروع کیا ۔ جو آخر دم تک جاری رہا ۔ حضور غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کی دینی تبلیغ اور روحانی فیوض کی بدولت گلشن اسلام میں پھر بہار آ گئی ۔ لوگ دین کی طرف رجوع کرنے لگے ۔ غیر مسلم اسلام کے دامن میں آنے لگے، بدعقیدہ و بدکردار لوگ نیکوکار اور متقی و پرہیز گار بن گئے ۔ اسلام کے تن مردہ میں پھر سے جان پڑ گئی ۔ چنانچہ اسی وجہ سے آپ کو محی الدین کا لقب دیا گیا ۔ آپ اپنے خطبات اور تقاریر میں حکمرانوں کو بلاخوف وخطر تنبیہ کیا کرتے ۔ ان کے برے کاموں اور غیر شرعی پالیسیوں پر بھرپور تنقید کرتے ۔ آپ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر خلیفہ مقتضی بامراللہ نے قرآن وحدیث پر عمل پیرا ہونا شروع کیا اور پوری سلطنت میں قرآنی احکامات نافذ کئے اور خود تقویٰ و پرہیز گاری کی زندگی اختیار کی ۔

حضرت غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ روحانیت کی دنیا کے شہنشاہ ہیں ۔ آپ نے عقلی اور فلسفیانہ علوم کی بجائے روح اور دل کی صفائی کی طرف زیادہ توجہ دی ۔ روحوں کی پاکیزگی، تقویٰ اور پرہیز گاری کے فروغ اور تصوف وروحانی اقدار کے احیاء کیلئے آپ نے سلسلہ قادریہ کی بنیاد رکھی اور روحانیت سے فیض پانا ہر ایک کے لئے آسان بنا دیا ۔ آپ نے زہد وتقویٰ کے دس اصول بیان کئے ہیں:

☆ غیبت سے زبان کو روکنا ۔
☆ بدگمانی سے پرہیز کرنا ۔
☆ ٹھٹھہ کرنے سے بچنا ۔
☆ نامحرم سے آنکھیں بند رکھنا ۔

☆زبان کی سچائی۔

☆اللہ کے احسان کو پہچاننا

☆راہ حق میں مال خرچ کرنا

☆دنیا میں عروج وغرور کا طالب نہ ہونا۔

☆پنجگانہ نماز کو اس کے آداب کے ساتھ ادا کرنا۔

☆سنت نبوی اور اجماع امت پر قائم رہنا۔

حضور غوث الاعظمؒ نے دنیائے اسلام اور مشرق ومغرب میں تبلیغ اسلام کا باقاعدہ نظام ترتیب دیا۔جس کی نگرانی آپ کے بیٹے حضرت عبدالجبار کے سپرد تھی۔آپ نے اپنے دس فرزندوں کو مختلف ممالک میں تبلیغی مہمات پر روانہ کیا۔

حضور غوث اعظمؒ کی ذاتی زندگی مکمل طور پر سرکارِ مدینہ علیہ التحیہ والسکینہ کے اسوۂ حسنہ کا عکس تھی۔ آپ قرآن و حدیث پر عمل کرتے اور شریعت مطہرہ کی مکمل پابندی فرماتے۔حسن کردار اور حسن گفتار میں یکتا و بے مثال تھے۔انتہائی خلیق' نرم خو' ملنسار' شفیق اور مونس وغمخوار تھے۔غریبوں' مسکینوں اور ناداروں کا خصوصی خیال فرماتے۔روزانہ کھانا پکوا کر غوثیہ لنگر جاری کرتے اور غریبوں اور حاجتمندوں میں تقسیم کراتے۔مسافروں اور بے وطن لوگوں کے رہنے کا بندوبست کرتے۔بے شمار تحفے' نذرانے اور ہدیے آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے۔آپ ان کو ہاتھ نہ لگاتے بلکہ تمام کے تمام مستحق اور محتاج لوگوں میں بانٹ دیتے۔آپ کی اسی فراخی' وسعتِ رزق اور محتاجوں اور ناداروں کو کھانا کھلانے کا عظیم سلسلہ گیارہویں شریف کی صورت میں آج بھی جاری وساری ہے۔مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک اور امریکہ سے لے کر برطانیہ تک ہر ملک' ہر علاقہ اور ہر آبادی میں اسلامی ماہ کی دسویں اور گیارہویں تاریخ کی درمیانی شب کو ختم غوثیہ اور گیارھویں شریف کا اہتمام کیا جاتا ہے۔اس سلسلے میں مساجد' تبلیغی مراکز' خانقاہوں اور گھروں میں حضور غوث الاعظمؒ کی گیارھویں شریف کا انتظام نہایت تزک واحتشام سے کیا جاتا ہے۔

حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اکانوے (91) سال کی عمر میں پیر کی رات 11/ربیع الثانی 561ھ کو وصال ہوا۔آپ کا مزار مبارک بغداد شریف میں مرکز فیوض و برکات اور منبع انوار وتجلیات ہے۔آخر میں ان بارہ خصلتوں کا ذکر جن کا سجادہ نشین حضرات

میں پایا جانا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ضروری قرار دیا ہے:-

☆ دو خصلتیں اللہ تعالیٰ سے سیکھو یعنی عیب پوشی اور رحم دلی

☆ دو خصلتیں حضور اکرم (ﷺ) سے سیکھو یعنی شفقت اور فاقت

☆ دو خصلتیں سیّدنا ابوبکر سے سیکھو یعنی راست گوئی اور راستی

☆ دو خصلتیں سیّدنا فاروق اعظم سے سیکھو یعنی نیکی کی تعلیم اور برائی سے روکنا

☆ دو خصلتیں سیّدنا عثمان غنیؓ سے سیکھو، یعنی کھانا کھلانا اور شب بیداری کرنا

☆ دو خصلتیں سیّدنا مولانا علیؓ سے سیکھو یعنی عالم ہونا اور شجاعت و جوانمردی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضور سیّد عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی پیرانِ پیر غوث اعظم دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

....☆☆..

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

نبی کریم سیدنا محمد (ﷺ) کا زمانہ سب زمانوں سے بہترین ہے اور اس دور میں بسنے والے مسلمان سب سے افضل اور خوش قسمت ترین مومنین ہیں۔ ان کو یہ سعادت حاصل تھی کہ عبادت و ریاضت میں کوئی مشکل پیش آتی یا تجارتی' سماجی اور معاشرتی معاملات میں کوئی الجھن درپیش ہوتی تو وہ شارع اسلام (ﷺ) کی خدمت میں فوراً حاضر ہوتے ان مسائل و معاملات کا حل یا تو وحی الٰہی کی صورت میں آ جاتا یا خود نبی اکرم (ﷺ) کوئی راستہ بتا دیتے جس سے وہ مسئلہ حل ہو جاتا۔ دور نبوت کے بعد سیدنا عمر بن خطاب 'سیدنا علی بن ابی طالب اور سیدنا عبداللہ بن مسعود جیسے جید اور اکابر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) مسلمانوں کے دینی و فقہی امور و مسائل کی عقدہ کشائی کرتے رہے۔ دور صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے بعد جس طرح علم الکلام' تصوف اور علم حدیث نے باقاعدہ ایک فن کی حیثیت اختیار کی' اسی طرح علم فقہ کی تدوین کی ضرورت محسوس ہوئی۔

فقہاء اسلام اور آئمہ مجتہدین نے قرآن مجید اور احادیث مصطفوی (ﷺ) سے فیوض و برکات حاصل کر کے اور علمی نکات استخراج کر کے باضابطہ طور پر فقہی مسائل کے حل کو مدون و مرتب کیا اور یوں دین اسلام کی بے پناہ خدمت کی۔ ان فقہاء کرام میں سب سے عظیم' معتبر اور بڑا نام امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے' جنہیں امت مسلمہ امام اعظم اور سراج الامہ جیسے القاب سے یاد کرتی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی عظمت وشان کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ علماء اسلام نے ان کو نبی رحمت (ﷺ) کی اس حدیث پاک کا مصداق قرار دیا ہے کہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اہل فارس اور ابناء فارس کی اولاد میں سے ایک شخص ہوگا کہ اگر دین اس وقت ثریا کی بلندیوں تک بھی ہوگا تو وہ اتنی بلندی پر پہنچ کر بھی دین کی معرفت حاصل کر لے گا۔ (بخاری، مسلم)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے چند صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی زیارت کر کے تابعی ہونے کا شرف حاصل کیا۔ ان میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ، سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ جیسے جید صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا نام بھی شامل ہے۔

امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کو یہ سعادت ملی کہ انہوں نے علم فقہ کو مدون کرنے کے لئے علم حدیث میں بھی کمال حاصل کیا کیونکہ اس دور تک صرف قرآن وحدیث کی فہم کا علم ہی موجود تھا، علم فقہ تو ابھی ترویج پا رہا تھا۔ چنانچہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی سولہ احادیث روایت کی ہیں جن کی سند صرف ایک واسطے سے براہ راست نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہے۔ اسی طرح صرف تابعی اور صحابی کے واسطے سے بیان کردہ احادیث کی تعداد دو ہزار کے قریب ہے اور تین واسطوں کی روایات کی تعداد چار ہزار ہے۔ یاد رہے کہ امام بخاریؒ کی تین واسطوں کی احادیث (ثلاثیات) کی تعداد صرف بائیس ہے۔ یوں بلاشبہ امام ابوحنیفہ امام فقہ ہونے کے ساتھ امام الائمہ فی الحدیث بھی ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ 80ھ کو کوفہ میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے دادا جان زوطی بن مرزبان آ کر آباد ہو گئے تھے۔ آپ کا پورا نام نعمان بن ثابت بن زوطی ہے۔ ابوحنیفہ آپ کی کنیت ہے کیونکہ آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں، علمی استعداد اور فقہی بصارت کی وجہ سے امت مسلمہ کو درپیش مسائل کو حق و باطل کے ترازو میں تولا اور پھر قرآن اور حدیث مصطفوی کی روشنی میں ایک ایسا لائحہ عمل ترتیب دیا جسے اصطلاحاً فقہ کہا جاتا ہے۔ آپ کے دادا جان زوطی نے اسلام قبول کیا تو ان کا نام نعمان رکھا گیا جو سیدنا علی حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے مصاحب میں سے تھے۔ اس طرح سے سیدنا امام اعظم کی تین پشتیں یعنی دادا جان، والد گرامی اور آپ خود بھی تابعی تھے۔ علم حدیث اور فقہ کے آئمہ میں سے آپ واحد شخصیت ہیں جو نسلاً فارسی ہیں۔ فارس کے شہر انبار کے رہنے والے تھے جو آج عراق کا حصہ ہے۔ بعض مورخین نے آپ کو بابل شہر کا رہنے والا بھی بیان کیا ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے والد جب پیدا ہوئے تو ان کے دادا جان ان کو لے کر امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور دعا کیلئے کہا' تو آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس ثابت کو بھی برکت دے اور آگے اس کی اولاد کو بھی برکت عطا کرے۔ اسی دعا کے حوالے سے امام اعظمؒ کے پوتے اسمٰعیل بن حماد بن ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میرے دادا امام اعظم ہوگئے اور مشرق سے مغرب تک ان کی فقہ رائج ہوگئی اور ان کے علم میں اللہ تعالیٰ نے برکت ڈال دی ہے یہ برکت جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی ہے فی الواقع مولا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی دعا کا صدقہ ہے۔ (تاریخ بغداد مجلس 13 صفحہ 226)

سیدنا امام اعظمؒ نہایت خوش رو اور خوبصورت تھے۔ حلیہ جاذب نظر قد درمیانہ تھا۔ لباس کے معاملے میں نہایت خوش ذوق تھے۔ بہترین لباس اور پوشاک زیب تن کرتے۔ عطر کا استعمال کثرت سے کرتے کہ گھر سے باہر آتے ہی فضا معطر و معنبر ہو جاتی۔ ہمیشہ نیک لوگوں کی صحبت میں رہے۔ بڑے کرم کرنے والے اور غریب پرور تھے۔ بھائیوں اور ساتھیوں کے لئے غمگسار اور ہمدرد تھے۔ سخاوت و بخشش میں یکتا تھے۔ خوش خلق اور شیریں بیاں تھے۔ سب سے خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ عزم و ہمت کا پیکر تھے اور جبر و استبداد کا مقابلہ بلند ہمتی سے کرنے والے تھے۔ خوشحال اور مالدار تھے لیکن دولت کے رسیا یا مال و زر کے حریص نہ تھے۔

سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید اور علم حدیث کی تعلیم سیدنا حماد بن ابی سلیمان رضی اللہ عنہ سے حاصل کی اور علم فقہ کی ترتیب و تدوین کا کام انہی کی نگاہ کرم سے انجام دیا۔ سولہ برس تک ان کی خدمت میں رہے۔ دیگر اساتذہ میں عطا بن ابی رباح' نافع مولیٰ ابن عمر' ہشام بن عروہ' علقمہ مرثد (رضی اللہ عنہم) شامل ہیں۔ جن شیوخ اور اکابرین سے امام اعظم نے کسب فیض کیا ان کی تعداد چار ہزار سے زائد ہے۔ محمد بن فضیل عابد بلخی نے روایت کیا ہے کہ ابوحنیفہ نے بیان کیا کہ میں امیر المومنین خلیفہ منصور کے پاس گیا تو پوچھا تم نے علم کس سے حاصل کیا؟ میں نے کہا حماد سے' انہوں نے ابراہیم نخعی سے' انہوں نے علی بن ابی طالب' عمر بن الخطاب' عبداللہ بن مسعود' عبداللہ بن عباس رضوان اللہ علیہم سے۔ منصور نے سن کر کہا: خوب خوب! تم نے بہت مضبوط علم حاصل کیا۔ وہ سب کے سب طیبین اور

طاہرین تھے سب پر اللہ کی رحمت ہو۔

امام اعظم عبادت، زہد اور تقوی میں بے مثال اور یکتا تھے۔ عبداللہ بن المالک کا قول ہے کہ میں نے ابوحنیفہ سے زیادہ پارسا کوئی نہیں دیکھا حالانکہ دُرّوں سے اور مال و دولت سے ان کی آزمائش کی گئی۔ (خطیب بغدادی)

سفیان بن عیینیہ کا قول ہے کہ ہمارے زمانے میں مکہ معظّمہ میں ابوحنیفہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا کوئی نہ تھا۔ ابومطیع کا قول ہے کہ قیام مکہ کے زمانے میں رات کی جس گھڑی میں طواف کیلئے گیا، ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کو طواف میں مصروف پایا۔ (تاریخ بغداد)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید سے بہت محبت تھی۔ تلاوت قرآن ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اسد بن عمرؒ کا قول ہے کہ ابوحنیفہؒ رات کی نماز میں ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔ ان کے گریہ وزاری کی آواز سن کر پڑوسیوں کو رحم آنے لگتا۔ ان کا یہ بھی قول

ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے جس مقام پر وفات پائی وہاں سات ہزار بار قرآن مجید ختم کیا گیا تھا۔ (امام ابوحنیفہ اور ان کے ناقدین صفحہ 37)

ایک اور بزرگ مسعر بن کدام کا قول ہے کہ میں ایک رات مسجد میں داخل ہوا تو کسی شخص کے قرآن پاک تلاوت کرنے کی آواز آئی جو دل میں اترتی گئی۔ جب ایک منزل ختم ہوئی تو مجھے خیال آیا کہ اب رکوع کریں گے مگر انہوں نے ایک تہائی قرآن مجید ختم کرلیا، پھر نصف ختم کیا، میں نے دیکھا تو وہ ابوحنیفہ تھے۔

زہدو تقویٰ میں اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ وہ دنیاداری اور حقوق العباد کے معاملے میں بھی نہایت ایماندار، دیانتدار اور فیاض تھے۔ پیشہ کے اعتبار سے تجارت کرتے تھے اور اس میں پرہیزگاری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے۔ وہ اپنے منافع میں سے ایک حصہ سالانہ جمع کر کے محدثین اور مشائخ کی خدمت کیلئے ان کی ضروریات کا سامان، خوراک، لباس وغیرہ خرید کر ہدیہ بھیجتے اور جو نقدی بچ رہتی وہ یہ کہہ کر پیش کر دیتے کہ اس کو خرچ کرو اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی تعریف نہ کرو اس لئے کہ میں نے اپنے مال میں سے تمہیں کچھ نہیں دیا، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا تمہارے معاملہ میں مجھ پر فضل ہے کہ تمہارے حصے کا منافع ہوا، جو اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے تم کو پہنچاتا ہے۔ ظاہر ہے جو

اللہ بخشے اس میں دوسرے کی قوت کا کیا دخل ہوسکتا ہے۔(قیس بن ربیع/تاریخ بغداد)

تاجرانہ امانت اور راست گوئی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بار آپ نے اپنے ساتھی حفص سے کہا کہ کپڑے کا یہ تھان نقص والا ہے اسے بیچو تو عیب بتا کر بیچنا۔ وہ بھول گیا اور سارے تھان بیچ ڈالے۔ اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ عیب والا تھان کسے بیچا ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو سارے تھانوں کی قیمت خیرات کر دی۔

تقویٰ اور احتیاط کا عالم یہ تھا کہ امام ابوحنیفہؒ جب اپنے بال بچوں کے لئے کپڑے بنواتے تو ان کی قیمت کے برابر صدقہ کر دیتے اور جب خود نیا کپڑا پہنتے تو اس کی قیمت کے برابر مشائخ اور علماء کیلئے لباس تیار کرواتے۔ جب کھانا سامنے آتا تو پہلے اپنی خوراک کی مقدار سے دوگنا نکال کر کسی محتاج کو دے دیتے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ فہم وادراک، باریک بینی، عقل وفراست اور علمی وفقہی بصیرت میں سب سے بڑھ کر تھے۔ ایک بزرگ علی بن عاصم کا قول ہے کہ اگر ابوحنیفہ کی عقل روئے زمین کے آدھے آدمیوں کی عقل سے تولی جائے تو اس کا پلہ بھاری رہے گا۔ اسی طرح حسن بن عمارہ کا قول ہے کہ واللہ! ہم نے کوئی انسان نہیں دیکھا جو فقہ میں سب سے زیادہ بالغ النظر ہو، زیادہ صابر ہو یا زیادہ حاضر جواب ہو۔ تم اپنے وقت کے مسلم پیشوا ہو جو تم پر اعتراض کرتے ہیں وہ حاسد ہیں۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ کا بیان ہے کہ ابوحنیفہ مرد فقیہ تھے۔ فقہ میں معروف، پارسائی میں مشہور، نہایت دولتمند، سب حاجت مندوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے والے، شب و روز صبر کے ساتھ تعلیم میں مشغول، رات عبادت میں گزارنے والے، خاموش طبع، کم گو، لیکن جب حلال یا حرام کا مسئلہ پیش آتا تو بات کرتے اور ہدایت کا حق ادا کر دیتے۔ آپ سرکاری مال وزر سے بھاگنے والے تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

امام اعظمؒ دنیاوی جاہ وجلال، سرکاری عہدوں اور ظاہری رکھ رکھاؤ سے احتراز کرتے تھے۔ وہ خدمت دین اور تدوین فقہ کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کو سرکاری عہدوں اور درباری مناصب کی پیش کش کی گئی تو انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ گویا دنیا آپ کے قدموں پر گری لیکن آپ نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ یہاں تک کہ اسے قبول کرنے کے لئے کوڑوں کے ذریعے مجبور کیا گیا، قید وبند کی سزا دی گئی لیکن آپ نے خوشامدی عہدوں اور دنیاوی جاہ وجلال کو پاؤں کی ٹھوکر سے ٹھکرا

دیا۔ ایک بار بنو امیہ کے دور میں گورنر کوفہ ابن ہبیرہ نے چیف جسٹس کا عہدہ قبول کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے انکار کر دیا۔ سزا کے طور پر آپ کو سو کوڑے لگوائے' اس طرح کہ ہر روز دس کوڑے مارے جاتے بالآخر اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ دوسری بار خلیفہ منصور نے آپ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا لیکن آپ نے پھر انکار کیا۔ اس نے آپ کو قید میں ڈال دیا۔ اسی قید خانہ میں چھ دن پابند سلاسل رہ کر خالق حقیقی سے جا ملے۔ یوں 150ھ میں امت مسلمہ کا یہ آفتاب ستر سال کی عمر میں غروب ہو گیا۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جائے تو وہ بہت سے اعزازات کے ساتھ اپنے معاصر علماء و آئمہ اور بعد میں آنے والے فقہاء و شیوخ سے منفرد اور ممتاز ہیں:

☆ سب سے بڑی فضیلت شرف تابعیت ہے۔

☆ دوسری خصوصیت وہ خداداد عقل و فراست اور بصیرت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دینی مسائل اور فقہی معاملات کے حل کرنے کیلئے عطا کی تھی۔

☆ تیسری خصوصیت ان کا ذاتی کردار اور حسن معاملہ ہے ان کی دیانت' صداقت' حلم' بردباری' سخاوت' غریب پروری' حسن تدبر سب کے نزدیک مسلمہ ہے۔

☆ چوتھا وصف ان کی پرہیز گاری' خشیت الٰہی' تقویٰ اور زہد ہے جس میں وہ تمام معاصرین میں بلند و بالا نظر آتے ہیں۔

انہی اوصاف جمیلہ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ سعادت عطا کی کہ آپ کی ترتیب کردہ فقہ حنفی شروع سے لیکر آج تک مذاہب حقہ میں سب سے غالب اور فائق ہے۔ شرق سے لیکر غرب تک فقہ حنفی کا آفتاب چمک رہا ہے۔ مسلمانوں کی دو تہائی اکثریت ہمیشہ اسی فقہ پر کاربند رہی ہے۔ اسلامی مملکتوں میں یہی فقہ سرکاری طور پر نافذ رہی ہے۔ دور عباسیہ میں ہارون الرشید کی خلافت میں' حنفی فقہ کے معروف امام' ابو یوسفؒ چیف جسٹس تھے۔ اسی طرح بعد میں جن قوتوں کو بلاد اسلامیہ میں عروج و غلبہ ملا' وہاں بھی فقہ حنفی رائج رہی۔ مثلاً آل سلجوق' عثمانیہ سلطنت اور مغلیہ عہد حکومت۔ فی زمانہ ترکی' رومانیہ' وسطی ایشیا' جنوب مشرقی ایشیا اور بہت سے ممالک میں مسلمان عوام کے جملہ فقہی مسائل فقہ حنفی کے مطابق ہی طے ہوتے ہیں۔ آج اور اگر پاکستان' بنگلہ دیش' افغانستان اور روسی تسلط سے

آزادی حاصل کرنے والی اسلامی ریاستوں میں اسلامی نظام نافذ ہوتا ہے تو فقہ حنفی کی بنیاد پر ہی قوانین اسلامی کا نفاذ ممکن ہوگا۔



داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کے حسن کمال کا نمونہ بنا کر اس زمین پر بھیجا تو جہاں اس کی مادی خواہشات اور جسمانی ضروریات کا اہتمام کیا' لباس' خوراک' رہن سہن' بودوباش اور موسمی تغیرات سے بچاؤ کا انتظام کیا' وہیں اس کی روحانی طہارت و پاکیزگی اور ذہنی و قلبی رشد و ہدایت کا کامل بندوبست بھی کیا۔ اس مقصد کیلئے سیدنا آدم علیہ السلام سے لیکر سید العالمین سرور انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک انبیاء و رسل کے نوری سلسلے کا اہتمام بذریعہ وحی کیا تاکہ تخلیق کائنات کا مقصد یعنی عرفان ذات الٰہی انسان کو حاصل ہو اور انسان شیطان کی جانب سے ضلالت و گمراہی کے گھمبیر اندھروں سے بچا رہے۔ حضور نبی کریم خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے ساتھ رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ اپنے نکتہ کمال تک پہنچا۔ آپ کے وصال کے بعد تزکیہ قلب اور تطہیر نفس کا یہ فریضہ آپ کی امت کے صوفیاء' علماء اور صالحین نے سنبھالا۔ اولیاء کرام کا یہ گروہ پوری تندہی اور مکمل یکسوئی کے ساتھ تبلیغ اسلام اور تزکیہ قلوب کیلئے مصروف عمل رہا۔ براعظم ایشیا، افریقہ اور یورپ کا بیشتر علاقہ ان نفوس قدسیہ کی محبت والفت کی خوشبوؤں سے معطر تبلیغ وارشاد کی بدولت اسلام کے نور سے منور ہوا۔ برعظیم پاک وہند' خاص طور پر پنجاب کے علاقے میں اسلام کے انوار و تجلیات عام کرنے کا فریضہ سید الاولیاء حضرت سیدنا علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے سرانجام دیا جنہیں زمانہ داتا گنج بخش کے نام سے یاد کرتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا نام علی بن عثمان ہجویری ہے۔ آپ کی پیدائش افغانستان کے شہر غزنی کے ایک علاقہ ہجویر میں ہوئی۔ آپ غزنی کے ایک اور علاقہ جلاب میں بھی مقیم رہے' اس لئے آپ اپنے آپ کو کبھی ہجویری اور کبھی جلابی لکھتے ہیں۔ سن

ولادت 400ھ بیان کیا جاتا ہے۔ آپ کے والدین سادات میں سے تھے اور نہایت نیک سیرت اور متقی تھے۔ انہوں نے آپ کی تربیت احسن انداز میں کی۔ علم وحکمت کی تڑپ آپ کو قریہ قریہ شہر شہر لے گئی۔ علم کی جستجو میں آپ خراسان' ترکستان' ایران' آذربائیجان' نیشاپور' بخارا' سمرقند' طوس' فرغانہ' ہندوستان اور شام وعراق کے معروف مراکز علوم تک پہنچے اور بہت سے فضلاء وعلماء سے فیض حاصل کیا۔ شہر شہر گھوم کر جواہر علوم لوٹنا تو آپ کا مقصود تھا ہی لیکن اللہ تعالی کی مختلف نشانیوں اور آیات کا مشاہدہ' سفر کی صعوبتوں پر اپنے نفس کو صبر وشکر اور قناعت کا درس دینا اور مختلف رنگ ونسل اور عادات واطوار کے حامل افراد سے مل بیٹھنا بھی پیش نظر تھا۔ آپ کے خاص اساتذہ کرام میں ابوالعباس شقانیؒ کا نام آتا ہے' جن کی تربیت اور تدریس کی بدولت آپ کے من میں علم کی چنگاری شمع فروزاں بن گئی۔ حضرت داتا صاحبؒ کو نہ صرف علوم شریعت' قرآن وحدیث' فقہ اور فلسفہ وکلام پر عبور حاصل تھا بلکہ آپ روحانی وباطنی علوم کے سمندر کے شناور بھی تھے۔

تصوف کی دنیا میں آپ کے مرشد حضرت ابوالفضل حسن ختلیؒ تھے جو اعلی درجے کے ولی کامل' بلند پایہ عارف اور یگانہ روزگار عالم تھے۔ ان کے فیوض وبرکات اور روحانی تربیت وتزکیہ نفس کی بدولت حضرت داتا گنج بخشؒ کی شخصیت میں نکھار آیا اور آپ درجہ کمال تک پہنچے۔ حضرت ابوالفضل حسن ختلیؒ سلسلہ تصوف میں سید الطائفہ امام الاولیاء حضرت جنید بغدادیؒ کا ذکر بڑے ادب سے کرتے ہیں اور آپ کی باتوں کو گنجینۂ معرفت سمجھ کر روایت کرتے ہیں۔

شرعی وفقہی مسائل میں حضرت داتا گنج بخشؒ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں۔ آپ امام اعظم کا ذکر امام اماماں' مقتدائے سنیاں' شرف فقہاء' اعز علماء' ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کے القاب سے کرتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ ظاہری وباطنی علوم کی تکمیل کے ساتھ اور بلاد اسلامیہ کے علمی وتحقیقی مراکز سے ہوتے ہوئے خطہ پنجاب کے مرکز شہر لاہور میں تشریف لائے۔ اس وقت یہاں سلطان محمود غزنویؒ کا بیٹا سلطان مسعود حاکم تھا۔ اگرچہ مسلمان فوجیں برعظیم پاک وہند میں براجمان ہو چکی تھیں لیکن ان کے اور مقامی رعایا' جو ہندوؤں پر مشتمل تھی' کے درمیان ایک فاصلہ تھا۔ یہ فاصلہ عقائد' نظریات' عبادات' رسوم اور عادات کا تھا۔ اس فاصلہ کو ختم کر کے رعایا کو اسلام کی آفاقی اور ہمہ گیر تعلیمات سے

روشناس کرانے کا فریضہ صوفیاء عظام اور اولیائے کرام نے دیا۔ ان صوفیاء میں سب سے بلند نام حضرت داتا صاحب کا ہی ہے۔ آپ نے لاہور میں آ کر اگرچہ راوی کے کنارے ڈیرہ جمایا لیکن درحقیقت آپ نے اہل لاہور کے دلوں پر قبضہ کیا۔ اپنے روحانی اور علمی فیوض و برکات کے طفیل لاکھوں بت پرستوں کو شرک و جہالت کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کے نور سے منور کیا۔ آپ کے فیضان نظر سے جادو، ٹونہ، توہم پرستی اور فسق و فجور کے گرداب میں پھنسے ہوئے لوگ شرف انسانیت سے سرفراز ہوئے۔ مقامی ہندو جوگیوں اور برہمنوں نے آپ کی شدید مخالفت کی لیکن آپ کی روحانی قوت اور اخلاق و کردار کی طاقت کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ بالآخر وہ بھی تائب ہو کر آپ کے سایہ شفقت میں آ گئے۔ اپنا آفاقی مشن پورا کرنے کے بعد حضرت داتا گنج بخشؒ 465ھ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ اب تک آپ کے فیوض و برکات کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ حاکم، صوفیاء، علماء، مشائخ، طالبانِ حقیقت و معرفت اور عوام الناس سبھی آپ کے در اقدس پر سر نیاز خم کرتے ہیں اور اپنے قلوب کو تسکین و راحت کے انوار سے منور کرتے ہیں۔ لاہور میں آپ کا مزار اقدس مرکز تجلیات ہے۔ لاہور کی سرزمین اس اعزاز پر جتنا فخر کرے کم ہے۔ اسی نسبت سے لاہور کو داتا کی نگری کہا جاتا ہے۔

حضرت داتا صاحب کی عظمت کا اعتراف بعد میں آنے والے سب صوفیاء اور اہل علم نے کیا ہے۔ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ یہاں حاضر ہوئے اور چلہ کشی کے بعد آپ نے وہ مشہور شعر کہا جو آج زبان زد خاص و عام ہے:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

شاعر مشرقؒ نے آپ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا:

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت

خطۂ پنجاب سیدنا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی پھونک سے زندہ ہو گیا (اور) آپ کے سورج کے فیضان سے ہماری صبح صبحِ تاباں بن گئی۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے بہت سی کتب تصنیف کیں لیکن آج جو کتاب سب سے

معروف ہے وہ کشف المحجوب ہے۔ یہ کتاب اپنے نام کی مناسبت سے علمی، روحانی اورنظریاتی اسرار ورموز کو آشکار کرتی ہے اور سالکان راہ طریقت کیلئے مینارہ نور ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کے بارے میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہی کافی ہے کہ اگر ایسا شخص جس کا مرشد نہ ہو، اس کتاب کا مطالعہ کرے گا تو اسے پیر کامل مل جائے گا۔ کشف المحجوب کی عظمت ومقبولیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اپنے اپنے وقت کے جید صوفیاء کرام مثلاً خواجہ فریدالدین عطار، مولانا جامی، خواجہ بندہ نواز گیسودراز اور حضرت خواجہ محمد پارسا نے اپنی تصانیف میں اس سے استفادہ کیا ہے اور آپ کے اقوال اور تحقیقات کو بطور حوالہ پیش کیا ہے۔ ذیل میں آپ کے چند ارشادات قارئینِ کرام کے ذوقِ مطالعہ کی نذر کیے جاتے ہیں:-

☆ ہر شخص پر لازم ہے کہ احکام الٰہی اور معرفت ربانی کے حصول میں مشغول رہے۔

☆ یاد رکھو علم کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔ تھوڑے سے علم کیلئے بھی بہت زیادہ عمل درکار ہے۔

☆ باطنی صفائی کیلئے کچھ اصول اور فروع ہیں۔ اصل یہ ہے کہ بندہ دل کو اللہ کے غیر سے خالی کردے اور فرع یہ ہے کہ دل کو مکر وفریب سے بھرپور دنیا سے خالی کردے۔

☆ جو شخص دنیا میں خدا کو پہچانتا ہے وہ دوسروں سے منہ موڑ کر راہ شریعت پر قائم رہتا ہے۔ وہ نہ دوزخ میں جائے گا اور نہ پل صراط کی دشواریوں سے دوچار ہوگا۔

☆ جب بارہ گاہ الٰہی میں حاضری کا ارداہ کرو تو ظاہری عبادت کیلئے ظاہری طہارت کرو جو پانی سے ہوتی ہے۔ جب باطن میں قربت کا ارادہ کرو تو باطن کی طہارت کرو، جو توبہ اور رجوع سے ہوتی ہے۔

☆ پاکیزہ اخلاق کا نام تصوف ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک حق تعالیٰ کے ساتھ، دوسرے خلق کے ساتھ۔ حق تعالیٰ کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ حق کی رضا کی خاطر مخلوق کی صحبت وخدمت کا بار برداشت کرے۔

آخر میں حضرت داتا گنج بخشؒ کی وصیت کے ساتھ اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

''میں وصیت کرتا ہوں خدا کے دوستوں، ولیوں اور حق شناس صوفیوں کے ساتھ حق وانصاف کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا، دعویٰ کم کرنا اور اہل اللہ سے حسن اعتقاد رکھنا''۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس وصیت پر عمل کرتے ہوئے اولیاء کرام کا خادم بنائے اور ان کے فیوض و برکات سے مستفیض فرمائے آمین۔

......

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ

برعظیم پاک و ہند کے ظلمت کدے میں جن برگزیدہ شخصیات نے اسلام کے انوار وتجلیات سے چہار سُو اُجالا کیا اُن میں سرفہرست نام حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ چھٹی صدی ہجری میں آپ کی آمد سے قبل ہندوستان کی دھرتی پرسرکش، متکبر اور مشرک برہمنوں کا تسلط تھا۔ رعایا کی حالت انتہائی پست ہو چکی تھی اور وہ مذہبی، تمدنی، تہذیبی اور اخلاقی طور پر بہت پسماندہ تھے۔ بت پرستی، ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی عام تھی۔ پتھر، درخت، سانپ، بندر، گائے حتیٰ کہ ان کا گوبر تک ان کے معبودانِ باطل میں شامل تھا۔ ذات پات اور سماجی اونچ نیچ کے عفریت نے معاشرے کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ عظمت انسانی کا مہتاب گہنا چکا تھا۔ ایسے ماحول میں آ کر دین حق کا دِیا جلانا اور ظلمت کدۂ ہند میں نعرۂ حق بلند کرنا جان جوکھوں کا کام تھا۔ لیکن سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ فریضہ سرانجام دیا۔ آپ نے اپنے حسن سلوک، محبت وشفقت اور رواداری کی قوت سے راجستھان اور قرب و جوار کے باسیوں کو اپنا گرویدہ بنالیا اور وہ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ آپ کی تبلیغی مساعی کی بدولت لاکھوں لوگ اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کا اسم گرامی "معین الدین حسن" ہے۔ آپ حسنی حسینی سیّد ہیں۔ آپ کے والد سیّد غیاث الدین حسن ایران کے علاقے سنجر کے امیر گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن فقر و درویشی میں بھی ان کا مقام بہت بلند تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی ولادت 537ھ میں ہوئی۔ بچپن ناز و نعم میں گزرا لیکن آپ کا عہد شباب کے شروع ہوتے ہی آپ کے والد ماجد اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپ نے دینی تعلیم کا آغاز تو اپنے آبائی وطن میں ہی کر دیا تھا لیکن حصول تعلیم کا یہ جذبہ آپ کو بلادِ اسلامیہ کے بڑے

بڑے علمی وتہذیبی مراکز یعنی شام، بغداد، سمرقند، بخارا اور حرمین شریفین میں کشاں کشاں لئے پھرتا رہا۔ سمرقند میں آپ نے مولانا شرف الدینؒ سے قرآن پاک حفظ کیا اور دیگر علوم دینیہ میں دسترس حاصل کی۔ پھر آپ نے بخارا میں مولانا حسام الدین بخاریؒ کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور چند سالوں کے اندر جملہ دینی وعصری علوم کی تکمیل کی۔ دینی علوم کی تکمیل کے بعد آپ کے دل میں قلب ورُوح کی پاکیزگی اور تزکیۂ نفس کی خواہش پیدا ہوئی۔

ان دنوں نیشا پور کے قریبی قصبے ہارون میں ایک مردِ کامل حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی روحانی برکات اور باطنی فیوض کا بہت شہرہ تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ جب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کے دل نے گواہی دی کہ یہی وہ نورانی ہستی ہے جس کی آپ کو تلاش تھی۔ انہوں نے فوراً نوجوان معین الدین کو اپنے سایۂ محبت وشفقت میں لے لیا۔ باقاعدہ بیعت لی، معرفت کی تمام منازل طے کرادیں، اُن کے اندر پوشیدہ پیدائشی ولی کو کندن بنا کر آشکار کردیا اور ان کو اکناف عالم میں انوار وتجلیات پھیلانے کا حکم دیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کئی سال تک اپنے مرشد کی خدمت میں رہ کر اکتساب فیض کرتے رہے اور روحانی منازل بھی طے کرتے رہے۔ مرشد کامل کے ساتھ آپ کو حج بیت اللہ شریف کی سعادت ملی اور بعد میں سرکار دو عالم خاتم الانبیاء حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضری کا شرف ملا۔ حضور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو اپنی زیارت سے مشرف فرمایا اور حکم دیا:

> ''معین الدین! ہم نے تمہیں بحکم الٰہی سلطان الہند مقرر کیا، اب تم اپنے مرشد سے ہندوستان جانے کی اجازت حاصل کرو''۔

صبح ہوتے ہی خواجہ معین الدینؒ نے یہ باسعادت خواب مرشد برحق کی خدمت میں عرض کیا تو وہ بے حد مسرور ہوئے۔ اور انہوں نے اسی وقت باطن کی آنکھوں سے خواجہ صاحب کو اجنبی سرزمین ہندوستان کی سیر کرادی۔ خواجہ عثمان ہارونیؒ نے مدینہ منورہ میں آپ کو خلافت کا تاج عطا کرتے ہوئے کلاہ چہار ترکی یعنی چار چیزیں چھوڑ دینے کی ٹوپی عطا کی۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں:-

☆ پہلی، ترکِ دُنیا۔

☆ دوسری؛ ترکِ عقبیٰ یعنی سوائے رضائے ربانی کے آخرت میں کچھ اور طلب نہ کرنا۔

☆ تیسری؛ ترکِ خور وخواب یعنی نیند اور کھانے سے پرہیز سوائے اتنا کہ زندہ رہنے کیلئے ضروری ہے اور

☆ چوتھی؛ خواہشِ نفس کا ترک کر دینا۔

ہندوستان میں سلسلۂ تبلیغ شروع کرنے سے پہلے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے مختلف اسلامی ممالک اور علوم اسلامی کے تہذیبی مراکز کی سیر وسیاحت کی اور وقت کے جیّد علماء، نامور مشائخ اور اولیاء وصوفیاء کرام کی زیارت کی۔ ان سے دینی وروحانی علوم حاصل کئے اور ان کے انوار وتجلیات سے اپنے نورانی قلب کو مزید منور کیا۔ بغداد میں قیام کو حضرت خواجہ صاحبؒ کی زندگی میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہاں پر آپ نے سیّدالاولیاء سیّدنا غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ دیگر اکابر مشائخ، شہاب الدین سہروردیؒ اور خواجہ اوحدالدین کرمانیؒ سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔ ان کے علاوہ خوارزم میں نہایت عظیم بزرگ شیخ نجم الدین کبریٰؒ، ہمدان میں شیخ ابو یوسف ہمدانیؒ، تبریز میں شیخ ناصرالدین استرآبادیؒ اور غزنی میں شیخ عبدالواحد غزنویؒ جیسے وقت کے عظیم المرتبت صوفیاء اور مشائخ کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل کیا اور ان سب بزرگوں کے فیوض وبرکات سمیٹتے ہوئے آپ برعظیم پاک وہند کی سرزمین میں تشریف لائے۔

پیرانِ پیر حضرت الشیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے حضرت خواجہ صاحب کو خصوصی محبت اور عقیدت تھی۔ جب حکم الٰہی سے حضور غوث اعظم جیلانیؒ نے فرمایا: ''میرا قدم تمام ولیوں کی گردن پر ہے'' تو خواجہ غریب نوازؒ کا عالم شباب تھا اور وہ خراسان کے پہاڑوں میں عبادت الٰہی اور مجاہدہ وریاضت میں مشغول تھے، انہوں نے فوراً کہا ''آپ کا قدم میرے سر پر''۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ 576ھ میں لاہور تشریف لائے اور یہاں حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کے آستانۂ عالیہ پر چلّہ کش ہوئے۔ آپ کا حجرہ مبارک آج بھی مزار شریف کے پاس محفوظ ہے۔ لاہور میں حضور داتا صاحبؒ کے فیوض وبرکات سے

مستفیض ہونے کے بعد آپ نے وہ مشہور شعر کہا جو آج تک زبان زدِ خاص و عام ہے:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے جب اجمیر کی سرزمین پر قدم رنجہ فرمایا تو اس وقت وہاں رائے پرتھوی راج کی حکومت تھی۔ وہ ان دنوں سلطان شہاب الدین غوری کے ساتھ جنگوں میں مصروف تھا۔ اس پر آپ کی تشریف آوری ناگوار گزری۔ لہٰذا اس نے آپ کو اجمیر کی سرزمین سے بے دخل کرنے کے لئے جتن شروع کئے۔ حضور خواجہ غریب نواز کا پہلا پڑاؤ اناساگر کا تالاب تھا جو اجمیر کے مرکز میں بہت سارے مندروں کے درمیان نہایت خوبصورتی سے بنایا گیا تھا۔ آپ وہاں کھلی جگہ پر بیٹھ گئے' یہاں راجا کے ملازموں نے آپ کو تنگ کرکے اٹھا دیا اور کہا کہ یہاں تو راجا کے اونٹ بیٹھیں گے۔ آپ نے فرمایا: ''اچھا تو پھر یہاں راجہ کے اونٹ بیٹھے ہی رہیں گے''۔

رات کو اونٹ آ کر وہاں بیٹھ گئے' صبح جب ملازموں نے انہیں اٹھانا چاہا تو وہ کسی صورت بھی اٹھنے نہ پائے۔ ملازم دوڑے دوڑے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معافی چاہی۔ آپ تو عفوودرگذر اور حلم و بردباری کے اوصاف جمیلہ کے حامل تھے۔ آپ نے ان کو معاف کردیا اور اونٹ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اجمیر کا سب سے بڑا پجاری اورمہنت رام دیو بہت سے سفلی اور کالے علوم کا ماہر تھا۔ اس نے پورے کرّ و فراور تکبّر ونَخُوَت سے آپ کو تنگ کرنا چاہا۔ جب وہ اپنے چیلوں کے ساتھ آپ کے پاس حاضر ہوا تو آپ کے نورانی چہرہ مبارک کو دیکھ کر اس کی دنیا بدل گئی اور وہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

ان دنوں ہندوستان میں جے پال جوگی کو سب سے بڑا جادوگر اور کاہن سمجھا جاتا تھا۔ راجہ پرتھوی راج کے خیال میں وہی جادوگر ایسا شخص تھا جو حضور خواجہ غریب نوازؒ کا مقابلہ کرسکتا تھا۔ فی الواقعہ وہ تھا بھی بڑا طاقتور اور صاحب فن جادوگر۔ وہ اپنے چیلوں کے ہمراہ اس انداز میں آیا کہ ہرن کی کھال پر سوار' ہوا میں اُڑ رہا تھا اور اس کے شاگرد شیروں پر سوار تھے۔ انہوں نے ہاتھوں میں آگ اگلنے والے سانپ پکڑ رکھے تھے۔ ان کے آنے کا انداز اس طرح کا تھا کہ زمین لرز رہی تھی اور لوگ دہشت سے کانپ رہے تھے۔ حضرت

خواجہ غریب نوازؒ نے سنت موسویٰ کو دہراتے ہوئے ایک مٹھی بھر خاک جادوگروں کے اس غول کی طرف پھینکی اور ان سب کا جادو غائب ہو گیا۔ وہاں نہ آتش موجود تھی نہ دھواں۔ شیر اور سانپ سب بھسم ہو چکے تھے اور چیلے حیرت و استعجاب سے ایک دوسرے کا منہ دیکھتے تھے۔ آپ کی شانِ کرامت کو دیکھ کر جے پال مسلمان ہو گیا۔ آپ نے اس کا نام عبداللہ رکھا اور اسے اپنی نظر کرم سے ولی کامل بنا دیا۔

اسی اثناء میں سلطان شہاب الدین غوریؒ نے تراوڑی کے میدان میں پرتھوی راج کو شکست فاش دے کر اس کی مادّی اور فوجی طاقت پاش پاش کر دی۔ سلطان غوریؒ اجمیر میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی نظرِ رحمت سے فیض یاب ہوا۔ اجمیر میں مستقل قیام کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ہندوستان کے باسیوں میں اسلام کا نور پھیلانے کیلئے ایک منظّم طریقے سے کام شروع کیا اور آپ کی تبلیغی مساعی کی بدولت لاکھوں کی تعداد میں لوگ اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

اول: آپ کی شخصیت میں وہ نورانیت اور کشش تھی کہ جو شخص آپ کی زیارت کر لیتا آپ ہی کا ہو کر رہ جاتا۔

دوم: آپ کے اخلاق حسنہ بھی قرب و جوار کے مظلوم، غریب اور رسوم و رواج کی قیود میں جکڑے سادہ لوح لوگوں کو اپنی طرف کھینچتے تھے۔ کیونکہ آپ کی ذات اسوۂ مصطفوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا پرتو تھی۔ حلم، رواداری، عفوودرگذر، عدل واستحسان، غریب پروری، مظلوموں اور بے نواؤں کی دادرسی، حاجتمندوں کی مشکل کشائی، مساوات اور اخوت جیسے اوصاف آپ کی شخصیت کا حسن تھے۔

سوم: اس کے علاوہ آپ نے بھوکوں پیاسوں کی ضروریات پوری کرنے اور مسافروں اور قیدیوں کی امداد کیلئے انتظامات کئے۔ لنگر خانے کا وسیع انتظام کیا جہاں سب ضرورت مندوں کو پیٹ بھر کا کھانا مل جاتا تھا۔ حضور خواجہ معین الدین چشتیؒ اپنے انہی اوصاف اور عادات کی وجہ سے غریب نواز کے لقب سے مشہور ہوئے اور یہ لقب آج بھی زبان زدِ خاص و عام ہے۔

چہارم: آپ نے راجپوتانہ اور قرب و جوار کے باشندوں کو نہ صرف اسلام کی
دولت سے مالا مال کیا اور ان کو نظریاتی و عملی طور پر مسلمان کیا بلکہ تہذیبی
اور تمدنی طور پر بھی اسلام کی روح ان کے قلوب و اذہان میں ڈال دی۔
ہندو مذہب کے ذات پات اور معاشرتی اونچ نیچ کے نظام نے ان لوگوں
کی زندگی مفلوج کر رکھی تھی لیکن حضور غریب نواز ؒ نے مساوات، عدل،
برابری اور ہمہ گیری کے اسلامی تصورات اور نظریات کو اس انداز میں نافذ
کیا کہ ان کے اندر سے دورِ جاہلیت کے تمام عقائد مٹ گئے۔
پنجم: حضور خواجہ غریب نواز ؒ نے اپنے مریدین، خلفاء اور مبلغین کی ایسی
جماعتیں تشکیل دیں جو آپ سے تربیت پا کر ہندوستان کے طول و عرض
میں پھیل جاتیں اور ان صالح اور باکردار افراد نے اس انداز میں تبلیغ
اسلام کا فریضہ سرانجام دیا کہ آج ہندوستان کا شاید ہی کوئی گوشتہ یا خطہ
ایسا ہو جہاں اسلام کا پیغام نہ پہنچا ہو۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی ؒ کا 6/رجب 633ھ میں اجمیر شریف میں وصال ہوا۔ اجمیر میں آپ کا روضۂ مبارک مرجع خلائق ہے۔ آج نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو، سکھ اور عیسائی بھی آپ کی بارگاہِ نیاز میں سر جھکاتے ہیں۔ آپ کی اسی عظمت و رفعت کو دیکھتے ہوئے ایک انگریز نے کہا تھا کہ ایک قبر مبارک ہندوستان پر حکمرانی کر رہی ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے دہلی سے لے کر کراچی تک اور پشاور سے لے کر ممبئی تک شاید ہی کوئی شہر یا قصبہ ایسا ہو جہاں حضور خواجہ غریب نواز ؒ کے چشتیہ انوار و برکات نہ پہنچے ہوں۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی سرزمین کو خاص طور پر نوازا ہے۔ پاکپتن شریف، تونسہ شریف، سیال شریف، گولڑہ شریف، بھیرہ شریف، سبزوار نورانی چشتیہ سلسلہ کے وہ بڑے بڑے مراکز ہیں جہاں سے علم و عرفان اور شریعت و طریقت کے سوتے آج بھی پھوٹ رہے ہیں اور ایک عالم ان سے فیض اٹھا رہا ہے۔ آخر میں آپ کے خلیفۂ خاص حضرت قطب الدین بختیار کاکی ؒ کی طرف سے ترتیب دی گئی کتاب ''دلیل العارفین'' میں سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی ؒ کے چند اقوال درج کئے جاتے ہیں:

☆ کسی مسلمان بھائی کو بلاوجہ ستانا بہت بڑا گناہ ہے۔

☆ قرآن پاک کی تلاوت کے وقت دل نرم ہونا چاہیئے اور اس میں خوف الٰہی پیدا ہونا چاہیئے۔

☆ کلام اللہ کی تلاوت ایمان میں زیادتی اور استحکام کا باعث ہونی چاہیئے۔

☆ کوئی شخص نماز کی پابندی کے بغیر بارگاہِ ربّ العزت میں مقبول نہیں ہوسکتا کیونکہ نماز مومن کی معراج ہے۔

☆ جو شخص کسی بھوکے کو کھانا کھلائے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص اور دوزخ کے درمیان سات پردے حائل کردے گا، ہر پردہ کی وسعت پانچ سو برس کی راہ کے برابر ہوگی۔

☆ عشق میں صادق وہ شخص ہے کہ جس پر دوست کی طرف سے خواہ مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں، وہ زبان سے اُف تک نہ کرے اور خوشی سے یہ مصائب برداشت کرے۔

☆ پانچ چیزوں کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔یعنی اولاد کا ماں باپ کا منہ دیکھنا، کلام اللہ شریف کا دیکھنا، علماء کی طرف دیکھنا، خانہ کعبہ کی طرف دیکھنا اور اپنے مرشد کو دیکھنا۔

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

..........☆☆..........

امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ......ایک عظیم شخصیت

برعظیم پاک و ہند میں پچھلی صدی میں جن شخصیات نے مسلمانانِ ہند کی سیاسی، مذہبی، دینی اور معاشرتی زندگی پر گہرے نقوش چھوڑے اور اسلامیانِ ہند کی قیادت و سیاست کا فریضہ سرانجام دیا، ان میں اعلیٰحضرت امام الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلویؒ کا نام نہایت نمایاں ہے۔ وہ ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک اور صدہا اوصافِ جمیلہ کے حامل تھے۔ ان کی وسعت علمی، فقہی بصیرت، سیاسی شعور و آگہی اور ادبی و شعری فہم و ذکاوت کی مثال لانا ناممکن ہے۔ زمانہ انہیں اعلیٰحضرت مجدّدِ دین و ملّت، فاضل بریلوی، امام نعت گویاں اور سراج الامّہ جیسے القاب سے یاد کرتا ہے۔

مجدد دین وملت اعلیٰحضرت امام الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلویؒ یو۔ پی ہندستان کے مشہور شہر بریلی میں بتاریخ 10/شوال 1272ھ بمطابق 14/جون 1856ء پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا نقی علی علیہ الرحمتہ اور دادا مولانا رضا علی خاں اپنے وقت کے بلند پایہ عالم، ولی کامل، عارف باللہ اور تقویٰ و تزکیہ میں یگانہ تھے۔ ان کو پورے علاقے میں عزت و شرف حاصل تھا۔ ان کا تعلق ایک معزز پٹھان گھرانے سے تھا۔ جنہیں کئی صدیوں سے اس علاقہ میں صاحبِ جاگیر ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ والدِ ماجد نے ان کا نام محمد رکھا جبکہ دادا نے احمد رضا تجویز کیا۔ تاریخی نام المختار رکھا گیا۔ چار سال کی عمر میں قرآن پاک ناظرہ پڑھا۔ صرف ونحو کی ابتدائی کتب مرزا غلام قادر بیگ سے پڑھیں جبکہ دیگر علوم مثلاً حدیث، تفسیر، کلام، فقہ، منطق، فلسفہ وغیرہ اپنے والد ماجد مولانا علی نقی خانؒ سے حاصل کئے۔ اس دوران صرف چھ سال کی عمر میں میلادِ مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء کے ایک بڑے مجمع سے خطاب فرمایا اور خوب داد وصول کی۔ 14/شعبان 1286ھ کو علوم دینیہ میں کمال حاصل کر کے دستارِ فضیلت سے سرفراز ہوئے۔ اسی دن سے فتویٰ نویسی کا آغاز کیا اور یہ سلسلہ تادمِ زیست جاری رہا۔ اس طرح چوّن (54) سال سے زائد مدت تک

آپ عوام الناس اور علماء دین کی فقہی رہنمائی کا فریضہ باضابطہ طور پر سرانجام دیتے رہے۔

اعلحضرت فاضل بریلوی ؒ کو متداول درسی کتب کے ساتھ ساتھ دیگر علوم وفنون سے بھی گہرا شغف تھا' جن کی تعداد چوّن (54) بنتی ہے۔ ان علوم میں آپ کی کوئی نہ کوئی تحریر یا مکمل کتاب موجود ہے۔ ان علوم کی کچھ تفصیل اس طرح ہے:

علم قرآن' علم حدیث' فقہ' جدل' تفسیر' کلام' نحو' صرف' فلسفہ' تصوف' نعت' تاریخ' حساب' الجبرا' علم جفر' علم نجوم' خط نسخ و نستعلیق وغیرہ۔

عالم اسلام میں دورِ قریب میں شاید ہی کوئی عالم دین ایسا ہوگا جو بیک وقت اتنے علوم وفنون پر دسترس رکھتا ہو۔ اعلحضرت فاضل بریلویؒ دینی و دنیاوی علوم پر عبور کے بعد تزکیۂ نفس اور تصوف وسلوک کی نورانی دنیا میں حصولِ کمال کیلئے وقت کے بڑے ولی اور عارفِ لاثانی حضرت شاہ آل رسول قادریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیعت کے ساتھ ساتھ مرشدِ پاک نے خصوصی توجہ فرمائی اور سلوک وتزکیہ کی تمام منازل طے کرواکے آپ کو جبّۂ خلافت سے سرفراز کیا۔ سلسلہ قادریہ کے ساتھ ساتھ آپ کو دیگر سلاسل طریقت میں بھی اجازت حاصل تھی۔

1295ھ (1878ء) میں آپ کو پہلی بار حج بیت اللہ شریف کی سعادت اور حبیبِ رب العالمین' سیّدالمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ انور کی زیارت نصیب ہوئی۔ جبکہ 1323ھ (1905ء) میں دوسری بار یہ سعادت حاصل ہوئی۔ دونوں بار مبارک سفر کے دوران مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے بڑے بڑے علماء وفقہاء نے آپ سے ملاقات کی اور آپ کی قدرومنزلت حد سے بڑھ کر کی۔ پہلے سفرِ سعادت اثر میں آپ نے مفتی شافعیہ سیّد احمد زینی دحلان (م1304ھ) اور مفتی حنفیہ شیخ عبدالرحمان سراج (1301ھ) سے حدیث' تفسیر' فقہ اور اصول فقہ وغیرہ میں سندات حاصل کیں۔ جبکہ دوسرے سفر مقدس کے دوران آپ نے بہت سے علماء مثلاً مولانا سیّد عبدالحی مکی' شیخ حسین جمال بن عبدالرحمان' الشیخ صالح کمال، سیّد اسماعیل خلیل، سیّد مصطفیٰ خلیل، شیخ عبدالقادر کردی' شیخ فرید اور سیّد محمد عمر وغیرہ کو سندات خلافت واجازت عطا کیں۔

عرب وعجم کے بیشتر علماء اور فقہاء اعلحضرت کی علمی بصیرت اور فقہی دسترس سے بے حد متاثر ہوئے۔ آپ نے مکہ مکرمہ میں نہایت مختصر وقت میں الدولتہ المکیہ نامی

کتاب لکھی جو ہاتھوں ہاتھ لی گئی اور تمام اکابر علماء آپ کی علمیت اور روحانی عظمت کے قائل ہو گئے۔

فاضل بریلویؒ نصف صدی سے زائد عرصہ تک علم دین اور طریقت و معرفت کی دنیا میں کام کرنے کے بعد 25 صفر المظفر 1340ھ (1921ء) کا بروز جمعتہ المبارک بریلی میں وصال ہوا۔ شہر بریلی محلّہ سوداگران میں دار العلوم منظر اسلام کے قریب آپ کا مزار مبارک ہے، جہاں ہر سال 24 اور 25 صفر المظفر کو عرس منایا جاتا ہے۔

اعلٰحضرت فاضل بریلویؒ کے دو صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں ہیں۔ صاحبزادوں کے نام محمد حامد رضا اور محمد مصطفیٰ رضا ہیں۔ جنہیں زمانہ بالترتیب حجتہ الاسلام اور مفتیٔ اعظم ہند کے القاب سے جانتا ہے۔ دونوں صاحبزادے علم و فضل، تقویٰ و طہارت اور زہد و فقر میں مقامِ کمال پر فائز تھے۔

مولانا حامد رضا خان بریلوی عربی ادب میں گہرا شغف رکھتے تھے۔ آپ نے الدولتہ المکیہ اور الفیوضات المکیہ کا اردو ترجمہ کیا۔ نیز فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کیلئے الصارم الربانی علی اسراف القادیانی لکھا۔ اور یوں ختم نبوت کی عظمت و رفعت کیلئے ابتداء ہی میں مجاہدانہ کردار ادا کیا۔

دوسرے صاحبزادے مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلویؒ شریعت، فقہ، تصوف، روحانیت اور سیاسی دانش و بصیرت کا حسین مجموعہ تھے۔ انہوں نے جہاں کروڑوں مسلمانوں کی روحانی تربیت کی، وہاں تبلیغ اسلام اور اشاعتِ علومِ دینیہ کیلئے بھی کوشاں رہے۔ شدھی تحریک کے فتنہ ارتداد کا بخوبی مقابلہ کیا۔ تحریک پاکستان کے دوران آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ بنارس 1946ء میں شرکت کی اور قیامِ پاکستان کیلئے عملی کردار ادا کیا۔

خلفاء کرام

اعلٰحضرت فاضل بریلویؒ کے خلفاء کثیر تعداد میں ہیں، جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

مولانا ظفر الدین بہاری، سیّد دیدار علی شاہ، مولانا امجد علی اعظمی (مؤلفِ بہارِ شریعت)، مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی، مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی (والد مولانا شاہ احمد نورانی)، مولانا احمد اشرف اشرفی جیلانی،

مولانا ضیاء الدین مدنی، مولانا محمد شریف کوٹلی لوہاراں (سیالکوٹ) اور پروفیسر سلیمان اشرف وغیرہ ہم۔

علمی بصیرت

امام احمد رضا فاضل بریلویؒ کو قرآن و حدیث سے متعلقہ علوم پر تو عبور حاصل تھا ہی لیکن اس کے علاوہ دیگر عُمرانی و سائنسی علوم سے بھی گہرا شغف تھا، جن کی تعداد خود آپ نے چوّن (54) بتلائی ہے۔ ان سب علوم میں کوئی نہ کوئی یادگار کتاب یا رسالہ آپ نے تحریر کیا ہے۔

آپ جب بھی کسی کتاب کا مطالعہ کرتے تو اس پر شرح یا تبصرہ لکھتے جاتے۔ چنانچہ آپ نے جن کتابوں کی شرح لکھی ان میں حنفی اصولِ فقہ کی کتاب مسلم الثبوت، صحیح بخاری کے نصف اول، صحیح مسلم، جامع ترمذی، رسالہ قطبیہ اور علامہ شامی کی، ردالمختار کی شرح تحریر کی ہے۔ مؤخر الذکر کتاب تقریباً پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔

اعلحضرت کا حافظہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ تھا۔ بڑی سے بڑی کتابیں، ان کے حوالے اور حواشی آپ کو زبانی یاد ہوتے۔ الدولتہ المکیہ آپ نے بغیر کسی کتاب کی مدد کے محض اپنے حافظہ کی بنیاد پر لکھی۔ اس میں بیسیوں کتابوں کے حوالہ جات ہیں۔ بعض لوگ آپ کے نام کے ساتھ حافظ لکھ دیا کرتے تھے۔ آپ نے خیال کیا کہ قرآنِ پاک حفظ کر لیا جائے چنانچہ آپ رمضان شریف میں روزانہ مغرب کے بعد ایک پارہ تلاوت کرتے اور پھر اسے یاد کر لیتے، اس طرح صرف ایک ماہ کے قلیل عرصہ میں پورا قرآن پاک حفظ کر لیا۔

اعلحضرت کے ایک شاگرد بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ وراثت کی تقسیم سے متعلق ایک فتویٰ پوچھا گیا جس میں پندرھویں پشت سے تقسیم جائیداد درکار تھی۔ اس وقت درجنوں وارث موجود تھے۔ وہ شاگرد کہتے ہیں کہ مجھے علم ریاضی کا ماہر ہونے کا دعویٰ تھا۔ میں نے دو دن اور ایک رات میں دو بڑے کاغذوں پر تفصیلات لکھیں۔ اگلے دن جب استفتاء آپ کی خدمت میں پیش کیا تو میرے جواب بولنے سے پہلے ہی آپ نے انگلیوں کو حرکت دینی شروع کی اور کچھ ہی دیر میں مفصل جواب تحریر کر دیا۔ یہ جواب میرے لکھے ہوئے جواب

سے ذرا برابر بھی مختلف نہ تھا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ تمام وارثوں کے نام اوران کے حصہ کی جائیداد بھی تحریر کروادی حالانکہ مجھے ان کے نام بھی زبانی یاد نہ ہو سکے تھے۔(اعلحضرت بریلوی،مقبول جہانگیرصفحہ 8)۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر ضیاءالدین احمد وقت کے بہت بڑے ریاضی دان تھے۔ایک بار ایک مسئلہ ان کیلئے اُلجھن بن گیا۔اس کا حل ملنے نہ پا رہا تھا۔ اس مقصد کیلئے وہ جرمنی جانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ شعبہ اسلامیات کے پروفیسر سیّد سلیمان اشرف جو اعلحضرت کے خلیفہ تھے' نے ڈاکٹر ضیاءالدین کو مشورہ دیا کہ وہ بریلی چلیں اور مولانا احمد رضا سے مل لیں۔ وہ پہلے تو حیران ہوئے لیکن سید سلیمان اشرف کے اصرار پر ساتھ چلے پڑے۔اعلحضرت کے سامنے مسئلہ پیش کیا گیا تو آپ نے منٹوں میں اس کا حل پیش کر دیا۔ ڈاکٹر ضیاءالدین احمد دنگ رہ گئے اور پکار اُٹھے کہ علم لدنی کا مظاہرہ آج دیکھا ہے۔

(سہ ماہی'العلم'1975ء صفحہ 177)۔

18/اکتوبر 1919ء کو بانکی پور پٹنہ کے انگریزی اخبار'ایکسپریس' میں امریکہ کے آسٹرولوجسٹ پروفیسر البرٹ کی ہولناک پیشگوئی شائع ہوئی کہ 17/دسمبر 1919ء کو چھ سیارے عطارد' مریخ' زہرہ وغیرہ ایک قِران میں جمع ہوں گے۔جس سے سورج میں ایک بہت بڑا سوراخ پیدا ہوگا اور ممالک متحدہ میں خوفناک طوفان' زلزلے اور بہت زیادہ تباہی آئے گی۔طوفان' بجلیاں' مینہ اور بھونچال ہوں گے اور زمین کئی ہفتوں بعد معتدل ہوگی۔ اس خوفناک پیشگوئی سے پورے برطانوی ہند میں اضطراب اور پریشانی کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طرف کرّہ ارض پر نازل ہونے والی ممکنہ قیامت خیز تباہی موضوع بحث بن گئی۔اعلحضرت کی علم نجوم وفلکیات پر بھی گہری نظر تھی۔ آپ نے اپنے خداداد علم کی بدولت ایک مفصل جواب مقالے کی صورت میں ماہنامہ'الرضا' بریلی شمارہ صفر وربیع الاول 1919ء میں شائع کیا تو لوگوں کی جان میں جان آئی۔ آپ نے نہایت عالمانہ دلائل' فلسفیانہ براہین اور خالص سائنسی انداز میں پروفیسر البرٹ کا ردّ کیا۔ چنانچہ دسمبر کا مہینہ آیا اور شانتی کے ساتھ گزر گیا اور پروفیسر البرٹ کی ساری تحقیق دھری کی دھری رہ گئی۔

اعلحضرت رحمۃ اللہ علیہ کو عربی زبان وادب اور نظم ونثر پر بہت عبور حاصل تھا۔ وہ

اگرچہ عجمی النسل تھے لیکن عربی زبان ان کے رگ رگ میں رچی بسی تھی۔ آپ کی کتب، رسائل، خطوط، اسنادِ اجازت اور عربی شاعری سے، عربی زبان وادب پر آپ کی مہارت تامہ اور فصاحت وبلاغت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ کی ایک ہزار سے زائد کتب کا نام عربی میں ہے۔ آپ عربی نثر پر اتنے قادر تھے کہ بے تکلف لکھتے جاتے۔ بلکہ اسی بے ساختگی اور روانی سے شعر بھی کہتے۔ جو آپ کی تصانیف اور فتاویٰ میں بکثرت بکھرے پڑے ہیں۔ بلکہ آپ کے دیوان حدائق بخشش، کا حصہ پنجم عربی کلام پر مشتمل ہے۔ آپ کی عربی نظم ونثر کی فصاحت وبلاغت کی گواہی خود اہل زبان علمائے حجاز نے دی ہے۔ سیّد مأمون البری مدنی نے لکھا:

''ان کا قلم جادو کی طرح فریفتہ کرتا ہے، جن کی باتوں کا لطف نسیم سحر پر فوقیت رکھتا ہے''۔

شیخ علی بن حسین مکی نے کہا:

''آپ کا بیان اتنا واضح ہے کہ مشکلات کھلیں، اس کی لڑیوں سے جواہر کو زیب وزینت سازگار ہے''۔ (امام احمد رضا اور عالم اسلام صفحہ 51)

فقھی مقام

برعظیم پاک وہند میں امام احمد رضا ؒ نے فقۂ حنفی کی جتنی خدمت کی ہے، اس پر بلاشبہ انہیں دورِ حاضر کا امام ابوحنیفہ کہا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبالؒ کا بیان ہے:

''ہندوستان کے دورِ آخر میں مولانا احمد رضا خان جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے میں نے یہ رائے قائم کی جو ان کی ذہانت و فطانت، جودتِ طبع، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عادل ہیں۔ ان کی طبعیت میں شدت زیادہ نہ ہوتی تو گویا امام احمد رضا اپنے دور کے امام ابوحنیفہؒ تھے''۔

علامہ اقبال نے جسے شدت کہا ہے وہ عشق رسول (ﷺ) کی حدت اور حرارت کا دوسرا نام ہے۔

اعلیٰحضرت کے ہاں روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں استفتاء آتے۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ برما، چین، افغانستان، امریکہ، افریقہ اور حرمین شریفین کے لوگ بھی اپنے اپنے

سوالات ارسال کرتے جن کے جوابات آپ ارسال کرتے۔ ان فتاویٰ کا مجموعہ اُنتیس (29) جلدوں میں "العطایا النبویة فی الفتاویٰ الرضویة" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ آپ کے فتاویٰ کو دیکھ کر حافظ کتب حرم، شیخ اسمٰعیل بن خلیل نے فرمایا:

"بخدا بالکل سچ کہتا ہوں کہ اگر ابوحنیفہ نعمان آپ کے فتاویٰ ملاحظہ فرماتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور اس کے مؤلّف کو اپنے خاص شاگردوں میں شامل کرتے"۔ (رسائل رضویہ صفحہ 258)

اعلٰحضرت امام احمد رضا ؒ کے فتاویٰ فقۂ حنفی کا بہت بڑا اور جدید انسائیکلو پیڈیا ہیں۔ یہ فتاویٰ جہاں ایک طرف قرآن کریم کی مختلف آیات کی تشریح وتفسیر اور احادیث رسولِ اکرم، شفیع اعظم (ﷺ) کا وسیع انتخاب ہیں، وہیں اعلیٰ حضرتؒ کے گہرے علمی شعور، حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر اور جدید وقدیم علوم وفنون کا اظہار ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جدید تحقیقی اسلوب کے حامل ہیں اور بعد میں آنے والے علماء اور عامتہ المسلمین کیلئے صدیوں تک مینارۂ نور ثابت ہوں گے۔ آپ کے فتاویٰ کی چند مثالیں ملاحظہ کیجئے، جن میں ورق ورق پر قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبویؐ کی خوشبوئیں چاندنی کی طرح چمک رہی ہیں اور کتب فقہ کے حوالہ جات اس قدر ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے:-

☆ سجدۂ تعظیمی کی حرمت ثابت کرنے کیلئے ایک رسالہ **الزبدة الزکیة لتحریم سجودِ التحیة** (1337ھ)۔ اس میں آپ نے بہت سی آیاتِ کریمہ کے ساتھ چالیس احادیث اور ڈیڑھ سو فقہی حوالہ جات دیئے ہیں۔

☆ ردّ القحط والوباء میں ساٹھ احادیث کے حوالے سے صدقہ دینے کی فضیلت ثابت کی گئی۔

☆ **الامن والعلی** میں سینکڑوں احادیث اور فقہی حوالہ جات سے حضورِ اکرم (ﷺ) کو دافع البلاء کہنے کا اثبات ہے۔ اس میں دو سو چالیس احادیث درج ہیں۔

☆ **دوام العیش** میں پچاس احادیث اور بانوے مفسرین وفقہاء کے اقوال درج ہیں۔

آپ فتاویٰ میں اس امر کا بھی خیال رکھتے کہ طبعی اور سائنسی حقائق کا ذکر بھی ہو جائے۔ اسی طرح آپ جزئیات فقہ اور علمی باریکیوں کا لحاظ بھی کرتے۔ ایک فتویٰ میں آپ نے پانی کی اقسام کے حوالے سے بات کی تو اتنی وضاحت سے بات کی کہ عقلیں حیران ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پانی کی ایک سو ساٹھ قسمیں ایسی ہیں جن سے وضو جائز ہے۔ لیکن ایک سو پچیس قسمیں ایسی بھی ہیں جن سے وضو جائز نہیں۔ بیس قسموں میں فقہاء کا اختلاف ہے اور پینتالیس (45) قسمیں ایسی ہیں جن میں جواز یا عدم جواز کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

(باب المیاہ۔ فتاویٰ رضویہ۔ جلد اوّل)۔

آپ کے فتاویٰ میں مصلحانہ اور ناصحانہ غذا بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ کسی نے پوچھا کہ ایک صاحب، تہجد ضائع ہونے کے خوف سے دوپہر کو دیر تک سوتے ہیں کہ ان کی ظہر کی نماز قضا ہو جاتی ہے۔ اس کے جواب میں آپ نے پہلے تو فقہی پوزیشن واضح کی اور پھر دوپہر کو نماز سے قبل نہ سونے یا جلد اُٹھنے کی سات ترا کیب لکھیں جو کہ طبی اور جسمانی لحاظ سے نہایت مفید اور سودمند ہیں۔ مثلاً یہ کہ تکیہ نہ رکھے اور بستر نہ بچھائے، دل میں جماعت کا فکر رکھ کر سوئے، کھانا علی الصباح کھائے، کھانا کم سے کم کھائے، رات کو تہجد میں کمی کرلے، جلد سوئے اور جلد اُٹھ کر تہجد ادا کرلے پھر سو جائے، رات کو سوتے وقت جماعت تہجد کی دعا کرے، سچا یقین کرے، اللہ پر توکل رکھے اور اہل خانہ میں کسی کی ڈیوٹی لگا دے کہ وہ اسے وقت پر جگا دے۔

اعلیٰحضرت کے فتاویٰ اور ان کی کتابوں پر ریسرچ کی ضرورت ہے۔ تاکہ انہیں جدید انداز میں ترتیب دے کر افادہ عام کیلئے شائع کیا جا سکے۔

قرآن کریم اور امام احمد رضاؒ

قرآن کریم سے محبت اور اس کی اشاعت وتبلیغ امام احمد رضاؒ کی زندگی کا سب سے بڑا مشن تھا۔ کیونکہ سارے علوم دینیہ وشرعیہ اور فقہ کی بنیاد و اساس قرآن مجید ہی ہے۔ قرآن فہمی کی خداداد صلاحیت اور قرآنی مفاہیم ومطالب کے اندر تک نظر رکھنا ان کی فطرت میں شامل تھا۔ چنانچہ جب بھی آپ کوئی فتویٰ تحریر کرتے، کتاب لکھتے یا کہیں وعظ وتقریر ارشاد فرماتے تو آغاز میں قرآنی آیات سے خوب استفادہ کرتے اور قرآنی علم وتحقیق کے

جوہر لٹاتے۔ ایک دفعہ آپ مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی ؒ کے موقع پر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے صبح نو بجے سے لے کر تین بجے دو پہر تک چھ گھنٹے سورۂ والضحیٰ کی تشریح کی اور فرمایا کہ اس سورۂ مبارکہ کی کچھ آیات کی تفسیر اسی جز لکھ کر چھوڑ دیا ہے کہ اتنا وقت کہاں سے لاؤں کہ پورے قرآن کی تفسیر لکھ سکوں۔(حیاتِ اعلیٰحضرت صفحہ 97)۔

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآنِ مجید کا اردو ترجمہ کنزالایمان ہے۔ جو اپنی فصاحت و بلاغت، شستگی اور روانی میں بے مثال ہے۔ اس کی ہر ہر سطر میں عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ادب واحترام کا رنگ بطریق احسن نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ تیس سال کے عرصہ میں ترجمۂ اعلیٰحضرت' قرآنِ کریم کے دیگر تمام اردو تراجم کے مجموعی تعداد سے بھی کہیں زیادہ شائع ہوا ہے اور اکنافِ عالم میں پڑھا جاتا ہے۔ کنزالایمان صرف لفظی ترجمہ نہیں بلکہ سیاق وسباق کے حوالے سے اور گزشتہ تراجم وتفاسیر کے تناظر میں بہترین تشریح بھی ہے۔ اس ترجمہ کی خصوصیات پر مستقل کتابیں تحریر کی جا چکی ہیں۔ اس مختصر مضمون میں ہم اس ترجمہ کی بعض خصوصیات کا ذکر کریں گے:۔

☆ **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کا ترجمہ سب مترجمین نے 'شروع کرتا ہوں' کے لفظ سے کیا ہے جبکہ اعلیٰحضرت نے 'اللہ کے نام سے شروع' کے فقرے سے کیا ہے۔ گویا اللہ کا نام حقیقتاً ہی پہلے لیا جا رہا ہے۔

☆ سورۂ توبہ میں نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ کا ترجمہ دوسروں نے کیا کہ 'یہ لوگ اللہ کو بھول گئے اور اللہ نے ان کو بھلا دیا' جبکہ امام احمد رضا ؒ نے لکھا: ''وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے اور اللہ نے انہیں چھوڑ دیا'' کیونکہ اللہ کی جانب بھولنے کا احتمال گمراہ کن ہے۔

☆ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ (سورۂ تحریم 28)

کسی نے ترجمہ کیا: ''اور مریم بیٹی عمران کی جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ'' (مولانا محمود الحسن دیوبندی)۔

امام احمد رضا نے خوبصورت ترجمہ کیا: ''اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی''۔

☆ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (سورۂ والضحیٰ)۔

اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سمجھائی - (مولانا محمود الحسن)

امام احمد رضا ؒ کا محتاط باادب ترجمہ دیکھیے :

''اور تمہیں اپنی محبت میں وارفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی''۔

الغرض امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ کنز الایمان درحقیقت قرآن فہمی کا بہترین ذریعہ اور عقیدت ومحبت' ادب واحترام اور احتیاط کا ایک گلدستہ ہے۔

عشق رسول (ﷺ)

1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد فرنگی حکمرانوں کا مطمح نظر صرف یہ تھا کہ کسی نہ کسی انداز میں مسلمانوں کے دلوں سے حضور خاتم الانبیاء (ﷺ) کی محبت' الفت اور عقیدت کم کردی جائے۔ اس طرح ان کا جذبہ ایمانی کم ہوگا اور انگریزی سامراج کو جس مزاحمت کا سامنا ہے وہ ختم ہو جائے گی۔ سامراجی استبداد کے ان مذموم مقاصد کے آگے مولانا امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ سدِّ سکندری بن کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے عشق رسولِ اکرم' شفیع اعظم (ﷺ) فروغِ عظمتِ رسالت کا تحفظ اور تنقیص شانِ رسالت کا ارتکاب کرنے والوں کی سرکوبی کو اپنا مقصدِ حیات بنالیا۔ امام خود فرماتے ہیں:

''مجھے تین کاموں سے دلچسپی ہے اور ان کی لگن مجھے عطا کی گئی ہے۔ تفصیل یہ ہے:-

(i) سیّد المرسلین کی حمایت کرنا کیونکہ ہر ذلیل منکر آپ کی شان میں توہین آمیز کلام سے زبان درازی کررہا ہے، میرے لئے یہی کافی ہے کہ میرا رَبّ اسے قبول فرمائے گا (الخلاصہ)۔ اعلیٰحضرت کی کتابِ زیست کے اوراق کا جائزہ لیں تو ہر ہر ورق عشقِ رسول اور اطاعت مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء کے نور سے روشن ہے۔ آپ کی زندگی کے افعال وکردار' گفتار ومعاملات' رہن سہن اور عبادات سب کچھ سنت رسول (ﷺ) کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ اور اس کی جھلک آپ کے روز مرّہ معاملات میں دیکھی جاسکتی تھی۔ نمازِ پنجگانہ ہمیشہ باجماعت ادا کرتے اور نہایت اہتمام سے عمامہ وانگرکھا زیب تن کرتے۔ شدید بیماری کی حالت میں بھی احباب کی مدد سے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ سلام کہنے میں پہل کرتے' کبھی قہقہہ نہ لگاتے' آہستگی سے چلتے کہ آواز پیدا نہ ہوتی' نگاہ نیچی رکھتے' مسجد میں داخل ہوتے وقت دایاں پہلو اندر لے جاتے اور واپسی پر ہمیشہ بایاں پاؤں باہر نکالتے' ہر اچھے کام کی ابتداء دائیں ہاتھ سے کرتے' غرباء

وفقراء کی خصوصی معاونت کرتے، ناداروں کے وظائف مقرر کر رکھے تھے۔

حضورِ اکرم (ﷺ) کے عشق و محبت کی وجہ سے ساداتِ کرام کا خصوصی ادب واحترام کرتے اور ان کی عزت وتوقیر کو ہر چیز پر مقدم رکھتے۔ایک بار ایک لڑکے کو امورِ خانہ داری کیلئے معقول مشاہرے پر ملازم رکھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ تو سیّد ہیں۔گھر والوں سے کہا کہ صاحبزادے سے کوئی کام نہ لیا جائے جس چیز کی ضرورت ہو پیش کر دی جائے اور جو تنخواہ مقرر ہے وہ بطور نذرانہ پیش کی جایا کرے۔اسی طرح ایک بار ایک سائل نے آواز دی کہ''دلواؤ سیّد کو''۔آپ خود بھاگم بھاگ باہر آئے اور اس دور کے دوسو روپے کی کثیر رقم ان کی خدمت میں پیش کی اور کہا:''حضور حاضر ہیں''۔سیّد صاحب انہیں دیکھتے رہے اور اس میں سے صرف ایک چونّی اٹھائی۔

اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عشق رسول (ﷺ) کے حوالے سے خود فرمایا:''بحمداللہ اگر قلب کے دوٹکڑے کر دیئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا **لاالٰہ الااللہ** اور دوسرے پر لکھا ہوگا **محمد رسول اللہ** ۔اسی بے لوث محبت اور عشق صادق کا فیضان ہے کہ چشم سر سے بحالت بیداری آپ کو زیارتِ رسول (ﷺ) کا شرف حاصل ہوا۔مولانا سیّد جعفرشاہ صاحب خطیب جامع مسجد کپورتھلہ نے ایک بار اپنے والد ماجد کے عرس کے موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے کہا:''اعلیٰحضرت جب دوسری مرتبہ زیارتِ نبوی کیلئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو شوق دیدار میں روضۂ شریف کے مواجہہ میں درود شریف پڑھتے رہے اور یقین کیا کہ سرکارابدقرار(ﷺ) بالمواجہہ زیارت سے مشرف فرمائیں گے لیکن پہلی شب ایسا نہ ہوا تو ایک نعت لکھی جس کا مطلع ہے ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دِن اے بہار پھرتے ہیں

یہ نعت مواجہہ اقدس میں عرض کر کے انتظار میں مودب بیٹھے تھے کہ قسمت جاگ اُٹھی اور چشم سر سے بیداری کی حالت میں زیارتِ حضور اقدس (ﷺ) سے مشرف ہوئے۔ (امام احمد رضا اور ردّ بدعات ومنکرات، صفحہ 40)۔

یہ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ واشاعت کا فیضان ہے کہ آج ہر قلب سلیم میں عشق رسول (ﷺ) کا جذبہ موجزن ہے اور اسلامیان عالم اسی جذبہ کو وجۂ ناز سمجھتے ہیں:

دل میں عشق رسول(ﷺ) کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنتے تھے چراغ لے کے چلے

سیاسی شعور اور ملی کردار

امام احمد رضاؒ جس دور میں پیدا ہوئے وہ دور ابتری، انتشار اور نفسانفسی کا دور تھا۔ مسلمان برصغیر سے لے کر بلادِ افریقہ تک ہر جگہ غلامی کی زنجیروں میں پابند تھے۔ ان کے اندر احیاءِ اسلام کی رُوح ناپید تھی۔ ہندوستان میں تو نیشنلسٹ علماء کانگریس کے دام فریب میں آ کر اس حد تک ذلت کی گہرائیوں میں گر چکے تھے۔ کہ گاندھی جیسے نجس ہندو کو منبر رسول (ﷺ) پر بٹھانے کی جسارت کی۔ ہر جگہ ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ گونج رہا تھا۔ تحریک ترک موالات میں نام نہاد نیشنلسٹ کانگریسی علماء نے مسلمانوں کو سب کچھ اونے پونے بیچ کر افغانستان جانے کا مشورہ دیا۔ ان حالات میں امام احمد رضا ؒ نے دو قومی نظریہ کی وکالت کی اور احسن انداز میں بتلایا کہ مسلمان اور ہندو الگ الگ قوم ہیں۔ جب ہندوؤں کی غلامی ٹھہری، پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی خودداری! وہ تمہیں ملیچھ جانیں، بھنگی مانیں، تمہارا پاک ہاتھ لگ جائے تو وہ چیز گندی ہو جائے، حالانکہ خود ہی بحکم قرآن نجس ہیں۔ اور تم ان نجسوں کو مقدس مطہر بیت اللہ میں لے جاؤ، جو تمہارا ماتھا رکھنے کی جگہ ہے، وہاں ان کے گندے پاؤں رکھواؤ، مگر تم کو اسلامی حس ہی نہ رہا۔ محبت مشرکین نے اندھا کر دیا، انصاف! کیا یہ اللہ اور رسول (ﷺ) سے آگے بڑھنا شرع مطہر پر افتراء گھڑنا، احکام الٰہی دانستہ بدلنا، سور کو بکری بنا کر نگلنا نہ ہوگا۔

(الحجة المؤتمنة، صفحہ 84)

امام احمد رضا ؒ نے مسلمانوں کی مالی حالت بہتر بنانے اور ان کو معاشی استحکام عطا کرنے کیلئے کئی نکات پر مشتمل ایک لائحہ عمل متعین کیا تاکہ وہ احسن انداز میں زندگی گزاریں کیونکہ معاشی و معاشرتی حالت بہتر ہوگی تو آزادی بھی نصیب ہو سکے گی۔ بلا تبصرہ ان کی تفصیل کچھ ایسے ہے:۔

(1) ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے۔ مسلمان اپنے معاملات باہم فیصلہ کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہو سکیں۔

(2) بمبئی، کلکتہ جیسے بڑے شہروں کے امیر مسلمان اپنے بھائیوں کیلئے بینک کھولیں۔

(3) مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

(4) علم دین کی ترویج و اشاعت کریں۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ کردار کی بدولت برصغیر کے ہزاروں علماء حق نے بنارس میں منعقد ہونے والی سنی کانفرنس 1946ء میں بیک زبان پاکستان کی حمایت کی اور یوں یہ آزاد وطن قائم ہوا۔

نعتیہ شاعری

اعلیٰحضرت امام احمد رضا ؒ کی نعتیہ شاعری اردو ادب کا تاج ہے۔ وہ صرف ادب برائے ادب کے قائل نہ تھے بلکہ انہوں نے اپنی نعتوں میں ادب کو سرکارِ مدینہ (ﷺ) کے قدموں میں لا کھڑا کیا ہے۔ ان کی نعت میں عقیدت بھی ہے اور محبت رسول (ﷺ) بھی۔ سرکارِ مدینہ علیہ التحیہ والسکینہ کی تعریف و ثناء بھی ہے اور آپ کی ذات سے فریاد و التماس بھی۔ لیکن یہ سب کچھ شرعی حدود و قیود کے اندر پابند ہے۔ خود فرماتے ہیں:-

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

یعنی رہے آداب شریعت ملحوظ

نامور ادیب شبیر احمد قادری نے کیا خوب کہا ہے:-

''اعلیٰحضرت امام احمد رضا خانؒ نے فن نعت کو ایک ایسے مقام پر لا کھڑا کیا ہے جو بعد میں آنے والوں کیلئے ایک معیار قرار پایا۔ اور آج صنفِ نعت جس تیزی سے ارتقاء پذیر ہے وہ مولانا احمد رضا خانؒ ہی کی نعت گوئی کی اتباع اور تقلید کی دین ہے۔ ان کی نعتوں میں فکری بلندی بھی ہے اور جذبے کا نکھار بھی۔ فنی لطافتیں بھی ہیں اور شعری حلاوتیں بھی۔ قاسم کوثر و تسنیم کے حضور دست طلب پھیلا ہوا ملتا ہے اور صاحب لواء الحمد (ﷺ) کی بارگاہ میں شفاعت طلبی کیلئے عرض گزاری بھی۔

(سیرت رنگ، اعلیٰحضرت کی نعتیہ شاعری، صفحہ 68)

امام احمد رضا کی شاعری قرآن وحدیث کی تشریح وتفسیر ہے۔ آپ نے قرآنی

آیات اور احادیث مبارکہ کے الفاظ کو اپنے اشعار میں نگینوں کی طرح جڑا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

ـ ورفعنا لك ذكرك کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا ترا

ـ غنچے اَوْحیٰ کے جو چٹکے دَنیٰ کے باغ میں
بلبل سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں

ـ لیلۃ القدر میں مطلع الفجر حق
مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

ـ مَنْ زَارَ تُربَتِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ
ان پر درود جن سے نوید اِن بشر کی ہے

اعلیٰحضرت کا مشہور عالم سلام "**مصطفی جان رحمت پہ لاکھوں سلام** " آج ہر محفل میلاد اور سیرت کانفرنس کی شان ہے۔ یہ سلام اپنی فنی خوبیوں اور تکنیکی اوصاف کے ساتھ ساتھ عقیدت ومحبت اور عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انمول نمونہ ہے۔

الغرض امام احمد رضاؒ کی اردو عربی نعتیہ شاعری دورِ حاضر کے تمام نعت گوشعراء کیلئے مینارۂ نور ہے اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ حقیقتاً امام نعت گویاں ہیں۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃً واسعۃً



الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام
علی
خاتم النبین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

حضرت خلیفہ جلال الدینؒ المعروف باباجیؒ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت قبلہ خلیفہ جلال الدین قادریؒ 1900 میں بیرم پور شریف کے مقام پر پیدا ہوئے۔آپ کے والد کا نام بابو صاحب تھا جبکہ آپ کے دادا حضرت بابا خیرایتی شاہ تھے اپنے وقت کے غوث اور قطب تھے۔ان کو اپنے پوتے کی پیدائش پر بےحد مسّرت ہوئی اور انہوں نے اپنے لاڈلے پوتے کی تعلیم وتربیت کے لئے ہر ممکن سہولیات کا اہتمام کیا۔ابتدائی تعلیم اور دینی کتب آپ نے جیّد عالم دین مولانا محمد جمیل احمد مرحوم سے حاصل کی بعد میں سکول کی تعلیم کا بھی سلسلہ جاری رہا چنانچہ بیرم پور کے ہائی سکول میں آپ نے میٹرک امتیازی نمبروں سے پاس کیا اس کے بعد پٹوار کا پروفیشنل کورس کیا جو کہ اس دور میں انتہائی اہمیت کا حامل تھا دینی ودنیاوی تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ نے پٹواری کی ملازمت کر لئے درخواست دینا چاہی لیکن اپ کے داداحضور نے انتہائی شفقت سے آپ کو سمجھایا کہ آپ دنیاداری کے لئے نہیں آئے ہو بلکہ آپ کو روحانی میدان میں نہایت اہم مقام پر فائز ہونا ہے اور سادہ وغریب مسلمانوں کی دینی وروحانی راہنمائی کرنی ہے۔آپ نے ملازمت کا ارادہ ترک کر دیا اور تمام توجہ تزکیہ نفس اور سلوک کی منازل طے کرنے کی طرف مرکوز کر دی۔طریقت کی منازل طے کرانے کی ذمہ داری آپ کے دادا حضرت پیر خیرایتی شاہ نے ہی سرانجام دی۔ویسے بھی طبعاً حضرت خلیفہ جلال الدین کا رجحان دین اور تصوّف کی طرف ہی تھا یہی وجہ ہے کہ آپ بچپن میں بھی لہوولعب اور کھیل کود سے دور رہتے اور اللہ ربّ العزت کی یاد اور اس کے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت میں مگن رہتے تھے۔دورِ شباب تک پہنچتے پہنچتے آپ ہر لحاظ سے ایک مکمل عالم، جدید تعلیم یافتہ نوجوان اور منازل

سلوک اور فقر وتصوّف کے تمام زینے چڑھتے ہوئے ایک مکمل قلندر اور درویش کے قالب میں ڈھل چکے تھے۔ پورے بیرم پور میں آپ جتنا پڑھا لکھا کوئی نہ تھا۔ اس لئے جب کبھی بیرم پور کے قصبے میں کوئی ٹیلیگرام یا سرکاری خط آتا تو لوگ آپ سے ہی رجوع کرتے۔ آپ کو انگریزی کے ساتھ ساتھ عربی، فارسی، اردو، پنجابی اور گرمکھی پر بھی مکمل عبور حاصل تھا۔ قدیم عربی و فارسی کتب کا ایک ذخیرہ آپ کے پاس تھا مذہبی مسائل میں اگر کوئی مسئلہ حل طلب ہوتا تو آپ پلک جھپکتے میں اسے حل کر دیتے تھے۔ دینی و روحانی تعلیم میں انتہائے کمال تک پہنچنے کے ساتھ ساتھ آپ کو طبّ کے میدان میں بھی شغف تھا چنانچہ بہت سی کتب بھی آپ کے زیر مطالعہ رہیں اگر چہ یہ میدان آپ کے چھوٹے بھائی حکیم غلام غوث نے سنبھالا اور طبیب حاذق اور حکیم بے مثال کے روپ میں اپنا لوہا منوایا۔ سالہا سال تک ریلوے روڈ گوجرہ میں آپ کے مطب سے ہزار ہا مریضوں نے شفائے کاملہ حاصل کی۔ تاہم وہ بھی حضرت خلیفہ بابا جی سے راہنمائی کے طالب رہتے تھے یا کم از کم اپنے خاص مریضوں سے کہتے کہ بابا جی سے بھی نظرِ کرم کی درخواست کرو۔ اس طرح کرم بالائے کرم ہو جاتا۔

جب حضرت بابا خیرایتی شاہ نے وفات پائی تو خلافت کی ذمہ داری پر آپ پر آ پڑی سلسلہ قادریہ کی اس قلندرانہ سجّادہ نشینی کے منصب پر فائز ہونے کے بعد آپ نے تقریباً ساٹھ سال تک اس فریضہ کو سرانجام دیا اور اپنے مریدین کی روحانی، اخلاقی اور دینی تعلیم اس انداز میں کی کہ ان کو کبھی کوئی مسئلہ درپیش نہ آئے۔

سیدنا خلیفہ جلال الدین قادریؒ بیرم پوری فطرتاً بہت سادگی پسند تھے نمود و نمائش اور ظاہری چمک دمک سے آپ کو نفرت تھی۔ اگر چہ آپ خوبصورت پہاڑوں اور باغات کے درمیان گھری ہوئی سرسبز و شاداب وادی بیرم پور میں آستانۂ عالیہ کے نسبی اور روحانی وارث تھے۔ آپ بہت بڑے اور وسیع علاقے پر مشتمل آستانۂ عالیہ جس کے اندر سینکڑوں کمرے اور بہت سے باغات تھے ایک نواب یا رئیس کی طرح زندگی گزار سکتے تھے لیکن آپ کو دنیاوی شان و شوکت سے زیادہ فقر و استغنا کی دنیا پسند تھی کیونکہ آپ مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ مشکل کشا رضی اللہ علیہ کی راہ کے مسافر اور اصحاب صفّہ کی دنیا کے راہرو تھے۔

آپ کا رنگ انتہائی سفید، قد لمبا، جسم دبلا پتلا اور چہرہ نہایت نورانی اور حسن و جمال کا پیکر تھا آپ سفید لباس زیب تن کرتے سفید لباس میں کئی جگہ پیوند لگے ہوتے تھے اور اس طرح آپ گدڑی پہن کر صوفیا کی روایت کو پورا کرتے۔ کالی جوتی اپ کو پسند نہ تھی کیونکہ سرکارِ مدینہ سرورِ قلب و سینہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت کا کمال تھا کہ وہ آپ کی کملی کے رنگ کے جوتے پہننا گوارانہ کرتے تھے۔ بلکہ اپنے مریدین کو بھی اس سے منع کرتے تھے۔ زلفوں اور داڑھی مبارک کے نورانی بالوں کو مہندی لگانا پسند کرتے تھے۔ مہندی کا سرخ رنگ چہرے اور سر کے بالوں کو اتنا حسن بخشتا کہ دیکھنے والے مبہوت ہو جاتے تھے۔ عمر کے کسی حصے میں پھلہری کی وجہ سے آپ کا چہرہ اور تمام جسم مزید سفید اور دودھیا ہو گیا تھا اس طرح اس پر یہ مہندی کا رنگ حسن کو اتنا دوبالا کر دیتا جیسے چاند کے گرد ھالہ ہو۔

کھانے میں بھی سادگی شامل تھی مرغّن غذاؤں کی بجائے سادہ دال روٹی آپ کی مرغوب غذا تھی۔ اگر کسی مرید کے ہاں تشریف لے جاتے تو اسے کہتے جو کچھ بھی پکا ہے وہی لے آؤ آخرِ عمر میں آپ صرف دو چار لقمے اور چائے کے چند گھونٹ پیتے تھے۔ بلکہ کئی کئی روز تک بھوکے رہتے اور یادِ الٰہی میں مگن رہتے الغرض آپ صرف اتنا ہی کھانا کھاتے تھے جتنا زندہ رہنے کے لئے ضروری ہوتا۔ اسی طرح سونے اور آرام کرنے کے لئے بھی نرم و گرم بستر کی بجائے کھجور کے بان کی بنی ہوئی چارپائی پسند کرتے۔ مخملیں بستر کی بجائے سادہ چادر پر استراحت فرماتے۔ سونے کی عادت کم ہی تھی کیونکہ ساری رات عبادت و یادِ الٰہی میں مگن رہتے تھے۔

حضرت خلیفہ جلال الدین رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ اور اہل بیت پاک سے بے حد محبت اور عقیدت تھی۔ محبت کا کمال یہ ہے کہ آپ نے جب 1971ء میں وفات پائی تو اس دن رمضان المبارک کی 21 تاریخ تھی جو کہ شیرِ خدا حضرت مولا علیؓ کا یومِ وصال ہے اس طرح ہر سال 21 رمضان المبارک کا ختم مبارک ایک ساتھ دلایا جاتا ہے۔

ساداتِ کرام سے محبت کا عالم یہ تھا کہ آپ جب بھی ملتان شریف تشریف لے جاتے تو حضرت سید موسیٰ پاک شہیدؒ کے آستانۂ عالیہ پہ لازماً حاضری دیتے تھے وہاں کے

سجادہ نشین بھی آپ کی بہت تکریم و تعظیم کرتے تھے۔

ایک بار فتّو وال گاؤں میں اپنے مریدین کے ہاں تشریف لے گئے وہاں آپ کا قیام ایک سید صاحب کے ہاں رہا۔اہل گاؤں جوق در جوق آپ کی زیارت کو آتے اور آپ کے فیض سے دامنِ مراد بھر بھر لے جاتے ۔اس طرح کافی دن بیت گئے ۔لیکن ان لوگوں کا دل نہ بھرا آپ نے وہاں سے واپس آنے کا ارادہ کیا سارا گاؤں آپ کے ساتھ ساتھ آپ کوالوداع کہنے کے لئے چل رہا تھا بالآخرانہوں نے دل کی بات کہہ ڈالی کہ حضور ابھی تو ہماری نظروں کا کشکول آپ کے دیدار سے بھرا نہیں ہے ہماری روح آپ کے رخِ زیبا کو دیکھنے کی مشتاق ہی ہے آپ چندروز اور ٹھہر جائیں تو بہت اچھا ہو۔آپ نے ان لوگوں کا ذوق دیکھتے ہوئے کہا کہ اگر سیّد صاحب حکم دیں تو پھر میں رک جاؤں گا سارے گاؤں کی نظریں شاہ صاحب پر مرکوز ہوگئیں لیکن شاہ صاحب نے محض اتنا کہا کہ حضور میری کیا مجال کہ حکم دوں بلکہ مجھے اگر آپ حکم کریں تو میں تین دن تک یہاں سے نہ ہٹوں چنانچہ آپ مسکرائے اور سیّد صاحب کا اشارہ سمجھ کر پھر واپس آ گئے وہاں پورا ایک مہینہ مزید قیام کیا۔

بابا سلطان آف روڑا سلطان ضلع وہاڑی بیان کرتے ہیں کہ میں مرشد کی تلاش میں تھا فتّو وال میں ایک بزرگ سید طالب شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن انہوں نے کہا کہ مجھ میں طاقت نہیں تم گوجرہ میں خلیفہ جلال الدینؒ کے پاس چلے جاؤ میں جب آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ کے چہرے کی نورانیت دیکھ کر میری حالت غیر ہوگئی میں نے حوصلہ کر کے عرض کیا کہ مجھے سید طالب شاہ نے آپ کے پاس بھیجا ہے آپ شاہ صاحب کا نام سن کر بے حد مسرور ہوئے اور کہا اچھا وہ سائیں وہ بھی ہمارا تم بھی ہمارے۔چنانچہ سید صاحب کی نسبت سے مجھ پر خصوصی کرم نوازی فرمائی بعد میں جب کبھی حاضر ہوتا تھا تو آپ شاہ صاحب کی نسبت سے مجھ پر کافی شفقت فرماتے۔

یوں تو ہر ولی کو حضور شہنشاہ بغداد حضرت الشیخ السیّد عبدالقادر جیلانی غوث اعظمؓ سے محبت اور عقیدت ہوتی ہے بلکہ مرتبۂ ولایت پر فائز ہی وہ متقی مومن ہوتا ہے جس کی ولایت پر مہر تصدیق حضور غوث الاعظمؓ ثبت کرتے ہیں لیکن حضرت باباجیؒ کو آپ سے انتہا درجے کی محبت تھی۔خلیفہ جلال الدینؒ اپنی محافل اور مجالس میں حضور غوث پاکؓ کا تذکرہ اکثر و بیشتر کرتے رہتے تھے اور حضور غوث الاعظمؓ کا نام ہمیشہ آپ کے وِرد زباں رہتا

تھا۔حضور غوث الاعظمؒ کی کرامات اور آپ کی تعلیمات کے نوری تذکرہ سے مریدین اور سالکین کی روحانی تربیت فرماتے تھے۔پنجابی زبان میں لکھی گئی منقبت ''مدح غوثِ اعظمؒ '' باباجی خلیفہ جلال الدینؒ کو بہت پسند تھی اور آپ خود اس کو اکثر و بیشتر پڑھا کرتے تھے۔ ہر مرید کو یہ ہدایت تھی کہ وہ یہ منقبت زبانی یاد کرے اور فجر کے وقت شجرہ شریف کے ساتھ ساتھ اس کا وِرد بھی کرے۔خوش قسمتی سے حضرت باباجیؒ کی اپنے ہاتھ سے تحریر کردہ یہ منقبت میرے پاس موجود ہے۔جس کا عکسی نقش بھی اس کتاب میں تبرّ کاً شامل ہے۔حضور غوث الاعظمؒ سے آپ کی محبت اور عقیدت کا ایک اور سلسلہ یہ ہے کہ تمام مریدین کے ہاں گیارھویں شریف کا ختم نہایت احسن طریقے اور پورے اہتمام سے دلایا جاتا ہے اس میں امیر غریب کی کوئی قید نہیں ہر مرید کے لئے لازم ہے کہ وہ اگر ہو سکے تو گیارھویں شب کو ورنہ جب بھی توفیق ہو ختمِ غوثیہ کا اہتمام ضرور کرے۔چنانچہ راقم کو یاد پڑتا ہے کہ گذشتہ چالیس سال سے ہمارے گھروں میں یہ سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا بلکہ بزرگوں کے بتانے کے موجب یہ سلسلہ تقریباً دوسوسال سے ہمارے خاندان میں جاری وساری ہے۔

حضرت باباجیؒ کے وصال کے بعد آپ کے جانشین حضرت پیر مولوی غلام دستگیرؒ نے حضور غوث الاعظمؒ کی گیارھویں شریف کے سلسلہ کو مزید وسعت دی اور ایسا حلقہ بنایا کہ ہر ماہ کوئی نہ کوئی صاحبِ استطاعت مرید ختم شریف کا اہتمام کرتا ہے جس میں علاقے کے دیگر پیر بھائی بھی شامل ہوتے ہیں اس موقعہ پر محفل نعت و منقبت کے بعد لنگر غوثیہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔اسی طرح آستانہ قادریہ پر بھی یہ سلسلہ جاری وساری ہے ہر گیارھویں شریف پر پورے اہتمام سے ختم شریف دیا جاتا ہے اور اہل دیہہ میں لنگر شریف تقسیم کیا جاتا ہے۔ جبکہ بڑی گیارھویں شریف کے موقعہ پر وسیع پیمانے پر ختم شریف کا انتظام ہوتا ہے۔موجودہ سجادہ نشین پیر فضا دستگیر مدّ ظلّہ العالیٰ اس سلسلے میں خصوصی دلچسپی لیتے ہیں۔

حضرت خلیفہ جلال الدینؒ دیگر وظائف کے ساتھ ساتھ درود شریف اور ''یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیاءً للّٰہ کا وظیفہ'' بھی بتلایا کرتے تھے۔حضرت غوث الاعظمؒ کے سلسلہ سے وابستہ بزرگوں سے محبت بھی درحقیقت آپ ہی سے عقیدت کا اظہار ہے چنانچہ جب کبھی باباجیؒ لاہور حاضر ہوتے تو سلسلہ قادریہ کے عظیم بزرگ حضرت میاں میرؒ کے آستانہ پرانوار پہ ضرور حاضر ہوتے تھے اور حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے دربار پہ بھی حاضر

ہوتے۔حضرت باباجیؒ چونکہ سلسلہ قادریہ سے فیض یافتہ تھے اس لئے حضور غوث الاعظمؒ سے محبت ونسبت کا اظہار کرنے کی خاطر جب بھی بیعت کرتے تو کہتے کہ یہ ہاتھ میرا ہاتھ نہیں حضور غوث الاعظمؒ کا ہاتھ ہے اور کالی کملی والے آقاﷺ کا ہاتھ ہے۔ یوں اس سلسلے کو حضور غوث پاکؒ کے وسیلہ و ذریعہ سے بغداد کے راستے مدینہ منورہ تک پہنچادیتے تھے کیونکہ یہی تو دینی واخروی کامیابی کی ضمانت ہے۔

فرشتو روکتے کیوں ہو مجھے جنت میں جانے سے
یہ دیکھو ہاتھ میں دامن کس کا ہے؟ غوث الاعظم کا

آستانہ عالیہ قادریہ کے زیب سجادہ حضرت پیر جلال الدین قادریؒ کو مسلک حقّہ اہل سنت و جماعت سے خصوصی وابستگی تھی اور آپ اس کی ترویج کے لئے ہمہ وقت مصروف رہے اگرچہ آپ کا انداز عالمانہ یا واعظانہ نہ ہوتا تھا لیکن آپ نے مریدوں کی تربیت اس انداز میں فرمائی تھی کہ ان کے ہاں کسی دوسرے مسلک سے وابستہ افراد سے راہ رسم رکھنا ناپسند سمجھا جاتا ہے

حضرت پیر جلال الدین قادریؒ تو نقاہت و کمزوری اور ضعیف العمری کی وجہ سے حضرت مولانا سردار احمد رحمتہ اللہ علیہ محدثِ اعظم پاکستانؒ کی مجالس اور جمعہ میں تو شاید کبھی شامل نہ ہوسکے تاہم آپ کے بھتیجے اور موجودہ سجادہ نشین کے والد بزرگوار حضرت پیر ضیاء دستگیر تسلسل کے ساتھ ہر سال حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد سردار احمدؒ کے عرس موقعہ پر 29-30 رجب کو فیصل آباد ضرور آتے اور عرس کی مختلف نشستوں میں علماء کرام کی تقاریر سنتے اور مختلف سٹالوں سے دینی کتب خرید کر ساتھ لے جاتے۔اسی طرح وہ جب کبھی فیصل آباد آتے تو جمعتہ المبارک ادا کرنے بغدادی جامع مسجد گلبرگ میں جاتے اور خطیب شیریں میاں حصرت پیر سید زاہد علی شاہ صاحبؒ کی محبتِ رسولﷺ سے لبریز تقریر سماعت فرماتے۔

حضرت بابا جلال الدینؒ نے تقریباً ساٹھ سال تک رشدوہدایت کا فریضہ سرانجام دینے کے بعد 21 رمضان نومبر 1391ھ بمطابق 11 نومبر 1971ء بروز جمعرات وصال فرمایا۔آپ اگرچہ عرصۂ دراز سے نحیف ونزار اور کمزور تھے لیکن صرف چند روز قبل 5 نومبر کو عرس مبارک کے موقعہ پر سارا انتظام آپ نے خود کروایا اور اس وقت تک وصال فرمانے کے کوئی آثار نہ تھے تاہم صرف ایک ہفتے کے بعد تقریباً 80 سال کی عمر میں

آپ خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ کو آستانۂ عالیہ کے احاطے میں دفن کیا گیا اور پھر کچھ سال بعد آپ نے اپنے ایک مرید حاجی نواب علی جو سعودی عرب میں ملازم کرتے تھے ان سے کہا کہ میرا روضۂ بناؤ انہوں نے محمد بشیر انصاری قادری کے ساتھ مل کر باقاعدہ مہم چلائی یوں مریدین کے تعاون سے ایک عالیشان روضہ تعمیر ہو گیا یہ روضہ سفید رنگ کے گنبد پر مشتمل ہے جس پر سفید چینی مٹّی کے ٹکڑوں سے کشیدہ کاری کی گئی ہے دربار میں آپ کی مرقدِ انور ہے بائیں جانب آپ کے بھائی حکیم غلام غوث رحمتہ اللہ علیہ کی قبر ہے۔ اردگرد تھوڑی سی جگہ تلاوتِ اور ذکر ودعا کے لئے ہے۔ شرقی اور غربی جانب چھوٹے جبکہ جنوب میں مرکزی دروازہ ہے جس پر سبز رنگ کا پینٹ کیا گیا ہے باہر چاروں جانب برآمدہ ہے جس میں دائیں جانب پیر غلام دستگیرؒ اور بائیں جانب پیر عطا دستگیرؒ اور پیر ضیاء دستگیرؒ کی قبریں ہیں برآمدے کے باہر چاروں طرف روش ہے جہاں پہ عقیدت مند آرام سے بیٹھ سکتے ہیں دربار شریف کی دیواروں پر سفید ٹائل ورک ہے جبکہ نیچے سادہ چپس لگی ہوئی ہے یہ روضۂ مبارک انڈیا میں بابا قادر بخشؒ کے آستانۂ عالیہ کے نقشہ کے مطابق بنایا گیا ہے۔ مزید منصوبہ ہے کہ دربار شریف کے قریب ہی ایک مسجد، دینی مدرسہ اور فری ڈسپنسری کا انتظام کیا جائے تاکہ اپ کا سلسلۂ فیض ہمیشہ جاری وساری رہے۔

آپ کے روضۂ مبارک پر یہ اشعار درج ہیں۔

بدرِ منیر کامل فیض علی معظم — دریائے نورِ وحدت قادر بخش معظم
خیراتی شاہ زاہد لختِ جگر قلندر — دیوے ترت مراداں بوہڑے پل دے اندر
منگتا آوے فیض پاوے قادر پیر دی گلی دا — دربار کھلا اے میرا غوثِ جلی دا

حضرت قبلہ باباجیؒ کا روحانی مقام بہت اعلیٰ وارفع ہے اور آپ کو حضور سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت محمد ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں خصوصی مقام حاصل ہے جس کا اندازہ مجھے حرمین طیبّین کی حاضری کے دوران ہوا۔

1999ء میں حجّ بیت اللہ شریف اور زیارتِ مدینہ منوّرہ کا شرف حاصل ہوا۔ مدینہ طیبّہ کی پیاری پیاری گلیوں میں ایک گھر میں اپنے دوست عاشقِ مدینہ محترم حاجی محمد یٰسین کے ہاں دعوتِ طعام تھی وہاں صوفی مشتاق احمد نامی ایک سادہ وقلندرانہ طبعیت کے مالک شخص سے ملاقات ہوئی وہ نہایت محبت سے ہمارے لئے کھانا پیش کر رہے تھے باتوں باتوں میں پتہ

چلا کہ وہ صوفی رانا محمد صادقؒ کے دستِ حق پر بیعت ہیں جو حضرت قبلہ باباجیؒ کے فیض یافتہ اور مرید صادق تھے۔صوفی مشتاق صاحب نہایت عقیدت سے اپنے دادا پیر حضرت قبلہ جلال الدین قادریؒ کا تذکرہ کررہے تھے۔جب میں نے بتلایا کہ میں بھی ان کے آستانہ کا ریزہ خوارہ ہوں تو وہ فرطِ عقیدت سے جھوم اٹھے وہاں پھر خوب اپ کا تذکرہ ہوا اور ایسا محسوس ہوا کہ یہ دعوت نہیں بلکہ حضرت خلیفہ باباجیؒ کے ذکر کی محفل ہے اور آپ خود مدینہ منورہ میں اپنی حاضری لگوانے آئے ہیں اور ہمیں بتلا رہے ہیں کہ میں یہاں پر موجود ہوں۔اسی طرح 2001ء میں رمضان المبارک کے دوران پھر زیارت گنبدِ خضراء اور عمرہ مبارک کا شرف ملا رمضان المبارک کا تیسرا جمعہ بیت اللہ شریف کے سائے میں پڑھنے کی سعادت پائی اور جمعہ کے بعد عصر تک عمرہ کے ارکان ادا کئے۔بعد میں اپنے عزیز اور حضرت خلیفہ جلال الدینؒ کے ارادت مند محترم محمد شفیق مکیؒ کے ہاں قیام کے لئے پہنچا۔وہاں گزشتہ اکیس سال سے مقیم ہیں اور ہر سال حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرتے ہیں ان کے ہاں پہنچا تو افطاری کا وقت قریب تھا۔اس دن سعودیہ میں رمضان المبارک کی 22 تاریخ تھی جبکہ پاکستان میں 21 رمضان المبارک کا دن تھا یہ دن حضرت مولا علیؓ کے ساتھ ساتھ ہمارے پیرومرشد حضرت خلیفہ جلال الدینؒ کا یوم وصال بھی ہے گوجرہ میں آستانہ عالیہ پر اس دن محفل ختم شریف کا اہتمام ہوتا ہے جس میں مریدین کثیر تعداد میں شریک ہوتے ہیں حاجی محمد شفیق صاحب کے ہاں ہم کُل چار افراد یعنی میں، حاجی شفیق، ان کے چھوٹے بھای حاجی شریف اور باباجیؒ کے ایک اور ارادت مند بھائی ظہیر احمد جو عرصہ دراز سے سعودیہ میں قیام پذیر ہیں موجود تھے وہاں پر باقاعدہ محفل جمی اور حضرت خلیفہ جلال الدینؒ کے ایصال ثواب کے لئے ختم شریف کا اہتمام ہوا یوں محسوس ہوا کہ آپ کا عرس بیک وقت آستانۂ عالیہ اور مکہ المکرّمہ میں منعقد ہو رہا ہے اور آپ خود ہمارے قرب و جوار میں موجود ہیں۔

حضرت باباخلیفہ جلال الدین قادریؒ کے چہرہ انور سے ایسا نور عیاں ہوتا تھا کہ دوسرے لوگ آپ کا ادب واحترام کرنے پر مجبور ہوجاتے۔اس میں اپنے یا غیر،مسلم یا غیر مسلم، مقامی یا غیر مقامی کا کوئی امتیاز نہ تھا آپ کی نورانیت کا عالم یہ تھا کہ بقول چوہدری مقبول احمد آف ورن شیخوپورہ آپ کے حجرۂ مبارک میں روشنی نہ ہونے کے باوجود اتنا نور

ہوتا تھا کہ تمام حجرہ منوّر ہو جاتا تھا۔ اور دیا جلانے کی نوبت پیش نہ آتی تھی۔ غیر مسلم آپ کا بے حد احترام کرتے تھے اور بار ہا آپ کے آستانہ عالیہ پر عرس کے موقعہ پر ذوق در جوق حاضر ہوا کرتے تھے قیام پاکستان کے بعد اب تک بیرم پور شریف میں عرس کا عظیم الشان اہتمام مقامی غیر مسلم لوگ ہی کرتے ہیں۔

محمد بشیر انصاری قادری بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت باباجیؒ اپنے مریدوں کے ہمراہ بیرم پور شریف کے آستانہ عالیہ میں تشریف فرما تھے اور وعظ و نصیحت کر رہے تھے باہر ایک جوگی پنڈت اپنے چیلوں کے ہمراہ گزرا اس نے یکدم اپنے چیلوں سے کہا کہ کیا تم نے ربّ دیکھنا ہے کہ کیسا ہے سب نے کہا کہ ہاں کیوں نہیں وہ چیلوں کو ہمراہ لے کر آستانہ کے اندر حاضر ہو گیا اور ان سے کہنے لگا یہ دیکھ لو ربّ ایسا ہوتا ہے چنانچہ ان سب نے عقیدت سے آپ کو سلام کیا اور دعاؤں کے طالب ہوئے۔

ایک بار آپ بیرم پور شریف میں تشریف فرما تھے مریدین کا حلقہ آپ کے گرد موجود تھا قریب سے سکھوں کا کارواں ڈھول بجاتا ہوا گزرا سب نے زرق برق لباس اور مخصوص پگیں باندھی ہوئی تھیں پتہ چلا کہ یہ سب لوگ انند پور میں اپنے گرو کا میلہ دیکھنے جا رہے ہیں حضرت باباجیؒ نے بھی اپنے مریدوں سے کہا کہ سب تیار ہو کر آ جاؤ چنانچہ سب لوگ فوراً تیار ہو کر آ گئے آپ نے سب کو ہمراہ لیا اور انند پور کی جانب روانہ ہو گئے وہاں سکھوں کا ایک گاؤں تھا وہ لوگ آپ کا جاہ و جلال اور حسن و جمال دیکھ کر فریفتہ ہو گئے اور انہوں نے اپنے گھروں میں دعوتیں کیں اور نذرانے بھی پیش کئے چنانچہ اتنے پیسے جمع ہو گئے کہ آپ نے تمام مریدوں سے کہا کہ تمہارا جتنا خرچہ ہوا ہے اتنے پیسے یہاں سے لے لو مرید کچھ ہچکچائے تو آپ نے شفقت سے فرمایا کہ تم سب لوگ میرے کہنے پر یہاں آئے ہو لہٰذا تمہارا خرچہ بھی میرے ذمے ہے اللہ اللہ مریدوں کا اپنا خیال تھا چنانچہ سب نے اپنے خرچے کی رقم اٹھالی۔

غیر مسلموں کے علاوہ ہم عصر اولیاء کرام اور سجادہ نشین حضرات بھی اپ کی بہت عزت اور احترام کرتے تھے اس سلسلے میں روایت ہے کہ لاٹھیانوالہ کے پیر سید نیاز احمد شاہؒ کے والد گرامی جب بھی آپ کے علاقے میں آتے یا آپ کے مریدوں کے گاؤں میں جاتے تو

ادب سے کہتے کہ حضور آپ کی اجازت سے ادھر آیا ہوں۔ موجودہ سجادہ نشین حضرت صاحبزادہ فضا دستگیر بیان کرتے ہیں کہ ایک بار آپ ملتان میں حضرت سید موسیٰ پاکؒ کے آستانۂ عالیہ پر حاضری کے بعد سجادہ نشین صاحب کے ہاں بیٹھے تھے کہ ایک عورت آئی اور آپ کا جلوہ دیکھ کر کہنے لگی کہ میں اپنے بچے کو آپ ہی سے دم کراؤں گی آپ نے فرمایا کہ شاہ صاحب موجود ہیں ان سے دَم کرواؤ لیکن اس نے اصرار کیا اور سجادہ نشین حضرت نے بھی اجازت دے دی تو آپ نے دعا کی اس وقت سجادہ نشین صاحب نے کہا کہ ان کی زیارت کرلو اس طرح کے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے۔

حضرت پیر خلیفہ جلال الدین قادریؒ اپنے مریدوں اور طالبان طریقت سے بے حد محبت کرتے تھے اور ان پر خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ آپ اپنے مریدوں کو ایک کنبے کی طرح سمجھتے تھے ان کی دینی، دنیاوی، مادی اور روحانی ضروریات کا مکمل ادراک رکھتے ہوئے انہیں پورا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اپنے مریدوں کے ساتھ شفقت و محبت اور ان کی کفالت واستعانت کی کئی جہتیں تھیں جن کا مختصراً تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا کہ قیام پاکستان سے پہلے آپ کا قیام ضلع گڑھ شنکر مشرقی پنجاب کیقصبے بیرم پور میں تھا جہاں آپ کا آستانہ عالیہ مرکز خاص و عام تھا اور سالانہ عرس مبارک علاقے کے ہر طبقے کے لئے ایک دلچسپی کی چیز تھا آپ کے مریدین کا ایک بہت بڑا حلقہ بیرم پور کے قرب و جوار کے علاقوں مثلاً ڈیٹاں، اونہ، کلیڑہ، دہلیڑ وغیرہ میں مقیم تھا جہاں سکھ اور ہندو بھاری اکثریت میں رہتے تھے۔ وہاں ایک مخلوط معاشرہ قائم تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی اقلیت اپنا اسلامی وملّی تشخص اور پہچان کھو چکی ہے۔ اس کی ایک مثال یہ تھی کہ مسلمانوں کے نام تک ہندوؤں جیسے تھے چنانچہ حضرت بابا جلال الدین قادریؒ نے دیگر ہندوانہ رسومات کی بیخ کنی کے ساتھ ساتھ ایک کام یہ کیا کہ اپنے مریدوں کے نام اسلامی رکھے۔ اگر زیادہ عمر کے مریدوں کے نام بھی بدلنا پڑے تو آپ نے بدلے۔ اس طرح جس مرید کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ اس بچے کا نام تجویز فرماتے تھے۔ آپ کے تجویز کردہ نام انتہائی خوبصورت اور پرکشش تھے۔ خود ہمارے گھر میں محمد بشیر، محمد نذیر، عبدالمجید، عبدالغفور اور راقم کا نام

عبدالشکور آپ کے تجویز کردہ ہیں۔ یہاں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ آپ کے ایک مرید جن کا نام محمد سالم ہے ان کا نام ذرا منفرد تھا اور وہ اس سے کچھ پریشان بھی ہوتے لیکن جب ملازمت کے سلسلہ میں سعودی عرب گئے تو وہاں یہ نام عربی لوگوں میں بہت عام تھا اور وہ انہیں بھی عربی ہی سمجھتے تھے۔اسی طرح حضرت باباجیؒ نے بچیوں کے نام بھی تجویز کئے جو بہت پیارے ہوتے تھے۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد سرکارِ دوعالم نورِ مجسم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مکّہ سے ہجرت کر کے آنے والے مہاجر صحابہ اور انصارِ مدینہ کے مابین مواخات یعنی بھائی چارے کا سلسلہ قائم فرمایا۔ان انصاری بھائیوں نے اپنے مکّی مہاجر بھائیوں کو ہر چیز میں حصہ دار بنا لیا یہاں تک کہ اگر ایک صحابی کی دو بیویاں تھیں تو انہوں نے ایک کو طلاق دے کر دوسرے صحابی بھائی کے نکاح میں دے دی۔

کالی کملی والے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اس سنّت کو زندہ کرتے ہوئے نائب غوث الوریٰ حضرت خلیفہ جلال الدین قادریؒ نے بھی اپنے مریدین کے مابین رشتہ داری کا تعلق قائم فرمایا خاص طور پر قیام پاکستان سے قبل انڈیا میں اکثر خاندانوں میں لڑکوں کی کثرت تھی جبکہ لڑکیاں کم کم تھیں اس لئے بچوں کی شادی بہت مسئلہ ہوتا تھا لیکن حضور قبلہ باباجیؒ اپنے مریدوں کی خواہشات کے مطابق رشتہ داریاں قائم فرماتے۔ جسے مریدین بلا چوں وچراں قبول کر لیتے تھے یہ سلسلہ پاکستان میں بھی جاری رہا۔اس سلسلہ میں بہت سی مثالیں ہیں۔دلچسپی کے لئے اپنے والدین کی روایت ان کی شادی کے حوالے سے بیان کرتا ہوں۔میری والدہ محترمہ زینت بی بیؒ بہت خوشحال گھرانے کی بیٹی تھیں اور پورے خاندان میں اکلوتی تھیں۔ ہمارے نانا جان محترم محمد عبدہ بھی کھاتے پیتے، پڑھے لکھے اور نہایت زیرک آدمی تھے لیکن والد صاحب ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔تاہم باباجیؒ کے ساتھ دادا جان اور ان کے خاندان کی محبت،عقیدت اور ارادت مندی بے مثال تھی۔اسی تعلق کی وجہ سے باباجیؒ نے یہ رشتہ طے کیا۔ ہمارے نانا جان نے بلا چوں وچراسرِ تسلیم خم کیا اس طرح آپ کی توسط سے یہ گھرانہ بہت خوش وخرم ٹھہرا۔آپ کی دعاؤں کے طفیل اس کنبے میں ڈاکٹر، آرمی آفیسر، بزنس مین، ٹیچر، صوفی، حافظ قرآن سبھی موجود ہیں۔ یہ سب باباجیؒ کی نظرِ کرم کا صدقہ اور فیضان ہے۔

حضرت باباجلال الدین قادریؒ کا آستانہ عالیہ نادار، مفلس اور بے سہارا مریدوں اورعقیدت مندوں کے لئے ایک پناہ گاہ اورآسرا تھا جہاں بہت سے بھوکے پیٹ بھرتے اوراپنی مشکلات حل کرواتے۔

مریدین دور دراز کے دشوار گزار علاقوں اور پہاڑی مقامات سے آتے اورآستانہ قادریہ پرآ کرکئی کئی روز قیام کرتے۔ جہاں ان کی خوب خاطر مدارت کی جاتی اور ان کی تمام ضروریات کا خیال لکھا جاتا۔لنگر کا سلسلہ سال کے بارہ ماہ اور مہینے کے تیس دن چلتا رہتا تھا۔آپ کے مرید صادق ڈاکٹر محمد عالم مرحوم کی زوجہ محترمہ زینب بی بی بیان کرتی ہیں کہ شادی سے قبل جب وہ اپنے والدین کے پاس تھیں تو ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔خاندان میں اورکسی نے سہارا نہ دیا ان کی والدہ کی نظر اپنے پیرومرشد کی طرف اٹھی۔وہ دونوں ماں بیٹی پیدل سفر کرتی ہوئی کئی میل کا سفر طے کر کے شام ڈھلے حضرت باباجلال الدین قادریؒ کے آستانے میں حاضر ہو گئیں۔آپ نے نہایت شفقت ومحبت سے ان کے سروں پر ہاتھ رکھا اور کچھ پریشان بھی ہوئے کہ دونوں عورتیں اتنا لمبا سفر کرتی ہوئی یہاں آئی ہیں۔پھر کئی برس تک باباجیؒ نے ان دونوں کواپنے بچوں کی طرح پالا تا۔

آج کے جدید دور میں NGO یعنی غیر سرکاری فلاحی اداروں کا بڑا شوروغوغا ہےاوران کی رتی برابر خدمات کا پروپیگنڈہ پہاڑ کی طرح کیا جاتا ہےلیکن ہمارےاسلاف اوراولیاءکرام نے خانقاہی نظام اوروحانی مراکز کے ذریعےغریب عوام کی خدمت وسہولیات کا ایسا نظام قائم کیا ہے جس کی مثال پیش کرنا ناممکن ہے ان خانقاہوں میں مفت تعلیم،مفت رہائش،مفت خوراک اور مفت علاج معالجہ کی سہولتیں شامل ہیں۔آستانہ قادریہ بیرم پورشریف میں بھی ایک بہت بڑا رفاہی شفاخانہ قائم تھا جہاں حضرت باباخلیفہ جلال الدینؒ کے بھائی حضرت حکیم غلام غوث قادریؒ خدمات سرانجام دیتے تھے حکیم صاحب بہت تجربہ کار،فاضل طبّ اورحاذق طبیب تھے ان کے پاس بے حد مجرب اور کارگرنسخہ جات تھے۔لیکن ان کی آخری بات یہ ہوتی کہ باباجیؒ سے دعا کروالو۔حکیم صاحب کے پاس ہرقسم کی ادویات اورنسخہ جات تیار ہوتے جب کوئی مریدعرس کے موقعہ پر یا سال کے باقی ایّام میں بیمار ہوتا تو آپ اسے مفت دوافراہم کرتے۔حکیم صاحب کا کمال یہ تھا کہ وہ طبی خدمات کے ساتھ ساتھ آستانہ عالیہ کے منتظم بھی تھے چنانچہ عرس کا اہتمام،لنگر کا

انتظام، مریدوں کے قیام کا بندوبست یہ سب سلسلہ آپ کی زیرنگرانی ہی چلتا تھا۔
حکیم غلام غوث قادریؒ کے اس ویلفیئر مشن کو 1967ء میں ان کے وصال کے بعد ڈاکٹر محمد عالم (مرحوم) نے جاری رکھا اوراب گزشتہ بیس سال سے آستانہ عالیہ قادریہ چک 297 ج ب گوجرہ میں عرس کے موقعہ پر تین روزہ فری میڈیکل کیمپ کا اہتمام آپ کے مرید صادق ڈاکٹر شیراز احمد ایم۔ بی۔ بی۔ ایس سینئر میڈیکل آفیسر سوشل سیکورٹی ڈسپنسری لاہور کی زیرنگرانی ہرسال باقاعدگی سے ہوتا ہے جہاں راقم بھی ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے اپنی خدمات سرانجام دیتا ہے۔

جس طرح ہمارے پیارے آقا مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے غریب و مفلس اورنادار صحابہ سے خصوصی محبت اور شفقت فرماتے تھے اسی طرح حضرت باباجی خلیفہ جلال الدین قادریؒ بھی اپنے غریب مریدوں پر بہت شفیق تھے کسی دوسرے گاؤں میں جاتے تو غریب مرید کے ہاں قیام فرماتے اوراس کی روکھی سوکھی دعوت کھا کر بےحد خوش ہوتے۔ قیام پاکستان کے بعد آپ کافی عرصہ تک گورونا نک پورہ فیصل آباد میں ہمارے اورتایا جان مرحوم کے گھر میں قیام پذیر رہے اور بڑے خوش وخرم رہتے تھے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ بے محل نہ ہو گا کہ آپ کے مریدوں میں بڑے بڑے رئیس، سرمایہ دار، زمیندار اور کاروباری حضرات شامل تھے لیکن اپ اپنے غریب مریدوں کے ہاں قیام فرما کران کی دلجوئی فرماتے۔

والد مرحوم بیان کیا کرتے تھے کہ میں نے عرض کیا کہ پاکستان آنے کے بعد حالات تنگی اور عسرت سے گزررہے ہیں آپ نظرِ کرم فرمائیں تو ہمارے بھی دن پھر جائیں آپ نے فرمایا کہ فضل محمّد میں غریبوں کو پسند کرتا ہوں اوران کے درمیان ہی رہنا چاہتا ہوں اوراپنے آقا ومولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرح قیامت کے روز غریبوں کے ساتھ ہی موجود ہوں گا۔ اسی طرح مریدین بیان کرتے ہیں کہ جب کبھی ہملوگ خدمت میں حاضر ہوتے اور نذرانے کےطور پر 2 روپے پیش کرتے تو ایک رکھ لیتے اورایک واپس کردیتے کہ تم کرایہ لگا کرآئے ہو۔ اسی طرح جب کوئی مرید آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اس کی بھرپور تواضع کی جاتی پہلے پانی شربت پھر کھانا دیا جاتا اور چائے کا اہتمام بھی ہوتا۔ یہ سلسلہ آج بھی آستانۂ عالیہ گوجرہ میں جاری ہے

☆☆☆

تعارف

مصف: ڈاکٹر عبدالشکور ساجد انصاری

تعلیم: پی ایس سی۔ایم بی بی ایس۔ایم سی پی ایس (پی جی)

پیشہ: رجسٹرار شعبہ امراض جلد (پنجاب میڈیکل کالج) سول ہسپتال فیصل آباد

نگارشات: (i) خیرالبشر ﷺ (ii) ماہِ عرب ﷺ

(iii) قندیلِ حرم (iv) پیکرِ جمال

(v) لبیک یارسول اللہ ﷺ (vi) سیّدالعالمین ﷺ

(vii) صبحِ سعادت (viii) آدابِ محفلِ نعت

(ix) ماہِ ولایت

ذمہ داریاں: چیئرمین المصطفیٰ تھنکرز فورم فیصل آباد

جنرل سیکرٹری مرکزِ تحقیق فیصل آباد

چیئرمین زینت فضل غوثیہ فاؤنڈیشن

سیکرٹری بورڈ آف گورنرز المصطفیٰ قرآن اکیڈمی فیصل آباد

جنرل سیکرٹری فیصل آباد ڈرمالوجی کلب

ادبی چیف ایڈیٹر ''سیرت رنگ میگزین''، فیصل آباد

مصروفیات: مدیر ''المصطفیٰ میگزین''، فیصل آباد

کالم نگار ماہنامہ ''سوک رپورٹ''، فیصل آباد

ماہنامہ ''پاکستان لنک'' آئرلینڈ

ایڈیٹر: ''آئینہ'' اسلام آباد

رابطہ: A-154 لیاقت ٹاؤن فیصل آباد (موبائل 0300-9656709)